ترجمان الحدیث

دوم

سیّد محمود حسن

فہرستِ مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

(الاحزاب: ۲۱)

"درحقیقت تم لوگوں کے لیے اللہ کے رسول ﷺ میں ایک بہترین نمونہ ہے۔"

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حرفِ اوّل

(۱) اللہ تعالیٰ نے انسان کو انسان ہونے کی حیثیت سے محترم بنایا ہے۔ اور ان کو زندگی بسر کرنے کا سیدھا راستہ بھی دکھایا ہے۔ اس راستے پر چل کر آدمی ایک ایسے بلند مقام پر پہنچ جاتا ہے کہ فرشتے بھی اس کا تصوّر نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ کی بتائی ہوئی راہ پر چلنے والا انسان، اللہ تعالیٰ کا نائب اور خلیفہ ہے۔ یہ قابلِ رشک منصب کسی دوسری مخلوق کا مقدر نہیں بن سکا۔ اس سیدھے راستے کا نام "اسلام" ہے۔ اسلام مکمل دین ہے۔ انسانی زندگی کا کوئی پہلو ایسا نہیں ہے جس کو اسلام نے واضح نہ کیا ہو۔ انفرادی اور اجتماعی زندگی کے ہر معاملے میں اسلام کی ہدایات موجود ہیں۔ تمدّن و معاشرت کی عمارت کو جس خوبصورتی اور توازن کے ساتھ اسلام نے تعمیر کیا ہے، انسانی تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔

(۲) انسان نے خدا سے بے نیاز ہو کر زندگی بسر کرنے کے جو طریقے اور تہذیب و تمدّن کے جو اصول ایجاد کیے ہیں وہ نہ صرف یہ کہ ناکام ہو چکے ہیں، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے انسانیت کو ذلّت اور مصیبت کی دلدل میں پھنسا دیا ہے اور تباہی کے کنارے لا کھڑا کیا ہے۔

مغربی مفکّرین نے اپنی تہذیب کے بارے میں اعتراف کیا ہے کہ اس نے خاندانی نظام کو برباد کیا ہے۔ ازدواجی زندگی سکون سے محروم ہو گئی ہے۔ شرافت، وضعداری اور ہمدردی ڈھونڈے سے نہیں ملتی۔ اب نوبت یہاں تک پہونچ چکی ہے کہ یورپ میں سوچنے والے دماغ اور حالات کا گہری نظر سے جائزہ لینے والے ذہن سخت پریشان ہیں۔ بے راہ روی اور بے حیائی کے اس طوفان میں مغربی مفکّر کہتا ہے کہ "جاؤں کدھر کو میں"۔

(۳) اسلام کا نام لینے والوں کا حال یہ ہے کہ وہ مغرب کے تمدّن و تہذیب سے مرعوب ہونے کی بنا پر بڑی برق رفتاری سے ان کی نقّالی کرنے میں منہمک ہیں۔ ہم اعتراف

کرتے ہیں کہ مغرب کی مادر پدر آزاد تہذیب اُمّتِ مسلمہ کے معاشرتی مزاج کو مسموم کر رہی ہے اور ہم نے زوال اور پستی پر قناعت کر لی ہے۔ ادبار اور تنزّل نے ہمیں اپنے مضبوط حصار میں لے رکھا ہے۔ ہم نے اگر کسی شعبہ میں ترقی کی ہے تو وہ ہے مغرب سے نازل شُدہ معاشرت اور تہذیب کو اپنانے کا شوق۔ وہ قوم احساس کہتری کا شکار ہے جو غالب اقوام کی تقلید کرنے اور اس کی نقل اُتارنے میں خوشی محسوس کرتی ہے۔

(۴) اس کے علاوہ برِّصغیر، پاک و ہند کی غیر مسلم قوموں کی پُرپیچ توہّم پرستی نے بھی ہماری معاشرتی اقدار کو متاثر کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہماری شادی بیاہ کے رسوم اور خانگی معاملات میں ایک بُت پرست قوم کے توہّمات کا عکس نظر آتا ہے۔ خصوصًا ہماری خواتین، دقیانوسی اور وہم پرستانہ ذہنیت سے دستبردار ہونے کے لیے تیّار نہیں ہیں، ان معاملات میں وہ اپنے مردوں کو بھی اپنے پیچھے لگا لیتی ہیں۔

(۵) ایک اور سبب جس نے ہماری معاشرت کو تہ و بالا کیا ہے یہ ہے کہ ہماری قوم میں بہت بڑے دولت مند اور مال مست افراد اور خاندان موجود ہیں، ان کی مُسرفانہ طرزِ زندگی، فضول خرچی اور ٹھاٹھ کی نمائش نے عوام کی معاشرت کو متزلزل کر رکھا ہے۔

(۶) ہم نے ترجمان الحدیث حصّہ دوم میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات گرامی کی روشنی میں اسلام کے معاشرتی مزاج کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ کتاب تین ابواب پر مشتمل ہے۔ ہر باب میں آٹھ فصلیں ہیں۔ اور ہر فصل کے آخر میں "رشحات" کے عنوان سے اس فصل کے مضمون کا خلاصہ بھی درج ہے تاکہ قارئین اجمالی خاکہ کی مدد سے مفصّل مضمون کو مستحضر رکھ سکیں۔ پہلے باب میں بتایا گیا ہے کہ اسلام میں خاندان کی تشکیل کیسے ہوتی ہے اور اس کا مقام کیا ہے؟ نکاح کی اہمیت، میاں بیوی کے باہمی تعلّقات اور حقوق، اولاد، والدین، اعزّہ و اقارب اور یتیموں کے علاوہ معاشرے کے دوسرے افراد کے حقوق کی حفاظت کی گئی ہے۔

دوسرے باب کا عنوان ہے "خاندان کی بربادی کے اسباب" اس باب میں ان اسبَاب اور وجوہ پر بحث کی گئی ہے جو خاندانی نظام کی بربادی اور تباہی کا باعث ہیں۔ تیسرے باب میں اصلاحِ معاشرہ کے موضوع پر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث کو ایک خاص ترتیب

سے جمع کر دیا گیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ماننے والوں کو چاہیے کہ وہ غیر اسلامی رسموں اور طور طریقوں سے اپنے گھروں کو پاک کریں۔ اور خالص اسلامی معاشرت کو قبول کریں۔ معاشرے کی اصلاح اور معاشرے کی اسلامی خطوط پر تربیت کیے بغیر اسلامی نظام کا تصوّر بھی نہیں کیا جا سکتا۔ ظاہر بات ہے کہ جس ملک کے رہنے والے اپنی ذاتی اور خانگی زندگی میں اسلام کے اصولوں اور احکام پر عمل کرنے کے لیے تیّار نہ ہوں، بلکہ علانیہ اس کی خلاف ورزی کرتے ہوں وہ کس طرح اپنے ملک کے اجتماعی اور سیاسی دائروں کو اسلام کی تحویل میں دینے کے لیے تیار ہو سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے جو بندے اپنے ملک میں اسلامی حکومت قائم کرنے کے لئے جہاد کر رہے ہوں وہ نہ صرف یہ کہ خود اسلامی معاشرت کا نمونہ بنیں، بلکہ مسلمان گھرانوں کو غیر اسلامی معاشرت سے پاک کرنے کی کوشش بھی جاری رکھیں۔ اللہ تعالیٰ ہماری اس حقیر کوشش کو قبول فرمائے۔ ہم سب کو اسلام کے مطابق زندگی بسر کرنے اور اُسے دنیا میں غالب کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝

عاجز

سیّد محمود حسن استاذ حدیث

مدرسہ جامع العلوم معصوم شاہ روڈ ملتان

۲۲ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۴ھ

۱۷ فروری ۱۹۸۴ء

باب اوّل

اسلام میں خاندان کی تشکیل

(۱)

نکاح

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

نکاح کی اہمیت

(۱) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ قَالَ لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ! مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ فَإِنَّهٗ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ فَإِنَّهٗ لَهٗ وِجَاءٌ۔

(مسلم عن عبداللہ بن مسعود کتاب النکاح۔ بخاری کتاب الصوم۔ کتاب النکاح)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے ہم سے فرمایا: نوجوانو! تم میں سے جو شخص نکاح کی ذمّہ داریوں کو ادا کر سکتا ہو، اُسے شادی کر لینی چاہیے، اس سے نگاہ قابو میں آجاتی ہے اور آدمی پاک دامن ہو جاتا ہے۔ ہاں، جو شخص (نکاح کی ذمّہ داریوں کو ادا کرنے کی) استطاعت نہ رکھتا ہو وہ روزے رکھے، کیونکہ روزہ اس کے شہوانی جذبات کو کم کر دے گا۔

تشریح: بیوی کی ضروریاتِ زندگی (لباس، خوراک، مکان اور دوسرے روز مرّہ کے اخراجات) کی کفالت شوہر کے ذمہ ہے۔ جو شخص اس کی استطاعت رکھتا ہو اُسے تجرد سے پرہیز کرنا چاہیے۔ وہ لازماً شادی کرے۔ شادی کرنے سے نگاہیں اِدھر اُدھر بھٹکنے سے بچ جاتی ہیں۔ جائز ذریعہ سے جنسی تسکین شرمگاہ کو محفوظ کر لیتی ہے۔ غیر شادی شدہ آدمی ہر وقت شیطان کے نرغے میں رہتا ہے۔ جوانی کا فطری تقاضا خیالات اور جذبات کو غلط راہوں پر بھی ڈال سکتا ہے۔ جنسِ مخالف کی کشش بڑھ جاتی ہے اور نفسِ جبلہ جو آہستہ آہستہ آنکھوں سے شرم وحیا کے جوہر کو کمزور کرتا رہتا ہے جب یہ آوارہ ہو جاتی ہیں تو پھر کان اور زبان کی بے احتیاطی کا آغاز ہوتا ہے۔ بالآخر انسان بے حیائی کے آخری غار میں گر کر اپنی عصمت کا دامن تار تار کر کے رہتا ہے۔ نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کو زیادہ عرصہ تک ازدواجی زندگی سے محروم رکھنے سے معاشرے میں بڑی گھناؤنی اخلاقی بیماریاں نشوونما پاتی ہیں۔ فطرت کے خلاف جنگ کرنے والے افراد اور ادارے پاکیزہ ماحول، شرم وحیا، شرافت اور پاک دامنی کے اوصاف سے محروم ہو جاتے ہیں، اس لیے جو شخص

نکاح کی ذمّہ داریوں کو ادا کرنے کی استطاعت رکھتا ہو اُسے "مجرد" نہیں رہنا چاہیے۔ شہوت کے غلبہ کی تسکین کا صرف ایک ہی ذریعہ ـــ ازدواجی زندگی ـــ ہے۔ یہ فطری اور معقول طریقہ ہے اس جذبہ کی تسکین کا۔

عملِ قومِ لوط یا استمنار بالید (جلق) سے اس کی تسکین غیر فطری اور بالکل ناجائز ہے۔ علاوہ ازیں ان غلط طریقوں سے انسان کی صحت کا ستیاناس ہو جاتا ہے۔ وہ دنیا میں ـــ اچھا مسلمان تو کیا بنے گا ـــ ایک اچھے انسان کی طرح بھی کارزارِ حیات میں زندگی بسر نہیں کر سکتا۔

ہاں، جو شخص ازدواجی زندگی کی ذمّہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کی استطاعت نہ رکھتا ہو وہ مسلسل روزے رکھ کر اپنے شہوانی جذبات کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کرے۔ روزہ رکھنے سے ایک فائدہ تو اُسے یہ ہو گا کہ اس کی روح مادّی کثافتوں سے نجات حاصل کرتی رہے گی، اور یہ سب سے زیادہ مؤثر طریقہ ہے اللہ تعالیٰ سے قریب ہونے کا۔ دوسرا فائدہ یہ ہے کہ جو شخص متواتر اور مسلسل روزے رکھنے لگے اس کی بہیمیت ختم ہو جاتی ہے، اور طبعی شہوت کا ہیجان زائل ہو جاتا ہے۔ اور اس کا تیسرا فائدہ یہ ہے کہ انسان میں ضبطِ نفس کی صفت پیدا ہو جاتی ہے۔

نکاح اور تقویٰ

(٢) اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَعَثَ اِلٰی عُثْمَانَ بْنِ مَظْعُوْنٍ فَجَاءَہٗ فَقَالَ یَا عُثْمَانُ اَرَغِبْتَ عَنْ سُنَّتِیْ؟ قَالَ لَا وَاللّٰہِ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ وَلٰکِنْ سُنَّتَکَ اَطْلُبُ قَالَ فَاِنِّیْ اَنَامُ وَاُصَلِّیْ وَاَصُوْمُ وَاُفْطِرُ وَاَنْکِحُ النِّسَآءَ فَاتَّقِ اللّٰہَ یَا عُثْمَانُ! فَاِنَّ لِاَھْلِکَ عَلَیْکَ حَقًّا وَاِنَّ لِضَیْفِکَ عَلَیْکَ حَقًّا وَاِنَّ لِنَفْسِکَ عَلَیْکَ حَقًّا فَصُمْ وَاَفْطِرْ وَصَلِّ وَنَمْ۔

(ابوداؤد عن عائشۃ کتاب الصّلوٰۃ باب مایؤمر بہ من القصد فی الصّلوٰۃ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کو بُلا بھیجا، وہ حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا: عثمان! کیا تو میرے طریقے سے اعراض کرتا ہے؟ انہوں نے عرض کیا نہیں

اے اللہ کے رسولؐ! خدا گواہ ہے (کہ میں آپ کے طریقے سے اعراض نہیں کرتا) بلکہ میں تو آپ ہی کے طریقے کی تلاش میں ہوں۔ آپؐ نے فرمایا (میرا طریقہ تو یہ ہے کہ) میں (رات کے ایک حصّہ میں) سوتا ہوں اور (اس کے ایک حصّہ میں) نماز تہجد پڑھتا ہوں۔ میں روزے رکھتا ہوں اور نہیں بھی رکھتا۔ میں عورتوں سے نکاح کرتا ہوں اے عثمان! تو خُدا سے ڈر (اپنے مہمان، اپنی بیوی اور اپنے نفس کی حق تلفی نہ کر) تیرے بال بچّوں کا تجھ پر حق ہے، تیرے مہمان کا تجھ پر حق ہے اور تیرے جسم کا تجھ پر حق ہے۔ پس تو روزے رکھ اور افطار کر، رات کو نفل نماز پڑھ اور سو بھی۔

تشریح: حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے اس رائے کا اظہار کیا تھا کہ میں بالکل عورتوں سے واسطہ نہ رکھوں گا، میں ہمیشہ جاگ جاگ کر ساری رات نماز پڑھتا رہوں گا اور ہمیشہ روزے سے رہوں گا، ایک دن بھی افطار نہ کروں گا۔ یہ بات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم میں آئی تو آپؐ نے ان کو بُلا بھیجا۔ اس سلسلہ میں یہ گفت گو ہوئی۔ استطاعت کے باوجود نکاح نہ کرنا نیکی نہیں ہے، بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مسلک کی خلاف ورزی ہے۔ یہ کوئی تقویٰ نہیں ہے کہ آدمی دُنیا کے بازار سے بھاگ کر رات دن نماز روزے میں مشغول ہو جائے اور ازدواجی زندگی کے قریب نہ پھٹکے۔ جاہل ہے وہ شخص جو تقویٰ کی ترنگ میں آکر شادی نہیں کرتا۔ یا شادی تو کر لیتا ہے لیکن بیوی کے حقوق ادا نہیں کرتا۔ اور رات دن تبلیغ اور عبادت میں منہمک ہونے کی وجہ سے اہل و عیال کی خبر گیری سے غافل ہے۔ اس روایت کی رو سے بال بچّوں، مہمانوں اور اپنے جسم کے حقوق ادا کرنے کا نام "تقویٰ" ہے۔

تجرُّد

(۳) عَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ قَالَ رَدَّ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلٰی عُثْمَانَ بْنِ مَظْعُوْنٍ التَّبَتُّلَ وَلَوْ اَذِنَ لَہٗ لَاخْتَصَیْنَا۔

(مسلم کتاب النکاح۔ بخاری کتاب النکاح باب ما یکرہ من التّبتّل والخصاء)

"حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی یہ درخواست کہ "میں ہمیشہ عورتوں سے بے تعلق رہنا چاہتا ہوں"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسترد فرمادی۔ اگر آپ اس کی اجازت دیتے تو ہم خصّی بن جاتے۔"

تشریح: اس روایت میں تبتّل کے معنی ہیں عورتوں سے منقطع ہونا، ان سے واسطہ نہ رکھنا، ان سے نکاح نہ کرنا، یکسوئی کے ساتھ عبادت کرنے کے لئے نکاح اور اس سے حاصل ہونے والی مسرّتوں اور لذتوں سے کنارہ کش ہونا۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عثمان بن مظعونؓ نے اللہ کی محبت کے جذبہ سے سرشار ہوکر یہ ارادہ کرلیا تھا کہ وہ عورتوں سے بالکل الگ تھلگ رہ کر دلجمعی اور یکسوئی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں گے۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس خلافِ فطرت کام کی اجازت نہ دی، اور بڑی سختی سے انہیں روک دیا۔ کیونکہ آپؐ انسانی فطرت کے رمز شناس تھے۔ آپؐ اس کے نقصانات اور خرابیوں کو خوب جانتے تھے۔ اگر آپؐ انہیں اس کی اجازت دیتے تو یہ رَوِش چل پڑتی۔ اور ہم عورتوں سے قطع تعلق کرنے میں اس حد تک انتہا پسند ہوجاتے گویا کہ ہم نامردوں کی طرح ہیں یا ان لوگوں کی طرح ہیں جو خصّی بن جاتے ہیں۔ "اختصاء" نامرد، ہیجڑا اور خصّی بن جانے کے معنی میں آتا ہے۔ لیکن روایت میں یہ الفاظ:

"اگر آپ اس کی اجازت دیتے تو ہم خصّی بن جاتے"

اپنے حقیقی معنی میں نہیں ہیں بلکہ یہ مبالغہ کے انداز میں فرمایا گیا ہے۔ کیونکہ کسی آدمی کو ہیجڑا اور خصّی بنانا حرام ہے، بلکہ جن جانوروں کا گوشت نہیں کھایا جاتا ہے چاہے وہ چھوٹے ہوں یا بڑے اور جن بڑے جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہے ان کو خصّی بنانا ممنوع ہے۔

ہاں جن جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہے چھوٹی عمر میں ان کو خصّی کرنے کی اجازت ہے۔

فوطے نکلوا کر یا کسی عملی تدبیر سے کسی آدمی کو خصّی یا ہیجڑا، نامرد بنانا حرام اور ناجائز ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اللہ کی محبّت اور عبادت کے لئے کسی شخص کا شادی سے اجتناب کرنا نیکی نہیں ہے، بلکہ عیسائیت کی یادگار ہے۔

(۴) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا صَرُوْرَةَ فِي الْإِسْلَامِ

(ابوداؤد عن ابن عباس کتاب المناسک۔ مسند احمد ۲۸۴۵)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! اسلام میں شادی نہ کرنے (اور مجرد رہنے) کی اجازت نہیں ہے۔

تشریح: کسی مسلمان مرد یا عورت کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ "تجرد" کی زندگی بسر کرے اور کہے "میں شادی نہیں کرتا" کیونکہ اکیلے پن کی زندگی معاشی اور معاشرتی خرابیوں کو جنم دیتی ہے۔

صحیح بات یہ ہے کہ اللہ اور اس کے پیارے رسول (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ماننے والوں کا یہ طریقہ نہیں ہے کہ وہ نکاح کرنے سے انکار کر دیں، بلکہ یہ طریقہ ہے عیسائی راہبوں کا، جسے اسلام نے لغو قرار دے کر مسترد کر دیا ہے۔

اس حدیث کا دوسرا ترجمہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ "اسلام میں استطاعت کے باوجود حج نہ کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

تین کاموں میں تاخیر نہ کرو

(۵) عَنْ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهٗ يَا عَلِيُّ ثَلَاثٌ لَا تُؤَخِّرْهَا، اَلصَّلٰوةُ اِذَا اَتَتْ وَالْجَنَازَةُ اِذَا حَضَرَتْ وَالْاَيِّمُ اِذَا وَجَدْتَ لَهَا كُفُوًا۔

(ترمذی ابواب الجنائز، مشکوٰۃ کتاب الصلوٰۃ۔ مسند احمد ص۱۲۸)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: علی! تین چیزوں میں تاخیر نہ کرو۔ جب نماز کا وقت آجائے (تو اسے فوراً ادا کرو) اور جنازہ جب تیار ہو (تو اسے بہت جلد زمین کے سپرد کر دو) اور جب تم غیر شادی شدہ عورت کا "ہمسر" پاؤ (تو اس سے اس کا نکاح کر دو)

تشریح: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو

(۱) "نماز"

(۲) "جنازہ" اور

(۳) "غیر شادی شدہ عورت" کے سلسلہ میں یہ تاکید فرمائی کہ تم ان کے متعلق تاخیر اور بے پروائی کا رویہ اختیار نہ کرو۔

۱۔ اذان سنتے ہی نماز کی تیاری میں لگ جاؤ تاکہ نماز وقت پر ادا کی جا سکے۔ جو لوگ نماز کو وقت پر ادا کرنے کا اہتمام نہیں کرتے وہ "جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے" سے

محروم رہ جاتے ہیں۔ انفرادی طور پر مارا ماری کی نماز پڑھ کر بہت جلد فارغ ہوجانا چاہتے ہیں۔ وہ اطمینان کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں، نہ خشوع و خضوع کی کیفیت ان کو نصیب ہوتی ہے۔ اس لیے فرمایا: جب نماز کا وقت آجائے تو سارے دھندوں کو چھوڑ چھاڑ کر "بادشاہ حقیقی" کی بارگاہ میں حاضر ہوجاؤ کیونکہ نماز کو دیر سے پڑھنا منافق کی نشانی ہے۔

۲۔ بعض لوگ — دُور سے آنے والے رشتہ داروں کی خاطر — مُردوں کی تکفین اور تدفین میں غیر معمولی تاخیر سے کام لیتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے روکا ہے۔ مُردے کو نہلانے اور کفنانے کے بعد حکم دیا ہے کہ اس کی نماز جنازہ ادا کر کے اُسے قبر میں دفن کر دو۔

۳۔ غیر شادی شدہ عورت کا جب تمہیں ہمسر ملجائے تو فوراً اس کا اس سے نکاح کر دو۔ زیادہ عرصہ تک بن بیاہے اس کو بٹھائے رکھنا اچھا نہیں ہے۔

بعض لوگوں کو اس سے یہ مغالطہ ہوگیا ہے کہ شاید اسلامی قانون نے شادی بیاہ کے معاملہ میں جو "کفو" کو اہمیت دی ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ بعض خاندان شریف ہیں اور کچھ خاندان کمین ہیں۔ وہ ایک دوسرے کے ساتھ نکاح نہیں کر سکتے جیسا کہ یہ حدیث بتا رہی ہے کہ تم غیر شادی شدہ عورت کے نکاح میں "کفو" — ہمسر، ہم پلّہ، برابر کی ٹکر کا — لحاظ رکھو، حالانکہ یہ بات غلط ہے۔ "اسلام" کی نگاہ میں سب انسان برابر ہیں۔ یہاں اونچ نیچ کا کوئی تصور نہیں ہے۔ سب آدمؑ کی اولاد ہیں۔ اور وہ مٹی سے بنائے گئے تھے۔ کسی عجمی کو کسی عرب پر، کسی عرب کو کسی عجمی پر، کسی کالے کو کسی گورے پر، کسی گورے کو کسی کالے پر کوئی برتری اور فضیلت نہیں ہے مگر تقویٰ کے ساتھ، جو شخص متقی ہو، اللہ کی اطاعت کرنے والا ہو وہ فضیلت رکھتا ہے اس شخص پر جس کا دل خُدا کے خوف سے خالی ہے، اور وہ خُدا کی نافرمانی اور بغاوت پر تُلا ہوا ہے۔ شرعًا ہر مسلمان مرد کا ہر مسلمان عورت سے نکاح ہوسکتا ہے لیکن ازدواجی زندگی کی کامیابی کا دارومدار اس پر ہے کہ رشتۂ نکاح میں منسلک ہونے والے جوڑے کے درمیان معاشی حیثیت، معاشرتی حالات، خاندانی روایات، اخلاقی حیثیت اور رہن سہن کے طور طریقوں میں زیادہ سے زیادہ ہم آہنگی ہو۔

اگر ان چیزوں کا لحاظ کیے بغیر نکاح کا فارم پُر کر دیا جائے تو تلخیاں پیدا ہوں گی۔ فریقین میں عداوت اور جھگڑے تک نوبت آسکتی ہے۔ تو شادی بیاہ میں ہمسری اور برابری (کفو) کے لحاظ کی بنیاد یہ نہیں ہے کہ ایک "شریف" ہے اور دوسرا "کمین" ہے۔ بلکہ اس کی بنیاد یہ حقیقت ہے کہ مرد اور عورت کے درمیان اگر بہت زیادہ تفاوت ہوگا تو وہ ایک دوسرے کے ساتھ نباہ نہیں کر سکیں گے اور ازدواجی زندگی کا آبگینہ چکنا چور ہو جائے گا۔ حالانکہ ایک لڑکی کو ایک لڑکے کے ساتھ زندگی بھر کے لئے وابستہ کرنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ مِل جُل کر اپنے گھر کو پُر سکون بنائیں گے، گھر کی گاڑی کو باہمی محبّت اور تعاون سے کامیابی کے ساتھ چلائیں گے۔

اسلام کے معاشرتی نظام میں کسی عورت اور مرد کا تجرد کی زندگی کو اختیار کرنا نیکی نہیں ہے، بلکہ اس سے طرح طرح کی برائیوں کے پھیلنے کا زیادہ امکان ہوتا ہے خصوصًا ہمارے اس فحّاشی کے دور میں تو اکیلا پن ایک ناقابلِ برداشت مصیبت بن کر رہ گیا ہے۔ فرمان نبویؐ کا مطلب یہ ہے کہ "موزوں رشتہ" کی موجودگی میں شادی کرنے میں تاخیر نہ کی جائے۔ بعض لوگ جہیز کی تیّاری میں اپنی لڑکیوں کے شباب کو برباد کر دیتے ہیں۔ شادی اور جہیز کا موجودہ عمل سخت تباہ کُن ہے۔ اس سلسلہ میں زیادہ سے زیادہ سادگی اختیار کی جائے تاکہ مالی مشکلات کی وجہ سے شادی کرنے میں رُکاوٹ نہ ہو۔ ہر آدمی کے لیے "موزوں رشتہ" وہ ہے جو عادات، اخلاق، معیشت اور خاندانی روایات کے اعتبار سے اس کا ہم پلّہ ہو۔ اس کا صحیح فیصلہ کرنے سے پہلے وہ اپنے لڑکوں اور لڑکیوں کے رجحانات کا مطالعہ بھی کرلیں تو اچّھا ہے بلکہ مفید ہے۔

لیکن ماں باپ کی رضامندی اور مشورہ کے بغیر کسی لڑکے یا لڑکی کا نکاح کے سلسلہ میں خود ہی فیصلہ کر لینا بڑا ہی خطرناک ہے۔ کیونکہ دورِ شباب کے جذباتی ماحول میں "عقل" مغلوب ہو جاتی ہے اور بسا اوقات رومانی شادیوں کا انجام بے شمار تلخیوں کو جنم دیتا ہے۔

بیوی کا انتخاب دین کی بنا پر

(٦) عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ تُنْكَحُ الْمَرْأَةُ لِأَرْبَعٍ لِمَالِهَا وَلِحَسَبِهَا وَلِجَمَالِهَا وَلِدِيْنِهَا فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّيْنِ تَرِبَتْ يَدَاكَ.

(مسلم عن ابی ہریرۃ کتاب النکاح، بخاری کتاب النکاح)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عورت سے چار چیزوں کی بنیاد پر نکاح کیا جاتا ہے۔

(۱) "اس کی جائیداد کی وجہ سے اور"

(۲) "اس کی خاندانی شرافت کے باعث اور"

(۳) "اس کے حسن و جمال کے سبب اور"

(۴) "اس کی دینداری کی بنیاد پر" تم دیندار عورت کو حاصل کرو۔ یہ بات گرہ میں باندھ لو۔

تشریح: عورتوں کے ساتھ نکاح کرنے کے سلسلہ میں لوگوں کے رجحانات مختلف ہوتے ہیں۔

(۱) جو لوگ مال و دولت کے پجاری اور حریص ہیں وہ مالدار عورت سے نکاح کر کے اپنی معاشی پوزیشن کو زیادہ مضبوط اور مستحکم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ بات بھی ان کے پیش نظر ہوتی ہے کہ ان کی اولاد اپنی ماں کی ساری جائیداد کی وارث قرار پائے گی۔ کوئی اور خوبی صاحب جائیداد ہونے کے علاوہ —— اس عورت میں پائی جاتی ہو یا نہ پائی جاتی ہو اس سے ان کو دلچسپی نہیں ہوتی۔

(۲) بعض لوگ عزت و جاہ کے حصول کے لیے بے چین رہتے ہیں۔ معاشرے میں نمایاں ہونے اور امتیازی مقام پانے کے لئے وہ مختلف حربے استعمال کرتے ہیں۔ جو شخص اس ذہن کے ساتھ سوچتا ہے وہ اپنی جاہ پسندی کی تسکین کے لیے ایسی لڑکی سے نکاح کرتا ہے جو شریف خاندان کی چشم و چراغ ہو، اس لڑکی میں کوئی اور صفت پائی جاتی ہو یا نہ پائی جاتی ہو۔ اُسے اس سے کوئی غرض نہیں ہوتی۔ بس اُسے تو یہ چاہیے کہ وہ جس لڑکی سے شادی کر رہا ہے اس کی فیملی معاشرے میں احترام کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔

(۳) انسانی فطرت کا ذوق، جمال پسند ہے۔ اس کے ساتھ اکثر افراد کے مزاج میں حیوانی جبلّت کا غلبہ زیادہ ہوتا ہے۔ وہ بیوی کے انتخاب میں اس کے شباب، تناسبِ اعضاء اور خوبصورتی کو پیشِ نظر رکھتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ وہ اس عورت سے نکاح کرنا چاہتے ہیں جو حسن و جمال کا پیکر ہو، چاہے وہ اخلاقی اور دینی حیثیت سے قابلِ رشک نہ ہو اور اس کا خاندان اچھی شہرت کا حامل نہ ہو۔

(۴) لیکن ایک مہذب اور شائستہ آدمی عورت سے نکاح کرنے میں سب سے زیادہ جس صفت کو تلاش کرتا ہے وہ ہے اس کی دینداری!

وہ اس عورت کے ساتھ نکاح کرتا ہے جو دیندار ہو۔ خواہ پہلی تین صفتوں میں سے کوئی صفت اس میں پائی جاتی ہو یا نہ پائی جاتی ہو۔

" دیندار عورت " کے معنی ہیں پاکدامن، سنجیدہ مزاج، نیک سیرت، اور دین کے کام میں اپنے شوہر کا ہاتھ بٹانے والی۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد گرامی کا مطلب یہ ہے کہ عموماً دنیا میں یہ چار طرح کے رجحانات پائے جاتے ہیں۔ ہر شخص اپنے مزاج اور طبیعت کے لحاظ سے کسی نہ کسی ذوق کا حامل ہوتا ہے۔ لیکن آپؐ نے بڑی تاکید اور شفقت کے ساتھ اپنے ہر ماننے والے کو یہ مشورہ دیا ہے کہ کسی عورت سے نکاح کرنے میں اس کے دینی اور اخلاقی پہلو کو ملحوظ رکھو، چاہے وہ خوبصورتی، مالی خوشحالی اور خاندانی شرافت کے اوصاف کی حامل ہو یا نہ ہو، اگر تم دنیا میں کامیاب مسلمان کی طرح ازدواجی زندگی کی مسرت سے شادکام ہونا چاہتے ہو تو نکاح کے سلسلہ میں جس خوبی کو تم نے اہمیت دینی ہے وہ ہے ہونے والی بیوی کی دینداری، آپؐ کا یہ منشا نہیں ہے کہ دوسرے اوصاف —— خاندانی شرافت، خوشحالی اور خوبصورتی —— کو ملحوظ رکھنا گناہ ہے۔

خاندانی شرافت کو نظر انداز کر کے صرف دین اور تقویٰ کی بنا پر شادی کرنے کی مثالیں دورِ نبوّت میں ملتی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی پھوپھی زاد بہن زینب بنت جحش کا نکاح اپنے غلام زید بن حارث سے کیا۔ زیدؓ کے بیٹے اسامہؓ کی شادی بنی فہر کی لڑکی فاطمہ بنتِ قیس سے کر دی۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ جیسے تاجر اور قریشی کی بہن سے سیّدنا بلال بن رباح نے نکاح کیا۔

اس سے یہ بھی اخذ کیا جا سکتا ہے کہ انسان کو اپنی دوستی، رفاقت اور تعلقات دیندار اور خُدا ترس لوگوں سے قائم کرنے چاہئیں۔ فاسق و فاجر آدمی کی ہمنشینی غیر شعوری طور پر آہستہ آہستہ اچھے خاصے پرہیز گار کو بھی گناہ پسند بنا دیتی ہے۔

صرف حُسن یا مال کی بنا پر شادی۔ خانہ بربادی

(۷) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تَزَوَّجُوا النِّسَآءَ لِحُسْنِہِنَّ

فَعَسٰى اَنْ يُّرْدِيَهُنَّ وَلَا تَزَوَّجُوْهُنَّ لِاَمْوَالِهِنَّ فَعَسٰى اَنْ تُطْغِيَهُنَّ وَلٰكِنْ تَزَوَّجُوْهُنَّ عَلَى الدِّيْنِ وَلَاَمَةٌ خَرْمَاءُ سَوْدَاءُ ذَاتُ دِيْنٍ اَفْضَلُ۔ (ابن ماجہ عن عبد اللہ بن عمرؓ ابواب النکاح)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم عورتوں سے (صرف) ان کے حُسن وجمال کی بنا پر شادی نہ کرو۔ ہو سکتا ہے کہ ان کا حُسن ان کو تباہ کر دے۔ اور نہ تم ان سے (صرف) ان کے مال کی بنا پر شادی کرو۔ شاید ان کا مال ان کو (تمہاری) نافرمانی میں مبتلا کر دے۔ یہ اس صورت میں ہو سکتا ہے جبکہ تمہاری اور ان کی مالی حیثیت میں بہت زیادہ تفاوت ہو ——————

لیکن تم دین کی بنا پر ان سے شادی کرو۔ چھدے ہوئے کان والی، سیاہ فام دیندار باندی (خاندانی حسین عورت سے اللہ کی نگاہ میں) بہتر ہے۔

تشریح: کسی باشعور مسلمان کا یہ کام نہیں ہے کہ وہ کسی ایسی حسین اور خوبصورت عورت سے شادی کرے جو دین اور اخلاق سے کوسوں دور ہو۔ اور نہ کوئی ہوشمند آدمی یہ گوارا کر سکتا ہے کہ عورت کے صرف مالدار ہونے کی وجہ سے اس کے ساتھ شادی کر لے، اور یہ نہ دیکھے کہ اس کی سیرت کیسی ہے؟ حُسن اگر تقویٰ کی رسّی سے بندھا ہوا نہ ہو تو کم از کم تین چار خاندانوں کے گھروں کے سکون کو تباہ کر سکتا ہے۔

مال اور دولت کی گھوڑی کو اگر دین کی لگام سے قابو میں نہ رکھا جائے تو یہ بہت سے کھیتوں کو اجاڑ کر رکھ دے۔

اگر کوئی شخص اپنی معاشی حیثیت کا لحاظ کیے بغیر کسی بہت زیادہ مالدار عورت سے شادی کر لیتا ہے —— اور وہ عورت نیک سیرت اور پاک دامن نہیں ہے، تو وہ ذلّت اور رُسوائی کا شکار ہو سکتا ہے۔ ایک سانولے رنگ کی دیندار لڑکی شادی کے لیے زیادہ موزوں اور بہتر ہے اس حسین ومالدار عورت سے جو دین واخلاق کی پابندیوں کی قائل نہ ہو۔

شوہر کے انتخاب میں دین اور اخلاق کی اہمیت

(۸) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا خَطَبَ اِلَیْکُمْ مَنْ تَرْضَوْنَ دِیْنَہٗ وَخُلُقَہٗ فَزَوِّجُوْہُ اِلَّا تَفْعَلُوْا تَکُنْ فِتْنَۃٌ فِی الْاَرْضِ وَ فَسَادٌ عَرِیْضٌ۔

(ترمذی عن ابی ہریرہؓ ابواب النکاح، ابن ماجہ ابواب النکاح، مشکوٰۃ کتاب النکاح)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تمہارے پاس وہ آدمی نکاح کا پیغام لائے جس کے دین اور اخلاق کو تم پسند کرتے ہو تو اس سے اپنی لڑکی کا نکاح کردو۔ اگر تم ایسا نہ کروگے تو ملک میں فتنہ اور بڑا فساد پیدا ہوگا۔

تشریح: تم معیار زندگی کی تیز رفتاری پر اپنی نگاہیں نہ گاڑو۔ کسی دیانتدار اور صاف ستھری معاشرت رکھنے والے لڑکے کی طرف سے اگر تمہیں شادی کا پیغام ملے تو اُسے قبول کرلو، اور اس سے اپنی لڑکی کو بیاہ دو۔ صرف مال و دولت اور اونچی دُکان پر تمہاری نگاہِ انتخاب نہ پڑے۔ سب سے زیادہ اہمیت نکاح کے سلسلہ میں دین اور اخلاق کو ہونی چاہیے۔ باقی چیزیں ثانوی حیثیت رکھتی ہیں۔ اگر کسی ایسے لڑکے نے تمہارے ہاں شادی کا پیغام دیا ہے جس کے دین اور اخلاق کو تم پسند کرتے ہو، اس کے نیک سیرت اور دیندار ہونے پر تم مطمئن ہو، لیکن وہ لڑکا خوبصورت، خوشحال اور جنٹلمین نہیں ہے، تو تم اس سے شادی کردو اور تم اُسے ترجیح دو۔ اس لڑکے پر جو دین اور اخلاق کا قائل ہی نہیں ہے لیکن ہے بہت دولتمند اور خوبصورت۔

اگر تم اپنی لڑکیوں کا نکاح دینے کے لیے نہایت امیر کبیر اور اونچے خاندان کے لڑکوں کی تلاش میں سرگرداں رہوگے، اور ان لوگوں سے تم اپنی لڑکیوں کی شادی نہ کروگے جن کی دیانتداری اور اچھے اخلاق کو تم ذاتی طور پر پسند کرتے ہو، تو اس سے بڑی خرابیاں پیدا ہوں گی۔ مثلاً جب تم نے لازماً اپنی لڑکی اونچے گھرانے میں دینی ہے، اور ایسے لڑکے کو دینی ہے جو بہت زیادہ دولت مند ہو، یا حکومت کے کسی اعلیٰ عہدے پر فائز ہو تو دوسرے لوگ بھی تمہاری تقلید میں اپنی لڑکیوں کے لیے اس معیار کے شوہر تلاش کریں گے۔ نتیجہ یہ نکلے گا کہ لڑکیوں کی اکثریت شادی سے محروم رہ جائے گی، بلکہ تمہارے خاندان کے بیشتر لڑکے اور لڑکیاں

"جبری تجرد" کا شکار ہوجائیں گی۔ اس سے زنا اور بدکاری پھیلے گی۔ بات باہر نکلے گی تو خاندان کا ناموس اور عزّت خاک میں مِل جائے گی۔

کچھ اغوا ہوں گے، عصمت فروشی کا کاروبار چلے گا مقدمہ بازی تک نوبت آئے گی۔ اور شاید اس کی وجہ سے قتل و غارت کا بھوت بھی آدھمکے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس صورتِ حال کو فتنہ اور بڑی خرابی کا نام دیا ہے لیکن شادی بیاہ کے سلسلہ میں اگر دین اور اخلاق کو بنیادی اہمیت دی جائے تو پھر یہ خرابیاں رونما نہیں ہوسکتیں۔

پیغامِ نکاح کا اصول

(۹) عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ .... لَا يَخْطُبُ الرَّجُلُ عَلٰى خِطْبَةِ اَخِيْهِ حَتّٰى يَنْكِحَ اَوْ يَتْرُكَ۔

(بخاری عن ابی ہریرۃ کتاب النکاح ، مسلم کتاب النکاح ۔ کتاب البیوع)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آدمی اپنے بھائی کے پیغامِ نکاح پر نکاح کا پیغام نہ دے یہاں تک کہ (جس نے پہلے نکاح کا پیغام دیا ہے وہ (اس عورت سے) نکاح کرلے یا وہ (اس عورت سے شادی کرنے کا ارادہ) ترک کر دے۔

تشریح: "آدمی اپنے بھائی کے پیغامِ نکاح پر نکاح کا پیغام نہ دے" یہ اس صورت میں ہے جبکہ

(۱) مخطوبہ یا اس کے سرپرست نے نکاح کے پیغام کو قبول کرلیا ہو، اور فریقین نے باہمی رضامندی سے مہر کی مقدار بھی متعین کر دی ہو اور صرف نکاح کا مرحلہ باقی ہو یا

(۲) مخطوبہ یا اس کے سرپرست نے نکاح کے پیغام کو واضح طور پر قبول کرلیا ہو۔

ان دونوں صورتوں میں کسی دوسرے شخص کا اس خاتون کو نکاح کا پیغام دینا ناجائز اور حرام ہے۔ الّا یہ کہ وہ ـــــ جس نے پہلے نکاح کا پیغام دیا تھا اس عورت سے شادی کرنے کا ارادہ ترک کر دے، یا دوسرے شخص کو پیغامِ نکاح دینے کی اجازت دے، تو وہ اس عورت کو نکاح کا پیغام دے سکتا ہے۔

(۳) اگر عورت یا اس کے سرپرست نے نکاح کا پیغام دینے والے کے پیغامِ نکاح کو مسترد کر دیا ہو یا نہ تو صراحت کے ساتھ اسے قبول کیا ہو اور نہ انکار کیا ہو تو اس صورت

میں دوسرا آدمی اس خاتون کو نکاح کا پیغام دے سکتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آخر الذکر صورت میں کسی لڑکی سے نکاح کرنے کے لیے متعدد آدمی بھی اس کے سرپرست کو نکاح کا پیغام دے سکتے ہیں پھر لڑکی کے سرپرست کا کام ہے کہ وہ سوچ بچار اور مشورے کے بعد جس آدمی کو موزوں سمجھے اس سے لڑکی کی شادی کر دے۔

ہماری اس رائے کی تائید درجِ ذیل واقعہ سے ہوتی ہے۔ حضرت ابو عمرو بن حفص نے جب فاطمہ بنت قیسؓ کو طلاق دی تو اس نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مشورے سے حضرت ابن امّ مکتوم رضی اللہ عنہ کے گھر میں عدّت گزارنے کا فیصلہ کیا۔ آپ نے اس سے فرمایا جب تمہاری عدّت ختم ہو تو مجھے اطلاع کرنا۔ چنانچہ عدّت کے خاتمہ پر اس نے حضورؐ کو مطلع کیا۔ اور ساتھ ہی یہ بھی بتایا کہ "ابوجہمؓ" اور "معاویہ" نے مجھے نکاح کا پیغام دیا ہے۔ لیکن اس نے ان دونوں میں سے کسی ایک کی جانب اپنے رجحان کا اظہار نہ کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو اس کے لیے نامناسب قرار دینے کے ساتھ حضرت "اُسامہ بن زید" سے نکاح کرنے کا مشورہ دیا۔ پہلے تو وہ ذرا ہچکچائی پھر مان گئی۔ (مسلم کتاب الطلاق)

ہونے والی بیوی کو غور سے دیکھنا

(۱۰) قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا خَطَبَ اَحَدُكُمُ الْمَرْأَةَ فَاِنِ اسْتَطَاعَ اَنْ يَّنْظُرَ اِلٰى مَا يَدْعُوْهُ اِلٰى نِكَاحِهَا فَلْيَفْعَلْ۔

(ابو داؤد عن جابر بن عبداللہ کتاب النکاح۔ مشکوٰۃ کتاب النکاح)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص کسی عورت سے نکاح کرنا چاہے اگر ممکن ہو تو وہ اسے دیکھ کر یہ اندازہ لگا لے کہ آیا اس عورت میں کوئی ایسی خوبی پائی جاتی ہے جو اس کے ساتھ نکاح کرنے پر آمادہ کرنے والی ہو۔

(۱۱) عَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ خَطَبْتُ اِمْرَأَةً فَقَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ نَظَرْتَ اِلَيْهَا؟ قُلْتُ لَا، قَالَ فَانْظُرْ اِلَيْهَا فَاِنَّهٗ اَحْرٰى اَنْ يُّؤْدَمَ بَيْنَكُمَا۔

(مشکوٰۃ کتاب النکاح بحوالہ احمد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے ایک عورت کو نکاح کا پیغام دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: تم نے عورت کو دیکھا بھی ہے؟ میں نے عرض کیا، نہیں، آپؐ نے فرمایا: اسے دیکھ لو، اس طریقہ سے زیادہ امید کی جا سکتی ہے کہ تمہارے درمیان الفت اور موافقت ہوگی۔

(۱۲) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ کُنْتُ عِنْدَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَاَتَاهُ رَجُلٌ فَاَخْبَرَهُ اَنَّهُ تَزَوَّجَ اِمْرَاَةً مِّنَ الْاَنْصَارِ فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَظَرْتَ اِلَیْهَا قَالَ لَا قَالَ فَاذْهَبْ فَانْظُرْ اِلَیْهَا فَاِنَّ فِیْ اَعْیُنِ الْاَنْصَارِ شَیْئًا۔ (مسلم کتاب النکاح)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا۔ ایک آدمی نے آکر آپؐ کو بتایا کہ وہ ایک انصاری عورت سے شادی کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ آپؐ نے اس سے پوچھا، کیا تم نے اسے دیکھا بھی ہے؟ اس نے عرض کی، نہیں حضور! آپؐ نے فرمایا: جا کر اسے دیکھ لو، انصار کی آنکھوں میں کچھ خرابی ہوتی ہے۔

تشریح: ان تین مذکورہ حدیثوں میں نکاح کا پیغام دینے کے سلسلہ میں جو اصولی ہدایات دی گئی ہیں، ہم ان پر کچھ روشنی ڈالتے ہیں۔ "نکاح" دراصل ایک مرد اور عورت کے درمیان عمرانی معاہدہ ہوتا ہے اور ایک نئے خاندان کی بنیاد کا اعلان ہوتا ہے۔ آدمی اگر کسی بد اخلاق اور پھوہڑ عورت سے شادی کر لے تو اس کی زندگی اجیرن ہو جائے گی۔ بیوی کے انتخاب میں سب سے زیادہ اہمیت "دین اور اخلاق" کو دینی چاہیے۔ اس کے ساتھ اگر دوسرے پہلوؤں کو بھی نظر انداز نہ کیا جائے تو ازدواجی زندگی بہت خوشگوار ہو سکتی ہے۔ انسانی فطرت خوبصورتی اور حُسن کی طرف طبعًا مائل ہے اس لیے ہر شخص کی تمنا ہوتی ہے کہ وہ کسی خوبصورت یا قبول صورت لڑکی سے شادی کرے اس لیے آدمی جس لڑکی سے شادی کرنے کا خواستگار ہو اگر اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ سکے تو یہ چیز اس کے مستقبل پر فیصلہ کُن اثر ڈال سکتی ہے۔ یہ بات ذہن نشین ہونی چاہیے کہ "مخطوبہ" اس لڑکی کو کہتے ہیں جس سے نکاح کرنے کے لیے پیغام دیا جائے۔

• جو شخص کسی عورت سے شادی کرنے کا خواہشمند ہو وہ اسے دیکھ لے۔ دیکھ لینے کے بعد اگر وہ اس سے شادی نہیں کرنا چاہتا تو سرے سے اسے نکاح کا پیغام ہی نہ دے۔

• اگر "مخطوبہ" کو دیکھے بغیر اس سے نکاح کر لیا، اور خدانخواستہ اسے یہ نکاح راس نہ آسکا تو شادی کر کے اسے بیحد ندامت ہوگی، جھگڑے اور فساد تک نوبت پہونچ سکتی ہے۔

• "مخطوبہ" کو دیکھ لینے کے بعد اگر اس نے اس سے نکاح کر لینے کا فیصلہ کر لیا ہے تو پھر اس کی دو صورتیں ہیں:

• اگر شادی کے بعد ان کے درمیان محبت اور موافقت پیدا ہوگئی تو پھر یہ شادی بڑی پُر بہار اور مسرت انگیز ثابت ہوگی، زیادہ توقع اس کی ہے۔

• لیکن اگر شادی کے بعد کچھ اَن بَن ہوگئی تو پھر بھی یہ ندامت کا موجب اس لئے نہیں ہوگی کہ یہ اس کی دیکھی بھالی جگہ تو ہے، اس لیے کسی نہ کسی طرح گزارہ کریں گے۔

• "مخطوبہ" کو اس کی اجازت اور اطلاع کے بغیر اس سے شادی کرنے کا خواستگار دیکھ سکتا ہے۔

افسوس ہے کہ بعض لوگ اسے بہت معیوب سمجھتے ہیں، حالانکہ اگر یہ بات ہوتی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا مشورہ نہ دیتے۔

• اگر کسی وجہ سے آدمی اپنی "مخطوبہ" کو نہ دیکھ سکے، تو اس کے متعلق زیرک اور معاملہ فہم خواتین کی رائے معلوم کر سکتا ہے۔

• اسی طرح مخطوبہ یا اس کے سرپرست بھی) نکاح کا پیغام دینے والے کے بارے میں استفسار اور استصواب کر سکتے ہیں یا معلومات حاصل کرنے کی کوشش کر سکتے ہیں۔

• جن لوگوں سے "مخطوبہ" یا نکاح کرنے والے لڑکے کے بارے میں رائے طلب کی جائے وہ بغیر کسی لاگ لپیٹ کے اپنی صحیح رائے سے آگاہ کر دیں، تاکہ ہر فریق شادی کرنے سے پہلے خوب سوچ سمجھ کر اپنے مستقبل کا فیصلہ کر سکے۔

خطبۂ نکاح

(۱۳) عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ قَالَ عَلَّمَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

التَّشَهُّدَ فِي الْحَاجَةِ ——— اِنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ نَسْتَعِينُهٗ وَ
نَسْتَغْفِرُهٗ وَنَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُورِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا
مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَاَشْهَدُ
اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ وَيَقْرَءُ ثَلَاثَ
اٰيَاتٍ - يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ
اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ
خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا
كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ؕ
اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ۝
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا يُّصْلِحْ
لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ
فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ؕ (ترمذی ابواب النکاح)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو نکاح کا تشہد سکھایا (جو حدیث کے متن میں خط کشیدہ ہے۔ اور اس کا ترجمہ یہ ہے) تعریف اللہ ہی کے لئے ہے۔ ہم اس سے مدد مانگتے ہیں اور ہم (اپنے گناہوں کی بخشش کے لیے اس سے التجا کرتے ہیں۔ ہم اپنے نفس کی برائیوں اور اپنی بداعمالیوں کے شر سے اللہ کی پناہ لیتے ہیں، جس کو اللہ ہدایت دے کوئی اُسے گمراہ نہیں کرسکتا اور وہ جس کو گمراہ کردے کوئی اُسے راہِ راست پر لانے والا نہیں ہے۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت "محمد" صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ پھر آپؐ نے جن تین آیات کی تلاوت فرمائی ان کا ترجمہ یہ ہے ———

(۱) اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اللہ سے ڈرو، جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے۔ اور تم مرتے دم تک اللہ کے فرمانبردار بن کر رہو۔

(۲) لوگو! تم اپنے مالک کی نافرمانی سے پرہیز کرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اس سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور (پھر) ان دونوں (آدم وحوا) کی نسل سے بہت سے مردوں اور عورتوں کو زمین پر پھیلا دیا۔ اور تم اللہ سے ڈرتے رہو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے اپنے حق مانگتے ہو۔ اور رشتہ والوں کی حق تلفی سے پرہیز کرو۔ بیشک اللہ تم پر نگراں ہے۔

(۳) اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سیدھی بات کہو۔ اللہ تمہارے کام سنوار دیگا۔ اور تمہارے گناہ بخشدے گا۔ جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرے وہ بڑی کامیابی سے شادکام ہوا۔

تشریح: "جاہلیت" کے زمانے میں نکاح کے معاہدے سے پہلے اچھے خاصے اجتماع میں ایک تقریر کی جاتی تھی (اسے خطبۂ نکاح کہتے ہیں)، جس میں اپنے باپ دادا کے قابلِ فخر کارناموں کا تذکرہ ہوتا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ اس نئے جوڑے کے باہمی ملاپ کی شہرت ہو۔ اس تقریب کے سب شرکا، اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں اور اپنے کانوں سے سن لیں کہ یہ نیا جوڑا ـــــ زنا اور بدکاری نہیں بلکہ ـــــ نکاح جیسے پاکیزہ معاہدے کے تحت اپنی ازدواجی زندگی کا آغاز کر رہا ہے۔

ـــــ کیونکہ بدکاری کا دھندا تو چوری چھپے اور چپکے سے کیا جاتا ہے۔ کسی عورت سے زنا کرنے کے لئے خلقِ خدا کو اکٹھا کر کے اعلان عام تو نہیں کیا جاتا کہ لو، سنو میں اس عورت سے منہ کالا کروں گا ـــــ خطبہ عموماً ہمیشہ نہایت اہم اور عظیم الشان مقاصد کے لیے ہوتا ہے! انسان کی معاشرتی زندگی میں نکاح چونکہ بہت بڑی اہمیت رکھتا ہے اس لیے اس سے پہلے "خطبہ" کہنے کا رواج رہا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نکاح کی ان مصلحتوں کو برقرار رکھتے ہوئے جاہلیت کی ان رسموں کو نکاح سے پاک کیا جن کا اسلامی روح سے ٹکراؤ ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ آپؐ نے ملّتِ اسلامیہ کے مزاج اور روح کے مطابق کچھ ایسی باتیں تعلیم فرمائیں جن پر عمل کرنے سے پتہ چل سکے کہ "دین حق" کے علمبرداروں کی تقریب ہے۔ اسلامی معاشرہ چونکہ اپنی انفرادی

اور اجتماعی خصوصیات کی بنا پر غیر مسلم معاشروں سے مختلف ہے اس لیے لازماً نکاح سے پہلے تقریر یا خطبہ میں ان خصوصیات کا تذکرہ ضروری تھا۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ تعریف اور شکر کا مستحق اللہ ہی ہے۔ ہم اپنے تمام کاموں میں اس کی مدد کے محتاج ہیں۔ اگر ہم سے غلطیاں صادر ہوں تو ان کی مغفرت کے لئے ہمارا دستِ سوال اس کے سامنے دراز ہوگا۔ اپنے نفس کی شرارتوں اور سیاہ کاریوں کے مقابلہ میں ہم اس کی پناہ ڈھونڈتے ہیں جو ساری کائنات کا فرماں روا ہے۔ معبودانِ باطل سے بیزاری کے بعد ہم اس بادشاہِ حقیقی پر بھروسہ اور اعتماد رکھتے ہیں جس کا اقتدار ساری کائنات پر مسلّط ہے۔ پھر توحید اور رسالت پر شہادت کا اعلان، پھر آخر میں قرآن کی ان تین آیتوں کی تلاوت، جو معاشرتی اور ازدواجی زندگی کے اصول اور ہدایات کی طرف اشارہ کر رہی ہیں۔ ایک مرد اور ایک عورت خدا اور خلق کو گواہ بنا کر گھر کی ذمّہ داریوں کو نبھانے کا معاہدہ کرتے ہیں اور اقرار کرتے ہیں کہ وہ مرتے دم تک ایک دوسرے کے خیر خواہ اور وفادار رہیں گے۔ اس معاہدے سے لازم آتا ہے کہ وہ ایک دوسرے کے حقوق کا لحاظ کریں۔ ایک دوسرے کے رشتہ داروں اور قرابت والوں کا احترام کریں۔ اور ان کے ساتھ اچھے تعلقات قائم کریں۔ شوہر، بیوی کے رشتہ داروں سے اور ـــــ بیوی، شوہر کے قرابت داروں کے ساتھ عزت واحترام کا برتاؤ کرے۔ ان دونوں کے ملاپ سے جو اولاد پیدا ہوگی، دونوں یکساں ان کی نگرانی اور تربیت کے ذمّہ دار ہوں گے۔ ہر فریق اپنے فرائض اور ذمّہ داریوں کو نہایت دیانتداری سے ادا کرے گا۔ اور اپنے حدود سے تجاوز نہیں کرے گا نیکی اور بھلائی کے کاموں میں ایک دوسرے کا معاون و مددگار ہوگا۔ ہر فریق کو یہ احساس رکھنا چاہیے کہ اگر اس نے نکاح کے معاہدے کی خلاف ورزی کی تو کوئی طاقت اسے خدا کے غضب سے نہ بچا سکے گی۔ اس لیے وہ ہمیشہ ہر وقت خدا سے ڈرتا رہے۔ ایک دوسرے کے حقوق اور رشتہ داروں سے تعلّقات کے سلسلہ میں ہر فرد کو ـــــ چاہے وہ شوہر ہو یا بیوی ـــــ اللہ کی ناراضگی سے بچتے رہنا چاہیے۔ اس باریک بیں نگاہ سے تو ہماری کوئی حرکت اور رویّہ پوشیدہ نہیں ہے۔ ازدواجی زندگی کی بنیاد تقویٰ پر ہونی چاہیے۔

دُنیا اور آخرت میں کامیاب ہونا موقوف ہے اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت پر

موقع اور محل کے پیشِ نظر اس سے یہ بات خود بخود نکلتی ہے کہ اگر تم عائلی زندگی کو خوشگوار اور کامیاب بنانا چاہتے ہو تو پھر اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی فرمانبرداری کرتے رہو۔ خاندان کے افراد یا رشتہ داروں کے درمیان اگر اختلاف یا جھگڑا ہو جائے تو تم کسی فریق کی بے جا حمایت نہ کرو۔ بلکہ ہمیشہ اور ہر معاملہ میں تم معقول اور سیدھی بات کہو۔ اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے تمہارے اعمال درست کر دے گا۔

نکاح سے پہلے لازماً خطبہ ہونا چاہیے۔ اور بھری محفل میں اس کے مضمون کی وضاحت بھی کرنا چاہئے۔ لیکن اگر کسی وجہ سے خطبہ نہ ہو سکے تو نکاح کے صحیح اور جائز ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔

بٹے کی شادی

(۱۴) اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَھٰی عَنِ الشِّغَارِ ـــــ وَالشِّغَارُ اَنْ یُّزَوِّجَ الرَّجُلُ اِبْنَتَہٗ عَلٰٓی اَنْ یُّزَوِّجَہُ الْاٰخَرُ اِبْنَتَہٗ وَلَیْسَ بَیْنَھُمَا صَدَاقٌ۔ (بخاری عن ابن عمر کتاب النکاح۔ مسلم کتاب النکاح)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "شغار" سے روکا ہے۔ شغار یہ ہے کہ آدمی اپنی بیٹی سے دوسرے آدمی کا نکاح کر دے اس شرط پر کہ وہ (دوسرا آدمی) اپنی بیٹی سے اس کا نکاح کر دے اور ان میں سے کسی شخص کے ذمہ اپنی بیوی کا مہر نہ ہو۔

تشریح: جاہلیت کے زمانہ میں اس طرز کے نکاح کا رواج تھا۔ اس کی مثال یہ ہے کہ خالد نے اپنی بہن (یا اپنی کسی عزیزہ) سے زید کا نکاح کر دیا اس شرط پر کہ زید نے بھی اپنی بہن (یا اپنی کسی عزیزہ) سے خالد کا نکاح کر دیا ہے۔ اور ان میں سے کسی شخص نے بھی اپنی بیوی کا مہر مقرر نہیں کیا۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس خالص بٹے کے نکاح سے روکا ہے۔ علمائے امت کا اس کے عدمِ جواز پر اتفاق ہے۔ لیکن فقہاء نے یہ بحث کی ہے کہ اگر دو آدمی اس خالص بٹے کے نکاح کا معاہدہ کر کے اس کو عملی جامہ پہنا دیتے ہیں تو شرعاً اس نکاح کی کیا حیثیت ہے؟ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ نکاح باطل ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نکاح تو ہو جائے گا لیکن مہر ادا نہ کرنے کی شرط لغو ہے اس لیے ان میں سے ہر شخص اپنی بیوی کو مہر مثل ادا کرے۔

بعض خاندانوں میں نکاح کی یہ صورت بھی رائج ہے کہ ایک آدمی اپنی بہن سے دوسرے آدمی کا نکاح کردے اس شرط پر کہ وہ (دوسرا آدمی) اپنی بہن سے اس کا نکاح کردے۔ اور ہر شخص دستور کے مطابق اپنی بیوی کا مہر بھی ادا کرے۔ ہر شخص اپنی خوشی سے مہر طے کرکے ادا کرتا ہے۔ اور شادی بھی کرلیتا ہے۔ قانون کی رو سے یہ نکاح منعقد ہوجائے گا۔ لیکن اخلاقی لحاظ سے بٹے کی ایسی شادیوں کے سر پر تباہی اور خانہ بربادی کی تلوار سایہ فگن رہتی ہے۔ اور اس سے خاندان میں بڑی خرابیاں اور جھگڑے پیدا ہوتے ہیں۔ مثلاً: اگر ایک فریق نے حالات سے مجبور ہوکر یا بدنیتی سے اپنی بیوی کی پٹائی کردی ہے یا اسے طلاق دی ہے تو دوسرا فریق بھی جذبۂ انتقام کے تحت ویسا ہی سلوک کرنے پر مجبور ہوگا، خواہ اس کے گھریلو حالات ازحد خوشگوار اور قابلِ رشک ہوں۔ اگر وہ اس بدسلوکی پر آمادہ نہ ہوگا تو اس کے والدین اور خاندان کے دوسرے افراد اس پر دباؤ ڈالیں گے کہ وہ لازماً یہ طرزِ عمل اختیار کرے۔

دو خاندانوں میں مستقل کشیدگی اور نزاع شروع ہوجائے گا۔ علاوہ ازیں اس کے نتیجہ میں چند معصوم بچے بھی اطمینان سے اپنے گھر میں نہ رہ سکیں گے۔ کسی بے گناہ خاتون پر مشق ستم کرنے یا اسے طلاق دینے سے کیا خرابی رونما ہوگی، یہ ایک ایسی حقیقت ہے جو کسی عقلمند سے پوشیدہ نہیں ہے اس لیے اس طرح کے نکاح سے پرہیز کرنا چاہیے۔

خاندانی منصوبہ بندی

(۱۵) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تَزَوَّجُوا الْوَدُوْدَ الْوَلُوْدَ فَاِنِّیْ مُکَاثِرٌ بِکُمُ الْاُمَمَ۔

(مشکوٰۃ عن معقل بن یسار کتاب النکاح بحوالہ ابوداؤد ونسائی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم بہت پیار کرنے والی، زیادہ بچے جننے والی سے شادی کرو۔ میں تمہاری کثرت کی وجہ سے کہہ سکوں گا کہ میرے پیروکاروں کی تعداد دوسری امتوں سے زیادہ ہے۔

تشریح: (۱) اصل واقعہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک آدمی نے حاضر ہوکر عرض کیا کہ ایک اونچے خاندان کی مالدار اور خوبصورت عورت مجھ سے شادی کرنے

پر آمادہ ہے، لیکن ہے وہ بانجھ۔ کیا میں اس سے شادی کر لوں؟ آپؐ نے فرمایا: نہیں۔ پھر وہ دوبارہ حاضر ہوا اور یہی بات کہی، آپؐ نے فرمایا نہیں۔ پھر وہ آپؐ کی خدمت میں تیسری بار حاضر ہوا، تو آپ نے اس سے فرمایا: تم ایسی عورت سے شادی کرو جو شوہر سے بہت پیار کرنے والی اور زیادہ بچّے جننے والی ہو۔ میں تمہاری کثرت کی وجہ سے کہہ سکوں گا کہ میرے پیروکاروں کی تعداد دوسری امّتوں سے زیادہ ہے۔

(۲) یہ خاتون مطلقہ تھی۔ اس کے بانجھ پن کی وجہ سے پہلے شوہر سے اس کو اولاد نہ ہو سکی۔ اس نوجوان نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس کی دوسری خوبیوں کے ساتھ ساتھ اس کے ایک خاص نقص ـــــ بانجھ پن ـــــ کا ذکر اس لئے بھی کیا کہ دنیا بھر کے لوگ اس بات کے خواہشمند ہوتے ہیں ـــــ اس دَور میں بھی تھے اور اب بھی ہیں ـــــ کہ ان کی وفات کے بعد ان کی اولاد ان کی جانشین ہو۔

(۳) آپؐ نے اس نوجوان کو مشورہ دیا کہ تم ایسی عورت سے شادی کرو جو شوہر سے بہت پیار کرنے والی اور زیادہ بچّے جننے والی ہو۔ ظاہر بات ہے کہ یہ صفت عموماً کنواری لڑکی میں پائی جاتی ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ بیوی اور شوہر کی باہمی محبت سے "خانہ آبادی" کے نظام کی تکمیل ہوتی ہے۔ اپنے شوہر کو بہت زیادہ چاہنے والی لڑکی اپنے بناؤ سنگھار سے شوہر کی نگاہ میں زیادہ سے زیادہ جاذب اور دلکش بننے کی کوشش تو کرتی ہے، لیکن اس کی نگاہ آوارہ نہیں ہوتی اور اس کی عفّت کا دامن بے داغ ہوتا ہے۔

(۴) زیادہ بچّوں کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ افراد کی کثرت اور قوت سے "ملّت" مستحکم ہوتی ہے۔ غیر شادی شدہ مسلمان امّتِ مسلمہ کا ایک فرد ہے۔ لیکن جب وہ شادی کر کے مثلاً چھ بچّوں کا باپ بن جاتا ہے، تو امّتِ مسلمہ میں وہ مزید چھ افراد کا اضافہ کر دیتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کثیر الاولاد ہونے کو پسند فرمایا ہے، بلکہ آپؐ نے اپنے امتیوں کو اس کی ترغیب دی ہے۔ ـــــ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ماننے والوں کی نسل بڑھے گی تو آپؐ کی امّت کی تعداد میں اضافہ ہوگا۔ اس لیے چاہا گیا ہے کہ مسلمان زیادہ سے زیادہ بچّے پیدا کر کے حضورؐ کی امّت کی افرادی قوت کو بڑھائیں تاکہ اس کی تعداد دوسری امّتوں کی تعداد سے بہت زیادہ ہو۔ اور یہ مقصد

صرف اس طریقہ سے حاصل ہو سکتا ہے کہ حضورؐ کے امتی ان عورتوں سے شادی کریں جو زیادہ بچے پیدا کرتی ہیں۔

(۵) عہد حاضر کے ذہین ملحدوں نے مسلمانوں کو یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے ——— بہت سے سادہ لوح مسلمان ان کے دام فریب میں گرفتار بھی ہو جاتے ہیں ——— کہ زیادہ بچے معاشی خوشحالی کی راہ میں رکاوٹ ہیں۔ اگر تم معاشی بدحالی اور پسماندگی سے نجات حاصل کرنا چاہتے ہو تو اپنے خاندان کی منصوبہ بندی" کرو۔

یہ خبیث فلسفہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے جاہلیت کے دور میں رائج تھا۔ تنگدستی اور افلاس کے ڈر سے بچوں کو" زمین میں زندہ دفن کر دیا جاتا تھا۔ آپؐ نے لوگوں کو اس سے روکا۔ ربّ کائنات نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جو ہدایات نازل کیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ تم " افلاس کے ڈر سے اپنے بچّوں کو قتل نہ کرو۔ تمہارا رزق ہمارے ذمّہ ہے، اور تمہاری اولاد کا رزق بھی۔ پھر یہ فلسفہ ذرا ترقی کر کے "اسقاط حمل" کی تحریک بن کر نمودار ہوا۔ اب اس شیطانی فلسفہ نے مانع حمل ادویات اور آلات کے ذریعہ "خاندان کی منصوبہ بندی" کا ڈھونگ رچا کر بدکاری اور بے حیائی کے کاروبار کو بامِ عروج تک پہونچا دیا ہے۔

(۶) اس دور کے ترقی یافتہ ممالک، پاکستان اور دوسرے مسلمان ملکوں میں اس تحریک کو زیادہ سے زیادہ رواج دینے کے غم میں مبتلا کیوں ہیں؟

ہمارے نزدیک اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اس ایک تیر سے دو شکار کرنا چاہتے ہیں۔ اوّلاً وہ جانتے ہیں کہ نبیؐ عربی کی امّت بڑی سخت جان ہے۔ اللہ کی راہ میں جہاد کرنا اس کا نصب العین ہے۔ یہ ملّت اپنی ساری کمزوریوں کے باوجود اگر کسی وقت بھی بیدار ہو کر "جہاد کرنے" پر کمربستہ ہو گئی تو پھر باطل کو دنیا میں سر چھپانے کے لئے بھی جگہ نہ مل سکے گی۔ اس لیے "افرادی قوت کی کمی اور کمزوری" سے یہ سخت جان ملّت، جہاد کے فولادی جذبہ سے دستبردار ہو سکتی ہے۔ لہٰذا اپنے خصوصی فنڈز سے لاکھوں ڈالر خرچ کر کے بھی مسلمانوں کو اس " شیطانی فلسفہ" کی طرف رغبت دلاؤ۔ ثانیاً اس ملّت کے نوجوانوں کو براہِ راست الحاد، بے دینی اور کمیونزم کی طرف دعوت دینا آسان نہیں ہے۔ لیکن ان کو ریڈیو، ٹی وی، فلم اور فحش لٹریچر کے ذریعہ جنسی بے راہ روی

اور اخلاقی انارکی کی چاٹ لگا دو۔ جب شرم و حیا کا بندھن ٹوٹ جائے تو پھر انہیں بدکاری اور جنسی آوارگی کے جہنم میں آسانی سے دھکیلا جا سکتا ہے۔ لیکن معاشرہ مسلمانوں کا۔ اس لیے ناجائز حمل“ کا ڈر رکاوٹ بن سکتا ہے۔ اس کا علاج خاندانی منصوبہ بندی کے خوبصورت اور جاذب توجہ ”نسخہ“ سے ہو سکتا ہے۔ جب نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کو استقرار حمل کا اندیشہ نہ ہوگا تو وہ اسلام کے نظام اخلاق و معاشرت سے عملاً بغاوت کر دیں گے۔ اور پھر آہستہ آہستہ اس وادی میں پہنچ جائیں گے جس کا وہ تصور بھی نہ کر سکتے تھے۔

(۷) اس سے کسی کو یہ غلط فہمی نہ ہو کہ شاید بانجھ عورت سے نکاح کرنا ناجائز اور حرام ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس نوجوان کو بانجھ عورت سے نکاح کرنے سے روکا تھا۔ اس کا مطلب اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ آپؐ افرادِ امت کی کثرت کی تمنّا رکھتے تھے۔ داعی الی الخیر کی سب سے بڑی تمنّا تو یہ ہوتی ہے کہ اس کی دعوت پر لبیک کہنے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہو خصوصاً نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو ہر شخص کو اللہ کا بندہ اور فرمانبردار بنانے کی اور دنیا میں اللہ کا کلمہ بلند کرنے کی جو دل میں تڑپ رکھتے تھے ——— آپ اسے ”بے تاب تمنّا“ کا عنوان دے سکتے ہیں ——— وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ آپؐ کے ارشاد گرامی کا مطلب یہ تھا ——— جیسا کہ آپؐ نے خود ہی فرمایا ——— کہ تم ان عورتوں سے شادی کرو جو زیادہ سے زیادہ بچے جننے کی صلاحیت رکھتی ہوں تاکہ آپؐ کی امت کے افراد میں غیر معمولی اضافہ ہو اور آپؐ قیامت کے دن کہہ سکیں کہ میری امت کی تعداد دوسری امتوں سے بہت زیادہ ہے۔

یہ وضاحت ہم نے اس لیے کی ہے کہ ”خاص موقع پر فرمائی ہوئی بات“ کا مطلب سمجھنے میں کسی کو مغالطہ نہ ہو، کیونکہ اسلام میں کسی عورت کو ——— کسی عذر شرعی کے بغیر ——— مجرد رہنے کی اجازت نہیں ہے، چاہے وہ ”ولود“ ہو یا بانجھ۔

نکاح اور باجہ

(۱۶) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَصْلُ مَا بَیْنَ الْحَلَالِ وَالْحَرَامِ الدَّفُّ وَالصَّوْتُ فِی النِّکَاحِ۔

(نسائی عن محمد بن حاطب کتاب النکاح۔ ترمذی ابواب النکاح)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حلال اور حرام کے درمیان حد فاصل نکاح میں باجہ اور آواز کا ہونا ہے۔

تشریح: زنا اور نکاح کے فرق یا امتیاز کا انحصار صرف باجہ اور آواز پر نہیں ہے۔ یہ تو عقدِ نکاح کے وقت گواہوں کی موجودگی سے بھی ہوجاتا ہے، بلکہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ تم نکاح کے معاہدہ کی زیادہ سے زیادہ تشہیر کرو یہاں تک کہ اس کی خبر دور دراز علاقوں تک پہنچ جائے۔ دُور و نزدیک کے رشتہ داروں اور جاننے والوں کے علم میں یہ بات آجائے کہ فلاں لڑکے نے فلاں لڑکی سے شادی کی ہے کیونکہ مرد اور عورت کا باہمی رضامندی سے جسمانی رابطہ قائم کرنے کا عمل نکاح اور زنا میں مشترک ہے، اب کوئی ایسا طریق کار لازمًا ہونا چاہیئے تھا جس سے معلوم ہوسکے کہ مرد اور عورت کا باہمی ملاپ، زنا کے نتیجہ میں ہوا ہے یا یہ نکاح کے معاہدہ کی عملی شکل ہے؟ قدیم زمانہ سے نکاح کو زنا ممیّز کرنے کے لئے یہ اصول رائج رہا ہے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسے نظر انداز نہیں فرمایا کہ نکاح کے معاہدہ کا زیادہ سے زیادہ پرچار کیا جائے۔ جہاں تک بھی ممکن ہو اس کی خبر ہر کان میں پہنچے، بلکہ باجوں کی آواز سے اُسے اور زیادہ مشہور اور مستحکم کردیا جائے۔

"نکاح میں آواز" ہونے کے معنی یہ ہیں کہ محفلِ نکاح کے شرکاء ایجاب و قبول کے بعد دولہے میاں کو بڑے زور شور سے مبارکباد دے کر اپنی مسرت کا اظہار کریں۔ اس موقع پر ڈھولکی یا نقارہ بجا کر نکاح کے اعلان کو مکمل کیا جائے۔

اس کا مفہوم یہ بھی ہوسکتا ہے کہ نکاح کی تقریب پر سنجیدہ اور اچھے اشعار گا کر خوشی کا اظہار کیا جاتے۔ اور نکاح کی خبر کو زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچانے کے لیے ڈھولک یا نقّارہ کا استعمال کیا جاتے۔

یہ بات دھیان میں رہے کہ آج کل شادی بیاہ کے موقع پر بڑے زور شور سے جو فحش فلمی گانوں کی ریکارڈنگ ہوتی ہے وہ قطعًا حرام اور ناجائز ہے۔ اس حدیث سے زیادہ سے زیادہ جو بات ثابت ہوتی ہے وہ صرف اس قدر ہے کہ شادی کی خبر کو دُور دُور تک پھیلانے کے لیے ڈھولک یا نقّارہ بجانا جائز ہے۔

رشحات

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کے سلسلہ میں جو ہدایات دی ہیں، ان میں سے بعض یہ ہیں:

(۱) جو شخص نکاح کی ذمّہ داریوں کو ادا کرنے کی استطاعت رکھتا ہو، اُسے لازمًا نکاح کرنا چاہیے

(۲) جو شخص اس کی ذمّہ داریوں سے عہدہ برآ نہ ہو سکتا ہو، وہ ضبطِ نفس کے لئے بار بار روزے رکھے۔

(۳) نکاح کرنا اور انسانی فطرت کے تقاضوں کو پورا کرنا تقویٰ کے خلاف نہیں، بلکہ سنتِ رسولؐ ہے۔

(۴) اسلام اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم کرنے کے لیے نکاح نہ کیا جائے۔

(۵) غیر شادی شدہ عورت کے لئے جب موزوں رشتہ میسّر ہو تو اس کے سرپرست کو چاہیے کہ وہ بہت جلد اس کی شادی کی فکر کرے۔

(۶) مومن کو شادی کے لئے اس بیوی کا انتخاب کرنا چاہیے جو دیندار ہو، چاہے کوئی دوسری خوبی اس میں پائی جاتی ہو یا نہ پائی جاتی ہو۔

(۷) جس لڑکے کی دینی اور اخلاقی حالت قابلِ اعتماد ہو اس کے پیغامِ نکاح کو نہ ٹھکرانا چاہیے۔

(۸) مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنے بھائی کے پیغامِ نکاح پر نکاح کا پیغام نہ دے، اِلّا یہ کہ وہ اس عورت سے نکاح کرنے کا ارادہ ترک کر دے۔

(۹) جو شخص کسی لڑکی سے نکاح کرنے کا ارادہ رکھتا ہو اگر ممکن ہو تو وہ اسے غور سے دیکھ لے۔

(۱۰) نکاح سے پہلے فریقین کو ایک دوسرے کی اخلاقی، معاشرتی، معاشی اور دینی حالت معلوم کرنے کی نہ صرف اجازت ہے، بلکہ ایک دوسرے کے متعلق صحیح رائے قائم کرنے کے لئے یہ ضروری بھی ہے۔

(۱۱) نکاح کے خطبہ میں بیوی اور شوہر کے حقوق اور ذمّہ داریوں کی وضاحت کرنی چاہیے۔

(۱۲) بٹے کی شادی فساد کی جڑ ہے۔

(۱۳) اسلام میں خاندانی منصوبہ بندی کی اجازت نہیں ہے۔ یہ مسلمانوں کے خلاف ذہین ملحدوں کی سازش ہے۔ اس سے فحاشی اور بے حیائی پھیلتی ہے۔

(۱۴) شادی کی تقریب پر فلمی گانوں کی ریکارڈنگ گناہ ہے۔ البتہ نکاح کے معاہدہ کی تشہیر کے لئے نقارہ یا ڈھولک بجانے کی اجازت ہے۔

باب اوّل

(۲)

مَہر

مہر

(۱۷) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَحَقُّ الشُّرُوْطِ اَنْ تُوْفُوْا بِہٖ مَا اسْتَحْلَلْتُمْ بِہِ الْفُرُوْجَ۔

(بخاری عن عقبۃ بن عامر کتاب الشروط۔ کتاب النکاح، مسلم کتاب النکاح)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جن شرطوں کو تم پورا کرتے ہو ان میں سے وہ شرط پوری کی جانے کی سب سے زیادہ حقدار ہے، جس کی وجہ سے تم عورتوں کی عصمت کے مالک بنتے ہو۔

تشریح: مرد کے لئے عورت سے جسمانی رابطہ قائم کرنا اسوقت حلال ہوتا ہے جبکہ وہ مہر کی شرط کو مان کر نکاح کا اقرار کرے۔ نکاح کی دوسری شرطوں میں سے اس شرط کو پورا کرنے کی سخت تاکید کی گئی ہے اور اس پر بہت زور دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی اس معاملہ میں بڑی تاکید فرمائی ہے۔

وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً۔

(النساء آیت ۴)

اور تم ان کے مہر خوشدلی سے ادا کرو۔"

افسوس ہے کہ جھوٹے وقار کی خاطر "مہر" کی بہت بڑی مقدار کا اندراج کاغذ میں تو ہو جاتا ہے، لیکن اس پر عمل درآمد نہیں ہوتا، بلکہ بسا اوقات ناممکن ہوتا ہے۔ دراصل نظریہ یہ ہوتا ہے کہ کس نے دینا ہے؟ اور لے گا کون؟

جو نکاح اس نیت سے کیا جائے کہ اس کا مہر ادا نہیں کرنا وہ عنداللہ فاسد ہے۔ مرد اور عورت رضامندی سے مہر کی جتنی مقدار پر متفق ہو جائیں اس کا ادا کرنا مرد پر لازم ہے۔

اس حدیث کے الفاظ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت سی ان کہی شرطیں ایسی بھی ہیں جو عقد نکاح سے شوہر اور بیوی پر خود بخود لازم ہو جاتی ہیں۔ یہ شرطیں لازماً پوری کی جانی چاہیئں۔ مثلاً:

مرد

(۱) بیوی کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے گا۔

(۲) اپنی استطاعت کے مطابق، اس کے لباس

(۳) خوراک اور

(۴) رہائش کا انتظام کرے گا۔

(۵) اور اس کے حقوق ادا کرنے میں کوتاہی نہ کرے گا۔

بیوی

(۱) اپنے شوہر کی نافرمانی نہ کرے گی۔

(۲) اس کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر نہ جائے گی۔

(۳) اپنی عفّت کی نگہبانی کرے گی۔

(۴) اس کی جائیداد میں اس کی مرضی کے بغیر تصرف نہ کرے گی۔

(۵) اور کسی ایسے آدمی کو گھر میں آنے کی اجازت نہ دے گی جس کا آنا اس کے شوہر کو ناگوار ہو۔

نکاح میں صرف ان شرطوں کی پابندی لازم ہے جو نکاح کے معاہدہ کی روح اور مقصد سے ہم آہنگ ہوں، رہیں وہ شرطیں جو شریعت کے مزاج کے خلاف ہوں، یا جو نکاح سے حاصل ہونے والے برکات اور فوائد سے محروم کرنے والی ہوں تو ایسی لغو شرطوں کو عقد کے وقت ماننا ہی نہ چاہیئے اور اگر سوئے اتفاق سے ان شرطوں کو پورا کرنے کا معاہدہ ہو جائے تو ان کی پابندی نہ کی جائے۔ مثلاً:

یہ کہ مرد کسی عورت سے اس شرط پر نکاح کرے کہ وہ اسے اس کے گھر سے کہیں باہر نہ لے جائے گا۔

یا اس جگہ سے نقل مکانی کر کے اسے کسی دوسرے شہر میں نہ لے جائے گا یا وہ کسی دوسری عورت سے نکاح نہ کرے گا۔

ازواجِ مطہرات کا مہر

(۱۸) عَنْ اَبِیْ سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَنَّهٗ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَمْ کَانَ صَدَاقُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَتْ کَانَ

صَدَاقُهٗ لِاَزْوَاجِهٖ ثِنْتَیْ عَشْرَۃَ اُوْقِیَّۃً وَنَشٌّ قَالَتْ اَتَدْرِیْ مَا النَّشُّ؟
قَالَ قُلْتُ، لَا، قَالَتْ نِصْفُ اُوْقِیَّۃٍ فَتِلْكَ خَمْسُ مِائَۃِ دِرْھَمٍ، فَھٰذَا
صَدَاقُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِاَزْوَاجِہٖ۔

(مسلم کتاب النکاح۔ نسائی کتاب النکاح۔ ابوداؤد کتاب النکاح)

ابو سلمہؓ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: میں نے ام المؤمنین حضرت عائشہؓ سے سوال کیا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنا مہر دیا تھا؟ انہوں نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کو ساڑھے بارہ اوقیہ یعنی پانچسو درہم مہر دیا تھا۔

تشریح: اس حدیث کی وضاحت سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ "جاہلیت" کے زمانہ میں نکاح کے "مہر" کو کیا اہمیت حاصل تھی اور کیوں؟

عرب معاشرت میں نکاح کے لئے "مہر" کو بنیادی اہمیت حاصل تھی۔ ان کا نقطۂ نگاہ یہ تھا کہ نکاح دراصل مرد اور عورت کے درمیان ایک عمرانی معاہدہ ہے، گھر ایک چھوٹی سی ریاست ہے۔ اس "عائلی ریاست" کا آغاز دو افراد —— مرد اور عورت —— کے نکاح سے ہوتا ہے۔ اس کا مکمل فائدہ تو اس وقت ظاہر ہوتا ہے جب کہ اس ریاست کا ہر فرد ایک دوسرے کے ساتھ ہمیشہ وابستہ رہنے اور تعاون کرنے کے لئے خلوصِ دل سے آمادہ ہو۔ عورت تو اپنے آپ کو پوری طرح مرد کے سپرد کر دینے اور اُسے اپنی عصمت کا مالک بنا دینے سے اس تعاون کا عملی ثبوت مہیّا کرے اور مرد اپنی جائیداد کا ایک قابلِ لحاظ حصّہ "مہر" کی شکل میں عورت کو ادا کر کے اپنی آمادگی اور دلچسپی کا اعلان کرے۔

ازدواجی زندگی —— جو کہ ایک چھوٹی سی مملکت کو جنم دیتی ہے —— میں نگرانی اور نظم و نسق کی ذمہ داری مرد پر ہوتی ہے۔ قوّام ہونے کی حیثیت سے نکاح کی گرہ مرد کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ شوہر اگر کسی وجہ سے بیوی کو طلاق دینا چاہے تو یہ "مہر" اس کی راہ میں رُکاوٹ ثابت ہو۔ اگر وہ اپنی ازدواجی زندگی کو ختم کرنے کا اقدام کرے گا تو اس کے نتیجہ میں بیوی تو جائے گی ہی، لیکن اس کے علاوہ اسے اپنی جائیداد کے اس حصہ کے ضائع ہو جانے کا رنج اور افسوس بھی ہو گا جو اس نے مہر کی صورت میں اپنی بیوی کو دیا تھا۔ مطلب یہ ہے کہ "مہر"

گھر کے نظم ونسق کو تہ و بالا کرنے میں کافی حد تک رکاوٹ بنتا ہے۔

اگر مرد گھر کے نظام کو تہ و بالا کرنا چاہے —— طلاق دے کر —— تو وہ معاشی خسارے کے ڈر سے گھر کے نظم ونسق کو برباد کرنے کی جسارت نہ کر سکے گا۔ معاشرتی زندگی میں نکاح کو جو اہمیت حاصل ہے اس کا تقاضا ہے کہ اس کا باقاعدہ اہتمام ہو۔ اسے سنجیدگی اور وقار کے ساتھ پایۂ تکمیل تک پہنچایا جائے۔ اس کی اس کے سوا اور کوئی صورت نہیں ہے کہ مرد عورت کی عصمت کا مالک بننے کا معاوضہ ادا کرے۔ جس چیز کا معاوضہ ''مال'' دے کر ادا کیا جائے اس کے وقیع ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔

عام طور پر لوگوں کو سب سے زیادہ محبت اور دلچسپی ''مال و دولت'' سے ہوتی ہے اس کے حصول کے لیے وہ اپنی ساری صلاحیتوں اور قوتوں کو کھپا دیتے ہیں، بلکہ اس کے عشق میں وہ اپنی تندرستی اور صحت کو بھی داؤ پر لگا دیتے ہیں۔

نکاح کے اہتمام کے اس مظاہرے سے ''عورت کے سرپرستوں کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتی ہیں کہ داماد مہر ادا کر کے ان کے جگر کے ٹکڑے کی عصمت کا مالک ہو رہا ہے۔

مہر کا تعین سرپرستوں کی رضامندی اور بہت بڑے اجتماع میں مرد اور عورت کے نکاح کا معاہدہ یہ تینوں چیزیں مل کر نکاح کو زنا سے ممیز کرنے والی ہیں''۔

نکاح کے اہتمام کے سلسلہ میں ہم نے جس رسم کی نشاندہی کی ہے یہ کوئی عرب جاہلیت کے ساتھ خاص نہیں تھی، بلکہ کم و بیش دنیا بھر کی سب قوموں میں یہ دستور پایا جاتا تھا۔ اس سے ثابت ہوا کہ جاہلیت کے دور میں لوگ نکاح میں ''مہر'' کو بہت ضروری قرار دیتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی اس رسم کو جُوں کا توں برقرار رکھا، پھر آپؐ نے مہر کی کوئی ایسی مقدار متعین نہیں فرمائی جس میں کمی یا بیشی نہ کی جا سکے۔ مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مہر کی زیادہ سے زیادہ کوئی ایسی مقدار مقرر نہیں فرمائی جس سے گھٹانا گناہ ہو اور آپؐ نے کم از کم اس کی کوئی ایسی حد مقرر نہیں کی جس سے بڑھانا جائز نہ ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نکاح کی قدر و قیمت کے مظاہرہ کے سلسلہ میں لوگوں کی عادات مختلف ہیں۔ ہر شخص اپنی افتادِ طبع کے مطابق اس سے دلچسپی لیتا ہے۔ معاشی حالات کے تفاوت کی وجہ سے بھی ہر شخص کا رجحان

ایک دوسرے سے مختلف ہوتا ہے اس لیے بالکل دوٹوک انداز میں، مہر کی مقدار کا تعین، ناممکن ہے، جیسا کہ نفیس اور دل پسند چیزوں کی قیمت پر ہمیشہ کنٹرول نہیں ہو سکتا اسی طرح لوگوں کو بھی مہر کی خاص مقدار کا پابند نہیں کیا جا سکتا۔ شرعاً مہر کی کوئی ایسی حد مقرر نہیں کی جا سکتی کہ لوگ بلا استثناء اپنے نکاح کا مہر نہ تو اس سے کم مقرر کریں اور نہ اس سے زیادہ دیں۔

مذکورہ بالا حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ہر بیوی کو مہر میں ساڑھے بارہ اوقیہ چاندی دی تھی جو کہ ہمارے زمانہ کے اوزان کی رُو سے ۱۳۱ تولہ کے برابر ہو سکتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں لوگ بالعموم مالی لحاظ سے جو حیثیت رکھتے تھے اگر اس کو پیش نظر رکھا جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ متوسط درجہ کی آمدنی رکھنے والوں کے لیے مہر کی یہ مقدار موزوں اور مناسب تھی اس لیے آپؐ نے جس عورت سے نکاح کیا اس کو ساڑھے بارہ اوقیہ چاندی مہر میں ادا کی۔ رہا ام المؤمنین حضرت امّ حبیبہؓ کے مہر کی مقدار کا معاملہ تو بلاشبہ اس سے بہت زیادہ تھا۔ ان کا مہر چار ہزار درہم نہ تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مقرر کیا تھا اور نہ آپؐ نے ادا کیا تھا، بلکہ حبشہ کے بادشاہ نجاشی نے آپؐ کی خوشنودی اور احترام کی خاطر مہر کی یہ رقم اپنی جیب سے ادا کر کے حضرت ام حبیبہؓ سے آپؐ کا نکاح کر دیا تھا۔

مہر باندھنے میں غلو نہ کرو

(۱۹) قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ اَلَا لَا تُغَالُوْا صَدُقَةَ النِّسَآءِ فَاِنَّهَا لَوْ كَانَتْ مَكْرُمَةً فِي الدُّنْيَا اَوْ تَقْوٰى عِنْدَ اللهِ لَكَانَ اَوْلَاكُمْ بِهَا نَبِيُّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، مَا عَلِمْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَكَحَ شَيْئًا مِنْ نِسَآئِهٖ وَلَا اَنْكَحَ شَيْئًا مِنْ بَنَاتِهٖ عَلٰى اَكْثَرَ مِنْ ثِنْتَيْ عَشَرَةَ اُوْقِيَّةً۔

(ترمذی عن ابی العجفاء ابواب النکاح، ابوداؤد کتاب النکاح، نسائی کتاب النکاح)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے (اپنی ایک تقریر میں) فرمایا: سنو! تم عورتوں کے بھاری بھاری مہر مقرر نہ کیا کرو۔ اگر دنیا میں یہ عزت و شرف کا باعث ہوتا یا اللہ تعالیٰ کے نزدیک پرہیزگاری قرار پاتا تو اس کے سب سے زیادہ حقدار نبی صلی اللہ علیہ وسلم

مجھے یہ نہیں جانتا کہ آپؐ نے اپنی کسی بیوی کو بارہ اوقیہ سے زیادہ مہر دیا ہو یا اپنی کسی صاحبزادی کا مہر اس سے زیادہ مقرر فرمایا ہو۔

تشریح: "بارہ اوقیہ" اور "ساڑھے بارہ اوقیہ" کے وزن میں جو تھوڑا سا تفاوت ہے اس سے کوئی خاص فرق نہیں پڑتا کیونکہ عام طور پر اعداد و شمار میں کسر کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مہر کے سلسلہ میں لوگوں کو سادگی کی تلقین فرمائی ہے۔ جو لوگ بھاری مہر ادا کرنے کی استطاعت نہ رکھتے ہوں وہ ناک کو اونچا رکھنے کے لیے بھاری بھرکم مہر باندھنے کی حماقت نہ کریں۔ بھاری بھاری مہر کی جکڑ بندی معاشرے کی عفت کے لیے خطرہ بن سکتی ہے اور اطمینان کو بھی چھین لیتی ہے۔ اس میں عموماً نمود و نمائش کے جذبہ کی کارستانی ہوتی ہے۔ شرعاً مہر کی کوئی خاص مقدار یا حد مقرر نہیں ہے لیکن قرآن اور سنت کے مطالعہ سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ مہر باندھنے میں شوہر اور بیوی کی حیثیت اور استطاعت کا لحاظ کیا جائے، دباؤ یا نمائش کی خاطر جو لوگ بھاری بھرکم مہر کا بوجھ لادنے کی کوشش کرتے ہیں وہ معاشرے کے توازن کو بگاڑنے کے مجرم ہیں۔ شوہر صرف اس مہر کا اعتراف کرے جسے وہ آسانی سے ادا کر سکے، نادان اور ظالم ہے وہ شخص جو ادا کرنے کی نیت سے نہیں بلکہ اپنے بڑے پن کا مظاہرہ کرنے کی غرض سے ناقابلِ برداشت مہر کی دستاویز لکھ دیتا ہے۔ ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی تقریر کے دوران فرمایا:

"تم عورتوں کے مہر چالیس اوقیہ سے زیادہ نہ باندھو جس نے اس سے زیادہ مہر پر کسی عورت سے نکاح کیا میں چالیس اوقیہ سے اوپر جس قدر زیادہ مال ہے اس کو بیت المال میں داخل کر دوں گا۔"

یہ سن کر ایک خاتون نے کہا: امیر المؤمنین! آپ کو تو اس کا اختیار نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کیوں؟

وہ بولی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْئًا اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ۝

وَكَيْفَ تَأْخُذُونَهُ وَقَدْ أَفْضَىٰ بَعْضُكُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ وَأَخَذْنَ مِنكُم مِّيثَاقًا غَلِيظًا ۝

(النساء آیت ۲۰-۲۱)

اور اگر تم ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی لے آنے کا ارادہ ہی کر لو تو خواہ تم نے اسے ڈھیر سا مال ہی کیوں نہ دیا ہو، اس میں سے کچھ واپس نہ لینا، کیا تم اسے بہتان لگا کر اور صریح ظلم کر کے واپس لو گے۔؟ اور آخر تم اسے کس طرح لے لو گے جب کہ تم ایک دوسرے سے لطف اندوز ہو چکے ہو اور وہ تم سے پختہ عہد لے چکی ہیں۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ تم اپنی بیوی کو مہر میں ڈھیر سا مال (قنطار) بھی دے سکتے ہو اور آپؓ نے مہر کی مقدار (۴۰ اوقیہ) محدود اور متعین کر دی ہے جو کہ صریحاً قرآن کے خلاف ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مرد نے غلطی کی اور عورت نے صحیح رائے قائم کی۔ یہاں ایک سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی پہلی اور دوسری تقریر قرآن کے خلاف ہے جن میں وہ مسلمانوں کو بھاری بھاری مہر باندھنے سے منع فرما رہے ہیں اور اس کے برعکس قرآن نے اس سے نہیں روکا، بلکہ اگر کسی نے اپنی بیوی کو مہر میں ڈھیر سا مال بھی دیا ہے تو اُسے حکم دیا ہے کہ تم نے اگر اُسے طلاق دینے کا فیصلہ کر لیا ہے تو اس سے کچھ بھی واپس نہیں لینا۔

دراصل حضرت عمرؓ کے فرمان کا مقصد یہ ہے کہ "افضلیت" بھاری بھاری مہر نہ باندھنے میں ہے، اس کے "جائز" ہونے میں تو حضرت عمرؓ کو بھی اختلاف نہیں ہے۔

لیکن وہ یہ فرماتے ہیں کہ اللہ کی نگاہ میں متقیانہ روش یہ ہے کہ بھاری بھاری مہر مقرر نہ کرو، فضیلت زیادہ مہر مقرر کرنے میں نہیں، بلکہ تھوڑا مہر باندھنے میں ہے۔

یہی وجہ ہے کہ آپ نے اپنی اس رائے سے رجوع فرما لیا جو کہ آپ نے مہر کی مقدار کو محدود کرنے کے سلسلہ میں ظاہر فرمائی تھی۔ اگر وہ اپنی اس رائے کو نافذ کر دیتے تو اسلامی حکومت میں اسے قانونی حیثیت حاصل ہو جاتی۔

دورِ رسالت کے تربیت یافتہ صحابہ کرامؓ اور کتاب و سنت کے ماہرین کی موجودگی میں اگر خلیفۂ راشد کی اس بات کا نوٹس نہ لیا جاتا، اور اسے سُن کر سب خاموش ہو جاتے

تو ان کی یہ رائے قانون کا درجہ حاصل کر لیتی۔ لیکن قرآن کو جاننے والی ایک خاتون نے حضرت عمرؓ کی اس رائے کو چیلنج کر دیا خلیفۂ راشد نے اپنی غلطی کا برملا اعتراف کیا اور مہر کی مقدار کو معین کرنے کے متعلق اپنی رائے واپس لے لی۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ خلیفۂ راشد تھے، کوئی عہد حاضر کے بے لگام آمر تو تھے نہیں کہ قرآن سے اختلاف کرنے کی جسارت کر ڈالتے۔

حضرت عمرؓ کی تقریر پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں لوگ چالیس اوقیہ سے بھی زیادہ پر مہر باندھتے تھے۔ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بیویوں کو کتنا مہر دیا تھا اور آپؐ کی صاحبزادیوں کے نکاح پر کتنا مہر مقرر کیا گیا تھا۔؟ مہر بندی کے سلسلہ میں دوسرے لوگوں کا رویہ بھی آپ کی نگاہ میں تھا اس لیے آپ نے پہلی تقریر میں تو صرف یہ ارشاد فرمایا کہ،

لوگو! عورتوں کا مہر مقرر کرنے میں غلو نہ کرو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کسی بیوی کو مہر میں بارہ اوقیہ سے زیادہ نہیں دیا۔ اور آپ نے اپنی کسی صاحبزادی کے نکاح کا مہر اس سے زیادہ مقرر نہیں فرمایا۔

دوسری تقریر میں آپ نے فرمایا:

"تم کسی عورت کے نکاح کا مہر چالیس اوقیہ سے زیادہ ادا نہ کرو۔"

اس سے ثابت ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ہر بیوی کو مہر میں ساڑھے بارہ اوقیہ (۱۳۱ تولہ چاندی) دیے تھے۔ وہ اس دور کے درمیانہ طبقہ کے معیار سے بھی کافی حد تک کم تھا۔ آپؐ کی تین صاحبزادیوں کا مہر بھی یہی تھا لیکن آپؐ کی آخری صاحبزادی سیّدہ فاطمہؓ کو حضرت علیؓ نے کتنا مہر دیا تھا، اس سلسلہ میں دو روایتیں ہیں

۱۔ چارسو مثقال چاندی یعنی ایک سو پچاس تولہ۔

۲۔ چارسو درہم یعنی ایک سو پانچ تولہ چاندی۔ (مرقاۃ لعلی القاری جلد ۶ صفحہ ۲۴۶)

مہر کی مقدار

(۲۰) عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ يَقُوْلُ اِنِّيْ لَفِي الْقَوْمِ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذْ قَامَتْ اِمْرَأَةٌ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّهَا قَدْ

وَهَبَتْ نَفْسَهَا لَكَ فَرِفِيهَا رَأْيَكَ فَلَمْ يُجِبْهَا شَيْئًا ثُمَّ قَامَتْ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنَّهَا قَدْ وَهَبَتْ نَفْسَهَا لَكَ فَرِفِيهَا رَأْيَكَ فَلَمْ يُجِبْهَا شَيْئًا ثُمَّ قَامَتِ الثَّالِثَةَ فَقَالَتْ إِنَّهَا قَدْ وَهَبَتْ نَفْسَهَا لَكَ فَرِفِيهَا رَأْيَكَ فَقَامَ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَنْكِحْنِيهَا قَالَ هَلْ عِنْدَكَ مِنْ شَيْءٍ ؟ قَالَ لَا. قَالَ اِذْهَبْ فَاطْلُبْ وَلَوْ خَاتَمًا مِنْ حَدِيْدٍ فَذَهَبَ فَطَلَبَ ثُمَّ جَاءَ فَقَالَ مَا وَجَدْتُ شَيْئًا وَلَا خَاتَمًا مِنْ حَدِيْدٍ فَقَالَ هَلْ مَعَكَ مِنَ الْقُرْاٰنِ شَيْءٌ ؟ قَالَ مَعِيَ سُوْرَةُ كَذَا قَالَ اِذْهَبْ فَقَدْ أَنْكَحْتُهَا بِمَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْاٰنِ۔

(بخاری کتاب النکاح باب التزویج علی القرآن مسلم کتاب النکاح)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں کچھ لوگوں کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا تھا جب ایک عورت اٹھی اور اس نے عرض کیا اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) میں آپؐ کے لیے اپنی ذات کو ہبہ کرتی ہوں میرے متعلق حضور کی رائے کیا ہے ؟ آپؐ نے اسے کوئی جواب نہ دیا۔ اس خاتون نے دوبارہ اٹھ کر اپنی درخواست کا اعادہ کیا۔ آپؐ نے اسے کوئی جواب نہ دیا، وہ خاتون تیسری بار اٹھی اور اپنی درخواست پیش کی، تو ایک آدمی نے اٹھ کر عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپؐ اس سے میرا نکاح کر دیں۔ آپؐ نے فرمایا: کیا تمہارے پاس کوئی چیز ہے ؟ (یعنی اسے مہر میں کیا دو گے ؟) اس نے کہا کچھ بھی نہیں ہے۔ آپؐ نے فرمایا: جا کر تلاش کرو (لاؤ) اور کچھ نہیں تو لوہے کی انگوٹھی سہی۔ جا کر اس نے ڈھونڈا۔ واپس آ کر عرض کیا: حضورؐ! مجھے کوئی چیز نہیں ملی یہاں تک کہ لوہے کی انگوٹھی بھی مہیا نہیں کر سکا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا: تمہیں قرآن کا کچھ حصہ یاد ہے ؟ وہ بولا ہاں: فلاں اور فلاں سورتیں یاد ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: جا، میں نے قرآن کی ان سورتوں کے بدلے اس عورت سے نکاح کر دیا۔

تشریح: مندرجہ بالا واقعہ کے سلسلہ میں محدثین نے جو روایات بیان کی ہیں ان کا مختصر خلاصہ یہ ہے:

ایک عورت نے ـــــ جب کہ مسجدِ نبوی میں بہت سے لوگ آپؐ کے پاس بیٹھے تھے ـــــ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) میں مہر کے بغیر آپؐ سے شادی کرنا چاہتی ہوں، آپؐ نے اُسے سر سے پاؤں تک غور سے دیکھا اور سر جھکا لیا، اسے کوئی جواب نہ دیا۔ جب اس نے دوسری بار اپنی درخواست دہرائی تو آپؐ خاموش ہو گئے۔ جب اس نے تیسری بار اپنی درخواست کا اعادہ کیا تو آپؐ نے بالکل خاموشی اختیار فرمالی۔ اور بعض روایات کے مطابق آپؐ نے فرمایا: مجھے عورتوں کی ضرورت نہیں ہے۔ بہرحال آپؐ کے رویّہ سے اس عورت نے محسوس کر لیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے شادی کا ارادہ نہیں رکھتے، اس کے باوجود وہ بیٹھی رہی، ایک آدمی نے کھڑے ہو کر عرض کیا حضور! اگر آپؐ کو اس کی ضرورت نہ ہو تو اس سے میری شادی کر دیجئے۔ آپؐ نے اس سے پوچھا: اس کو مہر میں دینے کے لئے تیرے پاس کچھ مال بھی ہے؟ وہ بولا، اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) خدا کی قسم! میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔ آپؐ نے فرمایا:

گھر والوں کے پاس جا کر دیکھو، کچھ مل سکتا ہے؟ وہ گیا، لوٹ آیا اور بتایا کہ حضور! مجھے کچھ نہیں ملا۔ آپؐ نے پھر فرمایا: جاؤ! اگر کچھ بھی نہیں ہے تو پھر لوہے کی انگوٹھی ہی لا کر دو۔ وہ گھر جا کر لوٹ آیا اور کہا میرے گھر میں کچھ بھی نہیں ہے یہاں تک کہ میں (پوری کوشش کے باوجود) لوہے کی انگوٹھی بھی مہیّا نہیں کر سکا ہوں۔ لیکن یہ میرا تہبند حاضر ہے۔ اس عورت کو مہر میں آدھا تہبند دے دوں گا۔ آپؐ نے فرمایا: تیرا تہبند کس کام کا ہے۔ اگر تو اسے پہنے گا تو تیری بیوی برہنہ ہو جائے گی۔ اور اگر اس نے اسے پہن لیا تو پھر تم کیا پہنو گے؟ (اس کے بعد) وہ آدمی کافی دیر تک وہاں بیٹھا رہا، پھر (مایوس ہو کر) چل پڑا۔ آپؐ نے اُسے بلا بھیجا وہ آیا تو آپؐ نے اس سے پوچھا، قرآن کا کچھ حصہ تمہیں یاد ہے؟ وہ بولا ہاں، مجھے فلاں سورۃ اور فلاں سورۃ یاد ہے۔ اس نے ان چند سورتوں کے نام بھی بتائے جو اُسے یاد تھیں۔ مثلاً: سورۃ البقرہ اور سورۃ آل عمران یا سورۃ بقرہ اور مفصّل کی سورتیں) آپؐ نے اس سے فرمایا جا، قرآن کی جو سورتیں تمہیں یاد ہیں میں نے ان کے بدلے اس عورت سے تیرا نکاح کر دیا۔ تو اس کو یہ سورتیں سکھا دے۔

اس حدیث پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مہر کی کوئی مقدار متعین نہیں ہے۔ اور حسب ذیل چیزیں مہر میں دی جاسکتی ہیں :

(۱) نہایت معمولی اور حقیر چیز جس کی قیمت بہت تھوڑی ہو۔ مثلاً لوہے کی انگوٹھی۔

(۲) جس چیز سے آزاد آدمی کو نفع حاصل ہو۔ مثلاً: ابوطلحہ کا اسلام، امّ سلیم سے نکاح کا مہر قرار پایا۔ (نسائی کتاب النکاح)

(۳) ہر وہ کام جس کی اُجرت لینا جائز ہو۔

(۴) قرآن مجید کی تعلیم۔

قرآن کی تعلیم ایک ایسا اہم معاملہ ہے جس میں لوگ دلچسپی لیتے ہیں، اور اس کی طلب بھی رکھتے ہیں جیساکہ لوگوں کو مال سے بیحد دلچسپی اور رغبت ہوتی ہے۔ اور وہ اس کے طلبگار بھی ہوتے ہیں، اس لئے قرآن کی تعلیم کو مال کا قائم مقام قرار دینے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے نہ تو مہر کی کوئی خاص مقدار متعین فرمائی کہ لو، یہ ہے اس کی "مقدار" کوئی شخص عورت سے نکاح میں لازماً اس قدر مہر باندھے اور نہ آپؐ نے اس کی حد مقرر فرمائی کہ اس کی زیادہ سے زیادہ مقدار یہ ہے لہٰذا تم اس سے زیادہ مہر نہ باندھو یا اس کی کم از کم مقدار یہ ہے، اس لیے کوئی شخص اس سے کم مہر مقرر نہ کرے، بلکہ آپؐ نے مہر کی تعیین لوگوں کی صوابدید پر چھوڑ دی ہے کہ وہ اپنی عادات، رجحانات اور معاشی حالات کی روشنی میں خود ہی مہر کا فیصلہ کریں۔ البتہ اس سلسلہ میں آپؐ کے مجموعی طرزِ عمل اور ارشادات سے کچھ ایسی "اصولی ہدایات" ہمارے سامنے آتی ہیں جن کو پیشِ نظر رکھنا بہت ضروری ہے اور وہ یہ ہیں :

(۱) مہر میں "مال" دیا جائے یا ایسی چیز ہو جو مال ہی کی طرح دلچسپ اور محبوب ہو۔

(۲) مہر کی مقدار خوش دلی سے مقرر کی جائے، اس میں کسی قسم کا دباؤ یا جبر نہیں ہونا چاہئے۔

(۳) نمود و نمائش یا بڑے پن کے مظاہرہ کے لئے بھاری بھاری مہر نہ باندھا جائے۔

(۴) "مہر" ادا کرنے کی نیت سے باندھا جائے، یہ نہ ہونا چاہیے کہ صاحب "ہزاروں،

لاکھوں کی دستاویز مہر میں لکھ دو، کس نے لینا ہے آپ سے ؟ ذرا خاندانی شرافت کا ڈ نکا بج جائے۔

۵ مرد اور عورت باہمی رضامندی سے جو "چیز" مہر میں طے کر دیں چاہے اس کی قیمت ایک روپیہ ہو ـــــ جائز ہے بشرطیکہ ہدایت نمبر ا کے مطابق ہو۔

۶ مہر طے کرتے وقت اس بات کا خاص طور پر خیال رہے کہ وہ شوہر کی معاشی حیثیت سے زیادہ نہ ہو، وہ اُسے آسانی سے ادا کر سکے۔

۷ "مہر" عورت کی ملکیت ہے۔ وہ اس میں مالکانہ تصرف کر سکتی ہے۔ شوہر دباؤ ڈال کر یا دھمکی دے کر نہ تو اس سے چھین سکتا ہے اور نہ بیوی کی اجازت اور رضامندی کے بغیر اس میں کسی قسم کا تصرف کر سکتا ہے۔

۸ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اگرچہ مہر کی مقدار مقرر نہیں فرمائی لیکن آپؐ نے عملاً اور قولاً تھوڑا مہر مقرر کرنے کی ترغیب دی ہے۔ اور آپؐ نے اُسے پسند فرمایا ہے۔

• آپؐ کا ارشاد ہے:

اِنَّ اَعْظَمَ النِّكَاحِ بَرَكَةً اَيْسَرُهُ مُؤْنَةً۔

(مشکوٰۃ کتاب النکاح عن عائشہؓ)

وہ نکاح سب سے زیادہ با برکت ہے جس کے مہر کا ادا کرنا آسان ہو اور نفقہ تھوڑا ہو۔

• سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح پر چار سو درہم (تقریباً ایک سو پانچ تولہ چاندی) مہر میں ادا کیے۔

• مشہور تابعی اور اہلِ مدینہ کے سردار حضرت سعید بن المسیبؒ نے اپنی صاحبزادی کا نکاح دو درہم پر کر دیا۔ ان کے اس عمل پر کسی نے نکتہ چینی نہ کی، بلکہ اس دور کے علماء اور دیندار لوگوں نے ان کے اس رویّہ پر ان کو خراج تحسین پیش کیا۔

• حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے ایک عورت سے پانچ درہم مہر پر شادی کی۔

• ایک آدمی نے ایک انصاری عورت سے چار اوقیہ (۴۳ تولہ چاندی تقریباً) پر نکاح کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے (ناراض ہو کر) فرمایا:

عَلٰى اَرْبَعِ اَوَاقٍ كَاَنَّمَا تَنْحِتُوْنَ الْفِضَّةَ مِنْ عُرْضِ هٰذَا الْجَبَلِ۔ (مسلم کتاب النکاح)

"تم نے چار اوقیہ پر نکاح کیا ہے گویا کہ تم اس پہاڑ کے دامن سے چاندی نکال رہے ہو۔ کیونکہ اس کی معاشی حالت اس مہر کی متحمل نہ تھی۔

جہیز

(۲۱) عَنْ عَلِيٍّ: اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا زَوَّجَهُ فَاطِمَةَ بَعَثَ مَعَهَا بِخَمِيْلَةٍ وَوِسَادَةٍ مِّنْ اَدَمٍ حَشْوُهَا لِيْفٌ وَرَحْيَيْنِ وَسِقَاءٍ وَجَرَّتَيْنِ۔ (مسند احمد ۸۱۹)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ان کی شادی کی تو آپ نے اپنی صاحبزادی کے جہیز میں یہ سامان بھیج دیا:

۱۔ سفید مخملی چادر
۲۔ چمڑے کا تکیہ، جسے کھجور کے درخت کی چھال سے بھر دیا گیا تھا۔
۳۔ چکّی
۴۔ مشکیزہ
۵۔ مٹی کے دو گھڑے۔

تشریح: جنسی خواہش ایک فطری تقاضا ہے، اس مقصد کے لئے مرد کو عورت کی اور عورت کو مرد کی ضرورت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نسلِ انسانی کے آغاز سے ہی نکاح کا اصول بنا دیا ہے۔ مرد اور عورت کے درمیان ایک دوسرے سے تعاون کرنے اور ایک دوسرے کے حقوق ادا کرنے اور عائلی ذمّہ داریوں کو نبھانے کا معاہدہ گواہوں کے روبرو بہت بڑے اجتماع میں اس لیے طے پاتا ہے کہ یہ نیا جوڑا اپنی جنسی خواہش کی تسکین کرے اور اس کے نتیجہ میں جو اولاد پیدا ہو اس کی تربیت کرے، اسے تعلیم دے، تہذیب سکھاتے، تمدن کی گاڑی اسی طرح چلتی ہے۔

یہ بڑا پاکیزہ معاہدہ ہوتا ہے۔ اسلام نے اسے زیادہ سے زیادہ آسان بنانے کی کوشش کی ہے۔ بھاری بھاری مہر باندھنے کو اچھی نگاہ سے نہیں دیکھا گیا۔

مہر اتنا باندھنا چاہیے جس کا ادا کرنا آسان اور ممکن ہو۔

جہیز کے سلسلہ میں بھی سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہایت سادگی کا نمونہ امت کے سامنے رکھ دیا ہے۔ اگر جہیز میں سادگی کو ملحوظ رکھا جائے تو عہد حاضر میں شادی کی سب رکاوٹیں دور ہو سکتی ہیں۔

آج کل عام مسلمان تو رہے ایک طرف، بڑے بڑے علماء اور پیرانِ کرام بھی جہیز کے معاملہ میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نمونہ کو پیش نظر نہیں رکھتے۔ محراب و منبر سے اس موضوع پر بڑی طویل اور زور دار تقریریں ہوتی ہیں کہ "حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی تمہارے لئے نمونہ ہے"۔

لیکن نہ تو سامعین جہیز کی سنت پر عمل کرتے ہیں اور نہ مقررین کو اس پر عمل کرنے کی توفیق ہوتی ہے۔ نکاح کے معاہدہ کو آسان ہونا چاہیے تھا، ہم نے اسے بڑا پیچیدہ اور مشکل بنا دیا ہے۔ ہمارے ہاں جہیز کی تیاری بعض اوقات دس پندرہ سال تک جاری رہتی ہے۔ لڑکی کے سرپرست اپنی استطاعت سے بڑھ کر جہیز مہیا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

بعض اوقات اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ لڑکی کی شادی جس لڑکے سے ہونا طے پاتی ہے وہ اونچے معیارِ زندگی کے حامل ہوتے ہیں۔ والدین سوچتے ہیں کہ اگر ہم نے ان کے معیار کے مطابق "جہیز" تیار نہ کیا تو وہ طعنہ دیں گے کہ یہ بھوکے ننگے گھر کی لڑکی ہے، کچھ بھی تو نہیں لائی اپنے ساتھ، اس لیے وہ بیچارے جہیز کی تیاری برسوں تک کرتے رہتے ہیں۔ ان کی جائیداد اور آمدنی اتنے بھاری بھرکم جہیز کی متحمل نہیں ہوتی تو وہ ناجائز اور حرام ذرائع سے اپنی آمدنی میں اضافہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس کے نتیجہ میں ان کے اخلاق خراب ہو جاتے ہیں اور ان کی معاشی حالت تباہ ہو جاتی ہے۔ ہمارے خیال میں اس کا بنیادی سبب لڑکی اور لڑکے کے خاندانوں میں بےحد معاشی تفاوت ہوتا ہے۔ اگر کوئی غریب آدمی کسی خوشحال آدمی سے اپنی بیٹی یا بہن کی شادی کرے گا تو لازماً اسے اس وادی پُرخار میں قدم رکھنا پڑے گا۔ اس لیے مناسب بات یہ ہے کہ آدمی اپنی لڑکی کی شادی کسی ایسے شخص سے نہ کرے جو اس کے مقابلہ میں بہت زیادہ مالدار ہو۔ اگر شادی بیاہ کے معاملہ میں اس اصول پر عمل کیا جائے تو "تباہ کن جہیز"

کے عذاب سے نجات مل سکتی ہے۔ لڑکے کے سرپرستوں کو "جہیز" پر نظر نہ رکھنی چاہیے۔ وہ ایسا رویہ اختیار نہ کریں کہ لڑکی کے والدین قرض لے کر یا کسی مصیبت میں مبتلا ہو کر ہر حال میں "معیاری جہیز" تیار کرنے پر مجبور ہوں۔

بڑے رنج کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ عشقِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بڑے بڑے مدعیوں کی زندگی میں جہیز کی وہ سادگی نظر نہیں آتی جس کا نمونہ سرورِ عالم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنی امت کے سامنے رکھا ہے۔ ہماری زبان پر تو محبت رسول کے نغمے جاری ہیں، لیکن ہمارے عمل کی گاڑی کو مدینہ کی لائن پر چلنے میں تامل ہے۔

خدا جانے یہ محبت کی کون سی قسم ہے کہ بارگاہِ رسالت میں "خراجِ عقیدت" پیش کرنے والے عشاق، عملاً آپؐ کو "خراج اطاعت" پیش نہیں کرتے۔ وہ اس ذاتِ گرامی کی پیروی کیوں نہیں کرتے جس کی عقیدت کا دم بھرتے ہیں۔؟

حقیقت یہ ہے کہ جہیز کی ناقابلِ برداشت کالی دیوی ہمارے لئے بہت بڑا چیلنج ہے۔ اس نے ہمارے معاشرے کو تباہ کر کے رکھ دیا ہے۔ اس کے انتظار میں جوان لڑکیوں کے سر کے بال سفید ہو جاتے ہیں۔ الھڑ جوانیاں بڑھاپے میں ڈھل جاتی ہیں، طرح طرح کی اخلاقی خرابیوں اور جسمانی بیماریوں کا بھی استقبال کرنا پڑتا ہے۔

عرب وعجم کے آقا نے اپنی لختِ جگر سیدہ فاطمہؓ کو یہ جہیز دے کر اس بات کی وصیت فرمائی ہے کہ:

(۱) بیٹی کے جہیز میں سادگی کو ملحوظ رکھا جائے۔

(۲) جہیز میں صرف وہ سامان دیا جائے جو آسانی سے مہیا ہو سکے۔

(۳) لڑکیوں کی شادی میں تاخیر کا باعث جہیز کے سامان کی عدم فراہمی نہ ہو۔

(۴) والدین لڑکیوں کو اپنی حیثیت اور استطاعت سے بڑھ کر جہیز کا سامان دینے کی کوشش نہ کریں، بلکہ صرف اتنا جہیز دیں جو کسی دقت اور تاخیر کے بغیر آسانی سے مہیا ہو سکے۔

ولیمہ

(۲۲) اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَأٰی عَلٰی عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ اَثَرَ صُفْرَۃٍ قَالَ مَا ھٰذَا؟ قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنِّیْ تَزَوَّجْتُ اِمْرَأَۃً عَلٰی وَزْنِ نَوَاۃٍ مِّنْ ذَھَبٍ قَالَ فَبَارَکَ اللّٰہُ اَوْلِمْ وَلَوْ بِشَاۃٍ۔

(مسلم عن انس کتاب النکاح۔ بخاری کتاب النکاح)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عبدالرحمٰن بن عوف (کے لباس) پر زردی کا نشان دیکھا تو ان سے پوچھا یہ کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا حضور! میں نے سونے کی گٹھلی کے وزن پر ایک عورت سے شادی کی ہے۔ آپؐ نے فرمایا مبارک ہو، ولیمہ کیجیے چاہے ایک بکری ہو۔

تشریح: شادی پر جو کھانا تیار کیا جاتا ہے اُسے "ولیمہ" کہتے ہیں۔ اس کی بنیاد چند مصلحتوں پر قائم ہے:

(۱) جو شخص اپنی شادی پر دعوتِ ولیمہ کا اہتمام کرتا ہے اس کے رویّہ سے محسوس ہوتا ہے کہ اُسے اپنے نکاح سے دلچسپی ہے۔ اس کا جی چاہتا ہے کہ ہر گھر میں اس کے نکاح کا چرچا ہو۔ ہر جان پہچان والے کے علم میں یہ بات آجائے کہ فلاں آدمی نے فلاں عورت سے شادی کی ہے۔ دعوتِ ولیمہ کے اہتمام کرنے سے خلقِ خدا اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھ لے گی، اور کانوں سے سُن لے گی، کہ فلاں آدمی فلاں عورت کا شوہر ہے، پھر اس کے نتیجہ میں جو اولاد بھی پیدا ہوگی اس کے صحیح النسب ہونے میں کسی کو شبہ نہیں ہوگا۔

ایک مرد کسی عورت سے شادی کرنے پر کھانا کھلا کر خوشی اور مسرّت کا اظہار تو کر سکتا ہے، لیکن بدکاری میں منہ کالا کرنے پر لوگوں کو کھانا کھلانے کی جرأت نہیں کر سکتا۔

(۲) ولیمہ کی دعوت اللہ تعالیٰ کے اس انعام کا شکر ہے جو اس نے اپنے فضل وکرم سے اپنے بندے کے گھر کو آباد کیا ہے، میاں، ایک مونس اور غمگسار کو اپنے گھر میں لے آیا ہے۔ بیوی نے ماں باپ اور بہن بھائیوں کی رفاقت اور شفقت کو چھوڑ کر اپنے شوہر کے گھر میں تادمِ زیست رہنے اور اس کا داخلی انتظام سنبھالنے کا فیصلہ کیا ہے۔ یہ عورت کا ایک ایسا قابلِ قدر ایثار ہے کہ اس کی خوشی میں مرد ولیمہ کی دعوت دیتا ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے "خانہ آبادی" کو اجتماعی زندگی میں بڑا ہی نفع بخش بنایا ہے۔ اب اگر کسی شخص کو یہ نعمت ملے تو اس پر لازم ہے کہ وہ اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لیے رشتہ داروں دوستوں اور ہمسایوں کو دعوت طعام دے۔ اس سے بیوی اور اس کے خاندان کے ساتھ حسنِ سلوک کا مظاہرہ بھی ہو جاتا ہے۔ بیوی کو گھر میں لانے پر دعوتِ طعام کا انتظام کرنے اور لوگوں کو اس تقریب پر بلا کر کھانا کھلانے سے پتہ چلتا ہے کہ یہ "عورت" بیوی کی حیثیت سے اپنے شوہر کی نگاہ میں بہت ہی قابلِ قدر اور وقیع ہے۔ کھانا کھلا کر اس نے اس کی اہمیت کا اعتراف کیا ہے۔

(۴) ایسے اہم معاملات میں گھر کے افراد کے درمیان الفت اور محبت پیدا کرنے کے لیے دعوتِ طعام کا اہتمام بھی بہت مفید ہوتا ہے، خصوصاً ان کے پہلے اجتماع میں جب کہ وہ پہلی بار اکٹھے ہو رہے ہوں۔

ولیمہ جمہور کے نزدیک سنت ہے۔ ظاہریہ اُسے واجب کہتے ہیں۔ امام شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ کے نزدیک "ولیمہ" کا کھانا تیار کرنا، اور لوگوں کو اس کے کھانے پر بلانا سنت ہے۔ شرعًا اس کی حد مقرر نہیں ہے۔

شوہر اپنی معاشی حیثیت کے مطابق دعوتِ ولیمہ کا اہتمام کر سکتا ہے کسی دشواری اور زحمت کے بغیر آسانی کے ساتھ جو کچھ بھی ولیمہ کے لئے مہیا ہو سکے جائز ہے۔ جو لوگ بھاری بھاری قرض لے کر ولیمہ کی پر تکلف دعوت کی نمائش کرتے ہیں وہ فضول خرچی کے گناہ میں مبتلا ہونے کے علاوہ اپنی معیشت کو جان بوجھ کر برباد کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ میں ذاتی طور پر ایسے لوگوں کو جانتا ہوں جو پوری کوشش کے باوجود بارہ بارہ برس تک اس طرح کے قرض سے نجات حاصل نہیں کر سکے۔ آخر یہ کہاں کی عقلمندی ہے کہ آدمی نمود و نمائش اور جذبۂ فخر کی تسکین کے لیے ولیمہ کی پر تکلف دعوت کا اہتمام کرے۔ اور وہ بھی اس حال میں کہ اس کے مالی وسائل اس عیاشی کے متحمل نہ ہوں۔ اس طرز کی دعوتِ ولیمہ کا مسنون ہونا تو رہا ایک طرف، اسے تو جائز بھی نہیں کہا جا سکتا، بلکہ کھلانے پلانے کا یہ انداز اللہ کی نگاہ میں مبغوض ہے۔

رشتہ داروں، دوستوں اور قریب کے ہمسایوں کو ولیمہ میں شرکت کی دعوت دی جائے،

خصوصاً غریب رشتہ داروں اور غریب ہمسایوں کو زیادہ اہمیت دی جائے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے جس انصاری خاتون سے شادی کی تھی وہ ہیں حضرت امّ ایاس بنت ابوالحسیر۔

بیوی نے زعفران میں رنگا ہوا لباس پہن رکھا تھا۔ اس کے رنگ کا تھوڑا بہت نشان ان کے کپڑوں پر بھی لگ گیا تھا۔ راہ چلتے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ان کی ملاقات ہوگئی، آپؐ نے پوچھا زرد رنگ کا یہ نشان کہاں سے آیا؟ عرض کیا حضور! ایک انصاری عورت سے شادی کی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

تم نے اسے کتنا مہر دیا؟ انہوں نے عرض کیا (نواۃ من ذھب) پانچ درہم۔ آپؐ نے انہیں خیر و برکت کی دعا دی اور فرمایا:

"ولیمہ کیجئے اگرچہ ایک بکری ہو"

جو شخص ولیمہ پر بکری ذبح کرنے کی استطاعت رکھتا ہو وہ لازماً بکری ذبح کرے۔ اس زمانہ میں ولیمہ میں بکری ذبح کرنا بہت معیاری ولیمہ ہوتا تھا اس لیے آپؐ نے حضرت عبدالرحمٰن ابن عوفؓ کو بکری ذبح کرنے کا حکم دیا۔ آپؐ کے اس ارشاد

"ولیمہ کیجئے اگرچہ ایک بکری ہو"

کا یہ مطلب یقیناً نہیں ہے کہ لازماً ہر شخص اپنی شادی پر ولیمہ میں ایک بکری ذبح کرے، بلکہ اپنی استطاعت کے مطابق جو کچھ آسانی کے ساتھ ولیمہ کے لیے مہیّا کر سکے، جائز ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اکثر شادیوں پر ایسے ولیمے کیے ہیں جن میں گوشت اور روٹی نہ تھی۔

اپنی شادی پر حضورؐ کا ولیمہ

(۲۳) عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ مَارَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوْلَمَ عَلٰى اِمْرَأَةٍ مَّا اَوْلَمَ عَلٰى زَيْنَبَ فَاِنَّهُ ذَبَحَ شَاةً۔

(مسلم کتاب النکاح۔ بخاری کتاب النکاح)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا: میں نے نہیں دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کسی بیوی سے شادی پر ایسا ولیمہ کیا ہو جیسا کہ آپؐ نے

حضرت زینبؓ سے شادی پر کیا تھا۔ آپؐ نے اس ولیمہ پہ ایک بکری ذبح کی تھی۔

تشریح: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زینبؓ سے شادی کے ولیمہ پہ ایک بکری ذبح کرکے گوشت روٹی سے مدعوین کی ضیافت کی تھی۔ آپؐ کی ازدواجی زندگی میں یہ سب سے بڑا اور اچھا ولیمہ تھا، کسی دوسری بیوی سے شادی کے ولیمہ پر آپؐ نے بکری ذبح نہیں کی۔

(۲۴) عَنْ صَفِيَّةَ بِنْتِ شَيْبَةَ قَالَتْ أَوْلَمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى بَعْضِ نِسَائِهٖ بِمُدَّيْنِ مِنْ شَعِيْرٍ۔

(بخاری کتاب النکاح باب من اولم باقل من شاۃ)

صفیہؓ بنت شیبہ نے کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ایک بیوی سے شادی پر جَو کے دو سیر کا ولیمہ کیا۔

تشریح: یہ غالباً ام المؤمنین امّ سلمہؓ کی شادی کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ حضرت ام سلمہؓ اور ان کے شوہر ابو سلمہ بن عبدالاسد ان مہاجرین اولین میں سے ہیں جنہوں نے کفارِ مکہ کے مظالم سے تنگ آکر مکہ سے حبش کی طرف ہجرت کی تھی۔ جب ان کے شوہر کا انتقال ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ کے ذریعہ ان کو نکاح کا پیغام دیا، جسے انہوں نے قبول کرلیا۔ آپؐ نے شوال ۴ھ میں ان سے شادی پر جو ولیمہ کیا وہ تھے جو کے دو سیر۔ اس کے ستو بنائے گئے اور اس سے مدعوین کی ضیافت کی گئی۔

(۲۵) اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْتَقَ صَفِيَّةَ وَتَزَوَّجَهَا وَجَعَلَ عِتْقَهَا صَدَاقَهَا وَأَوْلَمَ عَلَيْهَا بِحَيْسٍ۔

(بخاری عن انس کتاب النکاح۔ مسلم کتاب النکاح)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہؓ کو آزاد کیا اور ان سے شادی کی۔ اور ان کی آزادی کو ان کا مہر قرار دیا۔ ——— اور آپؐ نے ان سے شادی پر "حیس" کا ولیمہ کیا (حیس اس کھانے کو کہتے ہیں جو گھی، کھجور اور پنیر سے تیار کیا جائے۔)

تشریح: خیبر مدینہ سے ۹۶ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے محرم

۷ ھ میں اس پر چڑھائی کی، اور یہ فتح ہو گیا۔ اس غزوہ میں جن لوگوں کو گرفتار کر کے غلام بنایا گیا ان میں سے قریظہ اور نضیر کے سردار حیی بن اخطب کی بیٹی صفیہؓ بھی تھی۔ اس کا شوہر کنانہ بن الربیع اس جنگ میں قتل ہو گیا تھا۔ یہ یہودیوں کے دو بہت بڑے قبیلوں کے سردار کی بیٹی تھی اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے آزاد کر کے اپنی زوجیت کا شرف بخشا۔ اس شادی پر آپؐ نے جو ولیمہ کیا وہ "حیس" تھا۔

ہمارے ہاں استطاعت نہ ہونے کے باوجود "پُرتکلف دعوتِ ولیمہ کا رواج چل نکلا ہے۔ عرب و عجم کے آقا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے "حیس" اور ستو کا ولیمہ کر کے امت کے سامنے نمونہ رکھ دیا ہے۔ ہم میں سے ہر شخص کو غور کرنا چاہیئے کہ "ولیمہ" کے سلسلہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کی پیروی کیوں نہیں کرتے؟ ہم بارگاہِ رسالت میں بڑے سوز اور عقیدت سے صلوٰۃ وسلام کا ہدیہ پیش کرتے ہیں، نعتیں سُن کر ہماری آنکھیں اشکبار ہو جاتی ہیں لیکن کسی معاملہ میں بھی ہم آپؐ کا اتباع نہیں کرتے۔ شاید کہ "محبتِ رسول" کا یہ نرالا انداز ہے۔ جس رسول برحق (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنے طرزِ عمل اور ارشادات سے شادی کی تقریب کو آسان بنایا تھا اس کے ماننے والوں نے اُسے بالکل مشکل اور ناقابلِ برداشت بنا دیا ہے۔ حدیث کا ریکارڈ بتاتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب سے زیادہ اچھا اور عمدہ ولیمہ حضرت زینبؓ سے شادی پر ایک بکری کو ذبح کر کے کیا۔ خیبر سے واپسی پر جب آپؐ نے امّ المؤمنین صفیہؓ سے شادی کی تو "حیس" کھلایا۔ حضرت ام سلمہؓ سے نکاح پر "ستو" کا ولیمہ کیا۔

ذرا ٹھنڈے دل سے ہمیں غور کرنا چاہیے کہ یہ ریکارڈ صرف بحفاظت رکھنے کے لیے ہے یا ہم نے اس پر عمل بھی کرنا ہے؟ عملاً صورتِ حال یہ ہے کہ ہم ایسی مقدس باتوں کو لکھنے، کہنے اور سُنانے کا تو بہت شوق رکھتے ہیں لیکن اس کے مطابق شادی کرنے کا تصوّر بھی نہیں کر سکتے۔ کیا ہادیٔ اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہ سب ارشادات صرف قابلِ احترام ہیں؟ قابلِ تقلید نہیں ہیں؟ ان کو سن کر ہم عقیدت کے پھول تو نچھاور کر سکتے ہیں لیکن اپنی معاشرت میں ان پر عمل نہیں کر سکتے۔

"ولیمہ" کے سلسلہ میں آپؐ کی پیروی کرنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہم لازماً "حیس" تیار کر کے

ولیمہ کھلائیں، یا اپنے مدعوین کی صرف "ستو" سے تواضع کریں یا زیادہ سے زیادہ اگر ولیمہ کرنے کا شوق ہو تو صرف ایک بکری ذبح کر کے گوشت روٹی کھلانے کا بندوبست کریں۔

ولیمہ میں آپؐ کے طریقہ کی پیروی کرنے کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ ولیمہ میں سادگی اور آسانی کو زیادہ سے زیادہ ملحوظ رکھا جائے۔ ولیمہ شوہر کی معاشی حیثیت کے مطابق ہو۔

حضرت فاطمہؓ کی شادی پر ولیمہ

(۲۶) عَنْ عَائِشَةَ وَاُمِّ سَلَمَةَ قَالَتَا اَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ نُّجَهِّزَ فَاطِمَةَ حَتّٰى نُدْخِلَهَا عَلٰى عَلِيٍّ فَعَمَدْنَا اِلَى الْبَيْتِ فَفَرَشْنَاهُ تُرَابًا لَيِّنًا مِنْ اَعْرَاضِ الْبَطْحَاءِ ثُمَّ حَشَوْنَا مِرْفَقَتَيْنِ لِيْفًا فَنَفَشْنَاهُ بِاَيْدِيْنَا ثُمَّ اَطْعَمْنَا تَمْرًا وَّزَبِيْبًا وَسَقَيْنَا مَاءً عَذْبًا وَعَمَدْنَا اِلٰى عُوْدٍ فَعَرَضْنَاهُ فِيْ جَانِبِ الْبَيْتِ لِيُلْقٰى عَلَيْهِ الثَّوْبُ وَيُعَلَّقَ عَلَيْهِ الثَّوْبُ وَيُعَلَّقَ عَلَيْهِ السِّقَاءُ فَمَا رَأَيْنَا عُرْسًا اَحْسَنَ مِنْ عُرْسِ فَاطِمَةَ۔

(ابن ماجہ ابواب النکاح باب الولیمہ)

حضرت عائشہ اور حضرت ام سلمہ (رضی اللہ عنہما) فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ہم حضرت فاطمہؓ کو رخصتی کے لیے تیار کر کے انہیں حضرت علیؓ کے سپرد کر دیں (اس لیے سب سے پہلے) ہم نے (حضرت علیؓ کے) گھر کا رخ کیا۔ وادی کے کناروں سے نرم مٹی ——— جو نرم کنکریوں پر مشتمل تھی ——— کا اس میں فرش لگا دیا، پھر کھجور کے درخت کی چھال کو اپنے ہاتھ سے دھن کر اس سے ہم نے دو چھوٹے تکیوں کو بھرا، مشکیزہ اور کپڑوں کو لٹکانے اور کپڑوں کو رکھنے کے لیے ہم نے گھر کے ایک گوشہ میں ایک آڑی لکڑی رکھ دی۔ پھر ہم نے ——— اس تقریب میں شریک ہونے والوں کی ——— کھجور، منقی اور خوشگوار پانی سے ضیافت کی۔ حضرت فاطمہؓ کے ولیمہ سے بہتر ولیمہ ہم نے نہیں دیکھا۔

تشریح: یہ حدیث لمحہ فکریہ ہے عہد حاضر کے ان سب مسلمانوں کے لیے جو رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کے اہل البیت سے محبت کرنے کے مدعی ہیں۔ ہماری بچیوں کے ولیمہ پر تو ہزاروں روپے اٹھ جاتے ہیں، اور اُدھر یہ انداز فقیری! افسوس ہے کہ ولیمہ کرنے میں ہم اس سادگی اور آسانی کو ملحوظ نہیں رکھتے جس کا نمونہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی کے ولیمہ میں پایا جاتا ہے۔ محبین اہل بیت اگر اپنے دعوی محبت میں سچے ہیں تو شادی پر ولیمہ کے سلسلہ میں تو سیدنا امام حسینؓ کی والدۂ محترمہ سیدہ فاطمہؓ کے نقوش قدم کی پیروی کریں۔

خدا کی قسم! میں آج تک ان لوگوں کی محبت آلِ رسول کا مفہوم بالکل نہیں سمجھ سکا ہوں، جن کی زبانیں تو محبت کے نغمے الاپتی ہیں لیکن ان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں آلِ رسول کی اتباع کا ہلکا سا عکس بھی نظر نہیں آتا۔

ولیمہ کی دعوت کو قبول کرنا چاہئے

(۲۷) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا دُعِیَ اَحَدُکُمْ اِلَی الْوَلِیْمَۃِ فَلْیَاْتِھَا۔ (بخاری عن ابن عمر کتاب النکاح۔ مسلم کتاب النکاح)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کسی کو ولیمہ کے کھانے پر بُلایا جائے تو وہ لازماً آئے۔

تشریح: اسلام میں قانون سازی کا اصول یہ ہے کہ جب ایک مصلحت کی خاطر کسی شخص کو حکم دیا جائے کہ وہ لوگوں کے لئے ایک چیز تیار کرے تو اس کا منطقی تقاضا یہ ہوتا ہے کہ لوگوں کو بھی اس شخص کے مقصد سے تعاون کرنے اور اس کا ہاتھ بٹانے پر آمادہ کیا جائے ورنہ اس حکم کی مصلحت فوت ہو جائے گی۔

اس قاعدۂ کلیہ کی روشنی میں جب شریعت شادی کرنے والے کو حکم دیتی ہے کہ تم لوگوں کے لیے ولیمہ تیار کرو تاکہ نکاح کے معاملہ کو زیادہ سے زیادہ شہرت ہو تو وہ ان سب لوگوں کو بھی اس دعوت کے قبول کرنے کا حکم دیتی ہے جن کو بُلایا جائے، ہاں اگر کوئی صاحب روزہ دار ہونے کی وجہ سے کھانا نہ کھائیں تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ بہرحال اُن کے آنے سے وہ مقصد تو پورا ہو جائے گا جس کی خاطر انہیں دعوت دی گئی تھی۔ علاوہ ازیں باہم تعلق داری کا بھی تقاضا ہے کہ جب بھی کسی کو کھانے پر بُلایا جائے تو وہ اس دعوت کو قبول کرے۔ اس طریقہ

کو جاری رکھنے سے خاندانی نظام کا استحکام ہوتا ہے اور یہ تمدن کا فطری تقاضا ہے۔
دعوتِ ولیمہ کو قبول کرنے کے معاملہ میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض علماء کے نزدیک مستحب ہے۔ اور بعض علماء کے نزدیک واجب ہے۔ جو شخص کسی عذرِ شرعی کے بغیر اس دعوت کو قبول نہ کرے وہ گناہ گار ہے۔ الّا یہ کہ اس میں یہ خرابیاں پائی جائیں:

۱۔ دعوتِ ولیمہ کا کھانا مشتبہ ہو۔
۲۔ غریبوں کو نظر انداز کر کے صرف کھاتے پیتے لوگوں کو بلایا جائے۔
۳۔ جس ولیمہ کی دعوت میں کسی ایسے شخص کو مدعو کیا جائے جس کے اثر و رسوخ سے فائدہ اٹھانا یا کسی ناجائز معاملہ میں اس کا تعاون حاصل کرنا پیشِ نظر ہو۔

بُرا ولیمہ

(۲۸) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اِنَّهٗ کَانَ یَقُوْلُ: شَرُّ الطَّعَامِ طَعَامُ الْوَلِیْمَةِ یُدْعٰی لَهَا الْاَغْنِیَاءُ وَیُتْرَكُ الْفُقَرَاءُ وَمَنْ تَرَكَ الدَّعْوَةَ فَقَدْ عَصَی اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ۔

(بخاری کتاب النکاح۔ مسلم کتاب النکاح)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے: بُرا کھانا اس ولیمہ کا کھانا ہے جس پر غریبوں کو نظر انداز کر کے صرف مالداروں کو بُلایا جائے۔ جس نے (کسی عذرِ شرعی کے بغیر) یہ دعوت قبول نہ کی اس نے اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نافرمانی کی۔

تشریح: جاہلیت کے زمانہ میں شادی کے ولیمہ میں مالداروں کے ساتھ امتیازی برتاؤ کیا جاتا تھا۔ نہایت اعلیٰ قسم کے کھانوں، اور مشروبات سے ان کی تواضع کی جاتی تھی۔ عام لوگوں پر ان کو ترجیح دی جاتی تھی۔ بلکہ جس ولیمہ میں اونچے درجہ کے لوگ مدعو ہوتے اس میں سرے سے غریبوں کو آنے کی اجازت بھی نہ ہوتی تھی۔ لیکن اسلام کا معاشرتی ذہن اس طبقاتی برائی کو برداشت نہ کر سکا۔ اس سلسلہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے جو کچھ فرمایا ہے غالب گمان یہ ہے کہ انہوں نے یہ بات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات سے

اخذ کی ہے۔ ہمارے اس گمان کی تائید حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے اس قول سے ہوتی ہے کہ:

"إِذَا خُصَّ الْأَمِيْرُ وَتُرِكَ الْفَقِيْرُ أُمِرْنَا أَنْ لَا نُجِيْبَ"

"ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم اس دعوت کو بالکل قبول نہ کریں جس میں غریب کو نظر انداز کر کے صرف مالدار کو بلایا جائے۔"

جس ولیمہ پر غریبوں اور مسکینوں کو نظر انداز کر کے صرف خوشحال لوگوں کو بلایا جائے اس کا کھانا بدترین کھانا ہے۔ اس طرح کی طبقاتی برائی کی نمائندہ دعوتِ ولیمہ کو قبول کرنا اور اس میں شرکت کرنا بالکل جائز نہیں ہے۔

جو شخص شادی کرے وہ اپنے غریب رشتہ داروں اور نادار ہمسایوں کو لازماً ولیمہ کے کھانے پر بلائے اور نہایت خندہ پیشانی سے ان کا استقبال کرے۔

جو ولیمہ سنت کے مطابق ہو اس میں لازماً ہر وہ شخص شرکت کرے جس کو بلایا جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے قبول کرنے پر بہت زور دیا ہے اور سخت تاکید فرمائی ہے۔ اس شخص کے گناہ گار ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے جو کسی معقول عذر کے بغیر اس کو رد کر دیتا ہے۔ لیکن اگر ولیمہ کی تقریب میں خدا اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے احکام کا مذاق اڑایا جا رہا ہو تو نہ صرف یہ کہ اس دعوتِ ولیمہ کو مسترد کر دینا گناہ نہیں ہے، بلکہ سخت مجرم اور گناہ گار ہے وہ شخص جو اس طرح کی دعوتوں میں شرکت کر کے برائیوں کی حوصلہ افزائی کرتا ہے:

۱۔ جس شادی پر مردوں اور عورتوں کی مخلوط محفل ہو۔

۲۔ یا ناچ گانا، شراب نوشی اور فلمی گانوں کی ریکارڈنگ ہو۔

۳۔ یا کھلے بندوں بڑے بڑے گناہوں کا ارتکاب ہو رہا ہو۔

اس میں شرکت کرنا یا اس کے ولیمہ کی دعوت کو قبول کرنا سخت گناہ ہے۔

"مغرب" سے ایک اور نئی بیہودگی ———

——— روشن خیالی اور ترقی کے لبادہ میں ———

نازل ہوئی ہے۔ وہ یہ ہے کہ ولیمہ کی دعوت کھڑے ہو کر بلکہ چل پھر کر اڑائی جاتی ہے۔ ایسے ولیمہ

کی دعوت کو قبول کرنا بالکل جائز نہیں ہے۔ جانوروں کی طرح کھانا کھانے کا یہ انداز امتِ مسلمہ کے قائد و امام نبی عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو بالکل پسند نہیں تھا۔

رشحات

نکاح، مہر، جہیز اور ولیمہ کے سلسلہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اصولی ہدایات دی ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے:

۱۔ نکاح کا معاہدہ علانیہ ہونا چاہیے۔ اس میں اخفاء جائز نہیں ہے۔

۲۔ نکاح میں شوہر عہد کرتا ہے کہ:

وہ بیوی کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے گا۔

اپنی استطاعت کے مطابق اس کے لباس، خوراک اور قیام کا انتظام کرے گا اور اس کے معاشی اور معاشرتی حقوق ادا کرے گا۔

اور بیوی عہد کرتی ہے کہ:

وہ اپنے شوہر کی نافرمانی نہ کرے گی

اس کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر نہ جائے گی

اور اپنی آبرو کی حفاظت کرے گی۔

اور شوہر کی اجازت کے بغیر کسی شخص کو اپنے گھر میں نہ آنے دے گی۔

فریقین ان شرائط کی پابندی کریں جو نکاح کے معاہدہ میں طے کر دی جائیں۔ الّا یہ کہ وہ شریعت کے خلاف ہوں۔

۳۔ فریقین کی باہمی رضامندی سے مہر کی تعیین کے بعد گواہوں کے سامنے یہ معاہدہ ہونا چاہیے:

۴۔ شوہر کو چاہیے کہ وہ مہر باندھنے میں غلو اور نمائش سے پرہیز کرے۔ مہر کی تعیین میں وہ اپنی حیثیت اور استطاعت کو پیش نظر رکھے اور خوشدلی سے ادا کرے۔

۵۔ جس نکاح میں مہر تو مقرر کیا جائے لیکن اس کے ادا کرنے کا ارادہ نہ ہو وہ اللہ تعالیٰ کے

نزدیک سرے سے نکاح ہی نہیں ہے۔

۶۔ افضل یہ ہے کہ نکاح میں کم از کم مہر پر قناعت کی جائے لیکن اگر کوئی شخص خوشدلی سے زیادہ سے زیادہ مہر ادا کرتا ہے تو جائز ہے۔

۷۔ جہیز میں صرف وہ سامان دیا جائے جو آسانی سے مہیّا ہو سکے۔

۸۔ کسی جوان لڑکی کی شادی میں تاخیر کا باعث جہیز کی عدم فراہمی نہ ہو۔

۹۔ شادی پر ولیمہ کا کھانا تیّار کرنا اور لوگوں کو اس کے کھانے پر بُلانا مسنون ہے۔

۱۰۔ جس شخص کو ولیمہ کی دعوت پر بُلایا جائے اُسے لازمًا اس میں شریک ہونا چاہیے۔ جو شخص کسی شرعی عذر کے بغیر اس میں شرکت نہیں کرتا وہ گناہ گار ہے۔

۱۱۔ اگر ولیمہ کی تقریب میں شریعت کے احکام کی علانیہ خلاف ورزی ہو رہی ہو تو خدا ترس آدمی کو اس میں شرکت کر کے برائیوں کی حوصلہ افزائی نہ کرنی چاہیے۔

باب اوّل

(۳)

حقوق الزّوجین

شوہر اور بیوی سے باز پرس ہوگی

(۲۹) عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ ——— اَلرَّجُلُ رَاعٍ عَلٰی اَھْلِ بَیْتِہٖ وَھُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْھُمْ، وَالْمَرْأَۃُ رَاعِیَۃٌ عَلٰی بَیْتِ بَعْلِھَا وَوَلَدِہٖ وَھِیَ مَسْئُوْلَۃٌ عَنْھُمْ۔

(مسلم عن ابن عمر کتاب الامارۃ۔ بخاری کتاب الاحکام)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آدمی اپنے گھر والوں کا نگران ہے۔ اور وہ (قیامت کے دن) ان کے بارے میں (اللہ کے ہاں) جواب دہ ہے۔ بیوی اپنے شوہر کے گھر اور اس کے بچوں کی نگراں ہے، اس سے ان کے متعلق باز پرس ہوگی۔

تشریح: ہر آدمی کو دنیا میں ایسا طرز حیات اختیار کرنا چاہیے جس کے نتیجہ میں وہ آخرت کی رسوائی اور عذاب سے بچ جائے۔ وہاں نجات صرف اس شخص کے لیے ہے جو دنیا میں اسلام کے مطابق زندگی بسر کرتا رہے لیکن اگر وہ اپنے بال بچوں کو نیکی کی راہ پر نہیں لگاتا، ان کی اصلاح اور تربیت کی طرف توجہ نہیں کرتا تو وہ اللہ کے مؤاخذہ سے نہیں بچ سکے گا۔ اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا کہ تو نے اپنی حد تک چھوٹی سی ریاست (گھر) کی رعیت کو اسلام کے صحیح تصوّر سے آگاہ کیوں نہ کیا۔؟ تیرے گھر میں فسق وفجور کے پودے کی آبیاری ہورہی تھی، استطاعت کے باوجود تو نے اُسے اکھاڑ نہ پھینکا۔؟

یہ تصوّر بالکل غلط ہے کہ مَرد صرف اپنے بال بچّوں کی معاش کا کفیل ہے، ان کی نیکی اور بُرائی سے اُسے کیا واسطہ ؟ حالانکہ یہ اس کی ذمّہ داری ہے کہ وہ ان میں خدا کا خوف اور دین سے محبّت بھی پیدا کرنے کی کوشش کرے۔ جو شخص استطاعت کے باوجود اپنے بال بچوں کو مُسلم (اللہ کا فرمانبردار اور مطیع) نہیں بناتا، وہ چاہے ذاتی طور پر کتنا ہی صالح کیوں نہ ہو، وہ خُدا کے ہاں جوابدہ ہے۔ اس بے پروائی اور غفلت پر اس سے مؤاخذہ ہوگا۔ لیکن اگر کوشش کے باوجود اس کی بیوی بچّوں نے اس کی، دعوت اصلاح، کو مسترد کردیا ہو تو وہ بری الذّمّہ ہے۔

ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ حکمت سلیقہ اور تدریج کے ساتھ اپنی بیوی کی اصلاح کی کوشش کرے۔ یہ کام اسے مسلسل خلوص اور صبر کے ساتھ کرتے رہنا چاہیے۔

جو عورت اپنے شوہر کے گھر کو برباد کرتی ہے، اس کی جائیداد کو ضائع کرنے کی کوشش کرتی ہے، یا بچوں کی تربیت اور اصلاح سے پہلو تہی کرتی ہے، بلکہ ان کے دین اور اخلاق کو تباہ کرتی رہتی ہے، وہ اللہ کی عدالت سے سزا پاکر رہے گی کیونکہ وہ شوہر کی جائیداد کی امین تھی، اُسے ضائع کرکے اس نے خیانت کی ہے۔

بچّوں کو تہذیب سکھانے کی وہ ذمّہ دار تھی۔ اس نے اپنی ذمہ داری کو محسوس نہیں کیا۔ بیوی کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے شوہر کی جائیداد کی حفاظت کرے۔ اس کی مرضی اور اجازت کے بغیر اس میں تصرف نہ کرے۔ اور بچوں کو علم اور اخلاق سے آراستہ کرے۔ اور انہیں شرافت اور شائستگی سے زندگی بسر کرنے کا طریقہ سکھائے۔ بداخلاقی اور بُرے ماحول سے ان کی حفاظت کرے۔

شوہر اور بیوی کے حقوق

(۳۰) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ——— فَاتَّقُوا اللّٰہَ فِی النِّسَآءِ فَاِنَّکُمْ اَخَذْتُمُوْھُنَّ بِاَمَانِ اللّٰہِ وَاسْتَحْلَلْتُمْ فُرُوْجَھُنَّ بِکَلِمَۃِ اللّٰہِ وَلَکُمْ عَلَیْھِنَّ اَنْ لَّا یُوْطِئْنَ فُرُشَکُمْ اَحَدًا تَکْرَھُوْنَہٗ فَاِنْ فَعَلْنَ ذٰلِکَ فَاضْرِبُوْھُنَّ ضَرْبًا غَیْرَ مُبَرِّحٍ وَلَھُنَّ عَلَیْکُمْ رِزْقُھُنَّ وَکِسْوَتُھُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ۔

(مسلم عن جابر کتاب الحج۔ ابوداؤد کتاب المناسک)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم عورتوں کے معاملہ میں اللہ سے ڈرتے رہو ——— تم نے اللہ کی امان سے ان کو اپنے عقد میں لیا ہے اور اللہ کے کلمہ کی وجہ سے تم ان کی عصمت کے مالک بنے ہو، ان پر تمہارا حق یہ ہے کہ وہ تمہارے بستر کسی ایسے آدمی کو نہ روندنے دیں جس کو تم پسند نہیں کرتے۔ اگر وہ یہ غلطی کریں تو پھر تم ان کی پٹائی کرو، ایسی پٹائی جو انہیں مجروح نہ کردے ———

اور تم پر عورتوں کا حق یہ ہے کہ دستور کے مطابق ان کا لباس اور نفقہ تمہارے ذمہ ہے۔

تشریح: یہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خطبہ کا ایک اقتباس ہے جو آپؐ نے آخری حج (سنہ ۱۰ھ)

کے موقع پر منیٰ میں ارشاد فرمایا تھا:

(۱) پردہ کے احکام کے نزول سے پہلے عربوں میں یہ رواج عام تھا کہ اجنبی آدمی گھر میں آکر خواتین سے باتیں کرتا رہتا۔ یہ بات ان کی نگاہ میں معیوب نہ تھی۔ آپؐ نے اس رواج کو منسوخ کر دیا اور حکم دیا کہ آئندہ کوئی عورت گھر میں کسی ایسے آدمی کو آنے کی اجازت نہ دے جس کا آنا اس کے شوہر کو ناگوار ہو۔ یہ بیوی پر شوہر کا حق ہے۔ اگر وہ اس میں کوتاہی کرے تو شوہر اس کی پٹائی بھی کر سکتا ہے۔ بعض خواتین کے مزاج میں کچھ ایسی کجی ہوتی ہے کہ پٹائی کے بغیر کوئی بات ان کی سمجھ میں آہی نہیں سکتی۔

(۲) شوہر پر بیوی کا حق یہ ہے کہ وہ اپنی حیثیت کے مطابق اس کے قیام، طعام، لباس اور ضروریات زندگی مہیّا کرتا رہے۔

خدا کی شریعت نے اس سے یہ مطالبہ نہیں کیا ہے کہ وہ اپنی حیثیت سے بڑھ کر بیوی کی ضروریات پر روپیہ برباد کرے۔

وہ بیوی بڑی ظالم اور گناہ گار ہے جو شوہر پر اس کی استطاعت سے زیادہ مالی بوجھ ڈالتی ہے۔

شریعت کی نگاہ میں یہ بھی جائز نہیں ہے کہ خوشحال شوہر اپنی حیثیت کو نظر انداز کر کے بیوی کے معاملہ میں "فقر و تنگدستی" کا مظاہرہ کرے۔ اس کنجوسی اور تخیلی بلکہ کفرانِ نعمت پر آخرت میں اسے سزا ملے گی۔

معیار زندگی کے سلسلہ میں بعض اوقات میاں بیوی کے درمیان تلخی بلکہ شدید کشمکش پیدا ہو جاتی ہے کیونکہ میاں کسی ایسی لڑکی سے شادی کرتے ہیں جس کے باپ کی جائیداد اور معیارِ زندگی بہت بلند ہوتا ہے، شوہر اور بیوی کے درمیان معاشی لحاظ سے اگر بہت زیادہ تفاوت ہو تو پھر تعلقات خوشگوار نہیں رہ سکتے۔ تعلقات کی یہ خرابی طلاق کا موجب بھی بن سکتی ہے۔ بہرحال اس سے گھر میں بدمزگی اور کشیدگی کی فضا تو پیدا ہو ہی جاتی ہے اس لیے دانشمندی کا تقاضا ہے کہ آدمی کسی عورت سے نکاح کرتے وقت دوسرے امور کے علاوہ یہ بھی دیکھ لے کہ ان دونوں کے درمیان معاشی لحاظ سے ہم آہنگی ہو۔

جسمانی رابطہ راز ہے

(۳۱) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ اَشَرِّ النَّاسِ عِنْدَ اللّٰہِ مَنْزِلَۃً یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ الرَّجُلُ یُفْضِیْ اِلٰی اِمْرَاَتِہٖ وَتُفْضِیْ اِلَیْہِ ثُمَّ یَنْشُرُ سِرَّھَا۔

(مسلم عن ابی سعید الخدری کتاب النکاح، ابوداؤد کتاب الادب)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن اللہ کے نزدیک بدترین انسان وہ ہے جو اپنی بیوی سے لطف اندوز ہوتا ہے اور وہ اس سے لطف اندوز ہوتی ہے پھر وہ اس کا راز افشا کرتا ہے۔

تشریح: شادی کے بعد میاں بیوی ایک دوسرے سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ ان کے درمیان یہ جسمانی رابطہ "راز" کی حیثیت رکھتا ہے۔ شرم وحیا کا تقاضا ہے کہ اسے پوشیدہ رکھا جائے۔ وہ آدمی قیامت کے دن "بدترین انسان" قرار پائے گا جو:

ا۔ لوگوں کو اس کی تفصیل سے آگاہ کرتا ہے۔

ب۔ یا بیوی کی کسی کمزوری یا عیب کا انکشاف کرتا ہے۔

ج۔ یا اس کی کسی ایسی خوبی کا ذکر کرتا ہے جس کا مخفی رکھنا بہت ضروری ہے۔ ایک دوسری روایت میں اس "راز" کو بہت بڑی امانت قرار دیا گیا ہے۔ بہت بڑا خائن اور بے شرم ہے وہ شوہر جو لوگوں کو بیوی سے جنسی تعلق کی روداد سناتا ہے یا ان کو اس کے کسی عیب یا خوبی سے آگاہ کرتا پھرتا ہے۔ اسی طرح اس بیوی کے بے حیا اور بدترین ہونے میں بھی کوئی شبہ نہیں ہے جو سہیلیوں کو شوہر کے جنسی عمل کی تفصیل سناتی ہے، یا اس کی کمزوری یا خوبی کا اشتہار دیتی ہے۔

لڑکی کی نسبت اس کی والدہ کے مشورہ سے طے کرو

(۳۲) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اٰمِرُوا النِّسَآءَ فِیْ بَنَاتِھِنَّ۔

(ابوداؤد عن ابن عمر کتاب النکاح باب فی الاستیمار)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اپنی لڑکیوں کے نکاح کے سلسلہ میں

ان کی ماؤں سے مشورہ لے لیا کرو۔

تشریح: جوان لڑکی کو گھر میں زیادہ عرصہ تک بٹھائے رکھنا جائز نہیں ہے۔ بہت جلد اس کی شادی کی فکر کرنی چاہیے۔ اس کے لئے شوہر کا انتخاب کرتے وقت اس کی ماں کی رائے کو نظرانداز نہ کرنا چاہیے کیونکہ اس معاملہ میں لڑکی کی والدہ کی رائے کو نظرانداز کرنے یا اس سے مشورہ لیے بغیر "داماد" کا چناؤ بعض اوقات معاشرتی خرابیوں کا موجب بن سکتا ہے۔

ماں باپ باہمی مشورہ سے اولاد کی شادی کے مسئلہ کو حل کرنے کی کوشش کریں، خصوصًا لڑکیوں کی شادی کا معاملہ تو کچھ زیادہ اہم ہوتا ہے اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ جب تم اپنی لڑکیوں کی نسبت طے کرنے لگو تو ان کی ماؤں سے بھی مشورہ لے لیا کرو۔

اس حدیث پر غور کرنے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ والدین کی اجازت، مشورے اور رضامندی کے بغیر کسی لڑکی کو اپنا رفیقِ حیات تلاش کرنے کی کوشش نہ کرنی چاہیے۔ مغربی تہذیب کے "تصورِ آزادیٔ نسواں" نے مسلمانوں کے خاندانی نظام میں کچھ دراڑیں ڈال دی ہیں، پھر مخلوط تعلیم کے فتنہ نے رہی سہی کسر بھی پوری کر دی ہے۔ بعض لڑکیاں اپنی شادی کا مسئلہ خود ہی طے کر لیتی ہیں۔ ماں باپ سے اجازت لیتی ہیں نہ ان کی رضامندی حاصل کرتی ہیں۔ ایسی رومانی اور جذباتی شادیوں کی کوکھ سے تلخیاں اور ناقابلِ حل الجھنیں نمودار ہوتی ہیں۔ اسلام کا صاف ستھرا مزاج یہ ہے کہ لڑکی کی شادی کا فیصلہ، والدین کافی سوچ بچار اور مشورے کے بعد کریں۔ لڑکی کی رائے بھی معلوم کر لیں۔

بیوی سے اچھا سلوک کرنے کی وصیت

(۴۴) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِسْتَوْصُوْا بِالنِّسَآءِ خَیْرًا فَاِنَّ الْمَرْأَۃَ خُلِقَتْ مِنْ ضِلَعٍ وَاِنَّ اَعْوَجَ شَیْءٍ فِی الضِّلَعِ اَعْلَاہُ فَاِنْ ذَھَبْتَ تُقِیْمُہٗ کَسَرْتَہٗ وَاِنْ تَرَکْتَہٗ لَمْ یَزَلْ اَعْوَجَ فَاسْتَوْصُوْا بِالنِّسَآءِ۔

(بخاری عن ابی ہریرہ کتاب الانبیاء مسلم کتاب الرضاع)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم عورتوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے

میں میری وصیت قبول کرو۔ عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے، اور پسلی کا اُوپر کا حصّہ بہت ٹیڑھا ہوتا ہے۔ اگر تم اسے سیدھا کرنا چاہو گے تو اسے توڑ ڈالو گے۔ اور اگر تم اسے اس کے حال پر چھوڑ دو گے تو وہ ہمیشہ ٹیڑھی رہے گی۔ پس تم عورتوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے میں میری وصیت قبول کرو۔

تشریح: خاندانی زندگی کے نظام میں میاں بیوی کا باہمی ربط اور تعلق سب سے زیادہ اہم کیوں ہے؟ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ یہ رابطہ دوسرے رابطوں کے مقابلہ میں سب سے زیادہ نفع بخش ہے اور شہوت کی تسکین کا ذریعہ ہونے کی بنا پر سب سے زیادہ ضروری بھی ہے کیونکہ اس کے بغیر تمدّن کی گاڑی ایک دن کے لیے بھی نہیں چل سکتی۔

علاوہ ازیں نسلِ انسانی کے آغاز سے لے کر اب تک دنیا بھر کے لوگوں کا یہ طریقہ رہا ہے اور اب بھی ہے کہ گھر کے نظام کو صحیح بنیادوں پر قائم کرنے اور اسے چلانے کے لیے عورت‘ مرد کا ہاتھ بٹاتی ہے۔ اس کے ساتھ تعاون کرتی ہے اور گھر کے داخلی امور ________
مثلاً: کھانا تیار کرنے، گھر کو صاف ستھرا رکھنے، بچّوں کو پالنے اور مہذّب بنانے، کپڑوں کو دھونے، صاف کرنے، گھر کے سامان کو سلیقہ اور قرینہ کے ساتھ رکھنے ________
کی ذمہ دار ہے۔ اور مَرد کی عدمِ موجودگی میں وہ گھر کے انتظام کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے لیتی ہے۔

عورت اور مَرد کے اس باہمی تعلق کی اہمیت کو (جہاں تک بھی ممکن تھا) سب شریعتوں نے مانا ہے، بلکہ اسے باقی اور قائم رکھا ہے اور اس کو مستحکم کیا ہے۔ اور اس بگڑے ہوئے ذہن کو پسند نہیں کیا جس نے شوہر اور بیوی کے اس جسمانی اور روحانی تعلق کو ختم اور ضائع کرنے کی کوشش کی ہے۔

کوئی اجتماعی ڈھانچہ اپنے مقاصد میں کامیاب نہیں ہو سکتا اگر اس کے اجزا میں ایک دوسرے کے ساتھ مناسبت اور الفت نہ ہو۔ اسی طرح ازدواجی زندگی اپنے مقاصد میں کامیاب نہیں ہو سکتی جب تک اس ادارے کے ارکان (شوہر اور بیوی) میں ایک دوسرے سے محبّت اور پیار نہ ہو۔

ایک دوسرے سے محبت کرنے اور اس کیفیت کو ہمیشہ قائم رکھنے کے لیے میاں اور

بیوی کو ان اصولی ہدایات پر خلوص کے ساتھ عمل کرنا چاہیے:

(۱) وہ ایک دوسرے کے غم، دکھ، تکلیف اور علالت میں ہمدردی اور رحمدلی کا رویّہ اختیار کریں۔

(۲) وہ ایک دوسرے کی غلطیوں سے چشم پوشی اور کوتاہیوں سے درگزر کرنے کی صلاحیت پیدا کریں۔

(۳) وہ نفرت اور کینہ پیدا کرنے والی باتوں سے اجتناب کریں۔

(۴) وہ ایک دوسرے سے ہنسی مذاق کی باتیں کرنے کی عادت ڈالیں۔

(۵) وہ خندہ پیشانی اور مسکراہٹ سے ایک دوسرے کا استقبال کریں یعنی ترش روئی اور خشک مزاجی سے پرہیز کریں۔

گھر خاندان کی ایک چھوٹی سی ریاست ہے۔ ظاہر بات ہے کہ کوئی ریاست بغیر حاکم اور منتظم کے نہ قائم ہوسکتی ہے اور نہ باقی رہ سکتی ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے بعض مصلحتوں کی بنا پر شوہر کو بیوی پر "قوّام" بنایا ہے۔ وہ اس کے معاش کی کفالت کرتا ہے۔ گھر کے نظام کو درست حالت میں رکھنے کا وہ ذمہ دار ہے اور وہ اس کی نگرانی اور حفاظت بھی کرتا ہے۔ عورت اس ریاست میں رعیّت کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس لیے ہر ایک کے کام اور ذمہ داری کا دائرہ ایک دوسرے سے بالکل الگ ہے اور حقوق بھی مختلف ہیں لیکن آپس میں ہم آہنگ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مردوں کو حکم دیا ہے کہ:

عَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ

(النساء آیت ۱۹)

"تم ان کے ساتھ بھلے طریقہ سے زندگی بسر کرو"۔

یعنی اگر ان سے کچھ کوتاہیاں اور کمزوریاں صادر ہوں تو ان سے درگزر کرو۔

اس تمہید کے بعد ہم مندرجہ بالا حدیث کی وضاحت کرتے ہیں:

آپؐ نے ارشاد فرمایا:

"تم عورتوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے میں میری وصیت قبول کرو"۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ میں تمہیں بیویوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی وصیّت کرتا ہوں۔ تم میری وصیّت کو قبول کرو۔ بھلے طریقہ سے تم ان کے ساتھ زندگی بسر کرو، اور ان کی زیادتی پر صبر کرو۔

پھر فرمایا:

"عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے، اور پسلی کا اوپر کا حصّہ بہت ٹیڑھا ہوتا ہے۔ اگر تم اُسے سیدھا کرنا چاہو گے تو اُسے توڑ ڈالو گے۔"

اس کا مطلب یہ ہے کہ عورت کی فطرت میں پسلی کی طرح کجی رکھ دی گئی ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ۔

(الانبیاء آیت ۳۷)

" انسان کو جلد بازی سے پیدا کیا گیا ہے۔

یعنی اس کی فطرت اور جبلت میں جلد بازی رکھ دی گئی ہے۔

پسلی ٹیڑھی ہوتی ہے۔ اگر تم اُسے سیدھا کرنا چاہو تو وہ سیدھا ہونے سے رہی، البتہ ٹوٹ ضرور جائے گی۔ اسی طرح عورت کی فطرت میں جو کجی اور ٹیڑھا پن ہے اس کی بنا پر تم اس کے ٹیڑھے پن اور کجی کے باوجود اس سے استفادہ کر سکتے ہو، لیکن اگر چاہو کہ یہ بالکل سیدھی ہو جائے تو ناممکن ہے۔ ہاں اگر تم اسے سیدھا کرنے کی کوشش کرو گے تو یہ ٹوٹ ضرور جائے گی۔ اور اس کا طلاق لینا ٹوٹنا ہی تو ہے۔

"پسلی کا اوپر کا حصّہ بہت ٹیڑھا ہوتا ہے۔"

یہ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ عورت کے سر میں جو زبان ہے وہ کچھ غیر محتاط اور بے لگام ہونے کی وجہ سے اذیت ناک بن جاتی ہے۔ بہر حال عورت کے مزاج میں جو کجی ہے اس کا بالکل دُور ہونا ناممکن ہے جیسا کہ پسلی کا سیدھا ہونا ناممکن ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ شوہر، بیوی سے استفادہ کرنے پر مجبور ہے اس لیے وہ اس کی کم عقلی اور زیادتی پر صبر سے کام لے۔

"ہاں عورت کے مزاج کی کجی کا بالکل دُور ہونا تو ممکن نہیں ہے لیکن اسے بالکل اس کے

حال پر چھوڑ دینا بھی حکمت کے خلاف ہے۔ اس لیے نرمی اور حکمت کے ساتھ جہاں تک بھی ہوسکے اس کی کجروی کی اصلاح کی کوشش کی جائے۔

پھر آپؐ نے آخر میں فرمایا:

"پس تم عورتوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے میں میری وصیت قبول کرو"۔

اس کے مفہوم میں یہ بات بھی داخل ہے کہ تم اس کی کجی کو بالکل ختم کرنے کے لیے ایسا سخت رویّہ بھی اختیار نہ کرو، جس کا نتیجہ "طلاق" کی شکل میں نمودار ہو اور نہ تم اسے بالکل اس کے حال پر چھوڑ دو کہ وہ بے لگام ہو کر گھر کے امن وسکون کو تہ و بالا کر دے۔

اس وضاحت کا خلاصہ یہ ہے کہ عورتوں کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کیا جائے، ان کی کج خلقی پر صبر سے کام لیا جائے اور ان کی کم عقلی کو برداشت کرنا چاہیے۔ بغیر کسی معقول وجہ کے ان کو طلاق دینے سے اجتناب کیا جائے۔ اور ان سے یہ توقع نہ رکھی جائے کہ وہ بالکل سو فیصد اپنے ٹیڑھ پن اور کجی سے دستبردار ہو سکیں گی۔ ان کی اس کج روی اور ٹیڑھ پن کو نظر انداز کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ اس کا تعلق میاں بیوی کے عام تعلقات اور گھر کے کام کاج سے ہے لیکن اگر وہ فسق وفجور اور بے حیائی کے کاموں کا ارتکاب کریں تو ان کی یہ کج روی قابلِ برداشت نہیں ہے۔

بیوی کی اخلاقی خوبیوں پر نگاہ رہے

(۲۴) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَفْرَكُ مُؤْمِنٌ مُؤْمِنَۃً اِنْ كَرِہَ مِنْھَا خُلُقًا رَضِیَ مِنْھَا اٰخَرَ۔

(مسلم عن ابی ہریرۃ کتاب الرضاع)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مؤمن شوہر کے لیے مناسب نہیں ہے کہ وہ بیوی سے نفرت کرے۔ اگر وہ اس کی کسی خصلت کو گوارا نہیں کرتا تو اس کی دوسری خصلت کو پسند بھی تو کرتا ہے۔

تشریح: خالق وحکیم خدا نے حکمت کی بنا پر اپنی مخلوق میں تنوع رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کسی کو حسین بنایا ہے اور کسی کو کمزور، کوئی صحتمند ہے اور کوئی مریض، انسان اس میں بے بس ہے۔

کسی انسان کو اس کی غیر اختیاری خصلت پر ملامت کرنا اور اس پر طنز کرنا غیر معقول اور بھونڈی روش ہے۔ جو شخص یہ رویّہ اختیار کرتا ہے وہ دراصل اس ذاتِ قدیر پر طنز کرتا ہے جس نے یہ خصلت پیدا کی ہے۔

کیا مؤمن اپنے رب کے ساتھ یہ رویّہ اختیار کر سکتا ہے؟

اس لیے مؤمن شوہر کو سیاہ فام بیوی سے نفرت نہیں کرنی چاہیے۔ اور اس بیوی کو حقارت کی نگاہ سے نہیں دیکھنا چاہیے جو خوبصورت نہ ہو۔ اگر اس کا ذوق بیوی کی ان غیر اختیاری چیزوں کو پسند نہیں کرتا تو آخر وہ اس کے دوسرے اوصاف اور اخلاق سے سکون تو محسوس کرتا ہے۔ مثلاً:

(۱) ایک سیاہ فام لڑکی اخلاقی اعتبار سے بہت اچھی ہے۔

(۲) یا ایک لڑکی گھر کے نظام کو سلیقہ سے چلانے کی صلاحیت نہیں رکھتی، لیکن ہے وہ خوبصورت اور اپنے شوہر سے بیحد محبّت کرنے والی۔

(۳) یا بیوی قبول صورت نہ ہونے کے باوجود گھر کے انتظام میں کفایت شعار ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادِ گرامی کا مطلب یہ ہے کہ مؤمن شوہر اپنی بیوی کی غیر اختیاری کمزوریوں کو نظر انداز کر کے اس کی دوسری خوبیوں اور اچھی صلاحیتوں کو پیش نظر رکھے اور اس سے محبّت کرے۔

غیر اختیاری خصلتوں یا معمولی درجہ کی اختیاری کمزوریوں کی وجہ سے شوہر کو بیوی سے بغض اور نفرت کا اظہار نہ کرنا چاہیے جب کہ وہ دوسرے بہترین اخلاقی اوصاف کی حامل ہو۔

اختیاری کمزوریوں کی اصلاح کا طریقہ یہ ہے کہ شوہر اس کی اچھی خوبیوں اور صلاحیتوں کا بار بار اظہار اور اعتراف کرے اور اس کے اچھے کام کی داد بھی دیتا رہے۔ لیکن کبھی کبھی بالکل ہلکے انداز میں اس کی کوتاہیوں کا ذکر کر دیا کرے۔

بیوی کے چار حقوق

(۳۵) عَنْ مُعَاوِيَةَ الْقُشَيْرِيِّ قَالَ اَتَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَقُلْتُ مَا تَقُوْلُ فِيْ نِسَآئِنَا؟ قَالَ اَطْعِمُوْهُنَّ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ

وَاكْسُوهُنَّ مِمَّا تَكْتَسُونَ وَلَا تَضْرِبُوهُنَّ وَلَا تُقَبِّحُوهُنَّ۔

(ابوداؤد کتاب النکاح)

حضرت معاویہ قشیری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا، ہماری بیویوں کا ہم پر کیا حق ہے؟ آپؐ نے فرمایا: تم انہیں کھلاؤ جو کچھ تم کھاتے ہو اور انہیں پہناؤ جو تم پہنتے ہو، ان کی پٹائی نہ کرو، اور انہیں بُرا نہ کہو۔

تشریح: اس حدیث میں شوہر پر بیوی کے چار حقوق کا ذکر ہے:

(۱) یہ ایک مسلّمہ اصول ہے کہ ہر انسان اپنی خوراک اور لباس کے سلسلہ میں وہ معیار اپنائے جو اس کی آمدنی سے ہم آہنگ ہو۔ بیوی کو وہ کھانا کھلاؤ جو تم خود کھاتے ہو۔ یہ بالکل جائز نہیں ہے کہ تم خود تو مرغن گوشت اور پلاؤ اڑاتے رہو، اور بیوی دال دلیہ سے پیٹ بھرتی رہے۔ کھانے پینے کے معاملہ میں شوہر کو بیوی سے امتیاز نہ برتنا چاہیے۔

(۲) بیوی کو اس معیار کا لباس پہناؤ جس معیار کا لباس تم خود پہنتے ہو۔

(۳) "اس کی پٹائی نہ کرو" یہ بہت زیادتی اور گناہ کا کام ہے۔ بعض لوگ بیوی کو زدوکوب کر کے اپنی مردانگی کا رعب جمانا چاہتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے بالکل پسند نہیں کیا۔ بعض روایات میں ہے کہ "تم اس کے منہ پر نہ مارو" شرعاً بیوی کو زدوکوب کرنا جائز نہیں ہے الّا یہ کہ اس سے سرکشی کا اندیشہ ہو تو سمجھا بجھا کر اس کی اصلاح کی جائے۔ نہ مانے، تو شوہر خوابگاہ میں اس سے علیحدہ رہے۔ اگر یہ تدبیر مفید ثابت نہ ہو تو وہ اُسے مار بھی سکتا ہے۔ لیکن "اس کے منہ پر نہ مارے"۔ کیونکہ منہ نہایت لطیف اور نازک اعضاء پر محیط ہونے کی وجہ سے جسم کے دوسرے اعضاء سے زیادہ عظمت اور شرف کا حامل ہے۔

(۴) بیوی کا چوتھا حق یہ ہے کہ تم اسے بُرا نہ کہو۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ:

(الف) تم اسے رُسوا نہ کرو۔

(ب) اسے گالی نہ دو۔

(ج) اگر وہ خوبصورت نہ ہو تو اُسے بدصورت کہہ کر نہ پکارو۔

(د) اس طرز کی گالیوں سے بھی پرہیز کرو۔ مثلاً تیرا منہ کالا ہو، تو بڑی ذلیل عورت ہے، خدا تجھے بھلائی سے دور رکھے، اللہ تجھے خراب کرے۔

(ہ) عام لوگوں سے اس کی بُرائی بیان نہ کرو۔ اس کی غلطیوں کی تشہیر نہ کرو۔

بیوی کا نفقہ

(۳۶) دَخَلَتْ هِنْدُ بِنْتُ عُتْبَةَ اِمْرَأَةُ اَبِي سُفْيَانَ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ اَبَا سُفْيَانَ رَجُلٌ شَحِيْحٌ، لَا يُعْطِيْنِيْ مِنَ النَّفَقَةِ مَا يَكْفِيْنِيْ وَيَكْفِيْ بَنِيَّ اِلَّا اِلَّا مَا اَخَذْتُ مِنْ مَّالِهٖ بِغَيْرِ عِلْمِهٖ فَهَلْ عَلَيَّ فِيْ ذٰلِكَ مِنْ جُنَاحٍ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُذِيْ مِنْ مَالِهٖ بِالْمَعْرُوْفِ مَا يَكْفِيْكِ وَيَكْفِيْ بَنِيْكِ۔

(مسلم عن عائشہ کتاب الاقضیۃ، بخاری کتاب النفقات)

ابوسفیان کی بیوی ہند نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ابوسفیان بخیل آدمی ہیں۔ وہ مجھے اتنا نفقہ نہیں دیتے جو مجھے اور میرے بچّوں کو کفایت کرے۔ الّا یہ کہ میں ان کے علم کے بغیر ان کے مال سے لے لوں، کیا مجھے اس پر گناہ ہوگا۔؟ آپؐ نے فرمایا: تو دستور کے مطابق ان کے مال سے اتنا نفقہ لے لیا کر جو تجھے اور تیرے بچّوں کو کفایت کرے۔

تشریح: ابوسفیان کی بیوی "ہند" کو تاریخ میں خاص شہرت حاصل ہے۔ اس کا باپ عُتبہ ابن ربیعہ، اس کا چچا شیبہ بن ربیعہ اور اس کا بھائی ولید بن عتبہ ——— جو مشرکین مکّہ کے بڑے لیڈروں میں سے تھے ——— جنگ بدر ۲ھ میں مسلمانوں کے ہاتھوں جہنم رسید ہوتے۔ یہ حادثہ "ہند" کے لیے بے حد رنج کا موجب ہوا تھا اور اس پر بہت شاق گزرا۔ جب غزوۂ احد ۳ھ میں سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ

شہید ہوئے تو اس کی آتش انتقام بھڑک اٹھی۔ اس نے ان کا پیٹ چاک کر کے "جگر" نکالا۔ مارے غصے کے اُسے چبایا، اور پھر پھینک دیا۔ اور "جگر خوار" کے نام سے مشہور ہوئی۔ جب فتح مکہ (۸ھ) کے دن مسلمانوں نے ابو سفیان کو گرفتار کر لیا تو سیدنا عباسؓ نے اسے اپنی پناہ میں لے لیا۔ بالآخر اس نے اسلام قبول کر لیا۔ جب "ہند" کو اپنے شوہر کے اسلام کا پتہ چلا تو بپھری ہوئی آئی اور اس کی ڈاڑھی نوچ ڈالی، پھر جب مکہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت مستحکم ہوگئی تو اس نے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا اور بیعت کی۔

ابو سفیان حریص اور بخیل ہونے کی وجہ سے اپنے بال بچوں کو بہت ہی نپا تُلا نفقہ دیتے تھے جو ان کے لیے بالکل ناکافی ہوتا تھا۔ ہند کو اس کے سوا اور کوئی چارۂ کار نظر نہ آتا تھا کہ وہ اس کی اجازت اور علم کے بغیر اس کے مال سے مزید نفقہ لے کر گھر کے اخراجات کو پورا کرے۔ جب وہ مسلمان ہوگئی تو اس طرز عمل نے اس کے ذہن میں الجھن ڈال دی۔ اس الجھن کو لے کر وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کی حضور! ابو سفیان بخیل آدمی ہیں۔ ان کے دیے ہوئے نفقہ سے میری اور میرے بچوں کی ضروریات پوری نہیں ہوتیں الّا یہ کہ میں ان کے مال سے مزید نفقہ لے کر اس میں شامل نہ کر لوں۔ اور یہ کام میں ان کے علم کے بغیر کرتی ہوں۔ کیا مجھے اس پر گناہ ہوگا۔؟

آپؐ نے اس سے فرمایا: اگر تو معروف طریقہ سے ان کے مال سے مزید نفقہ لے کر گھر کے اخراجات کو پورا کرے تو جائز ہے۔

معروف طریقہ سے لینے کا مطلب یہ ہے کہ ایک غیر جانبدار آدمی کی نگاہ میں مال کی وہ مقدار معقول اور مناسب ہو۔

اس حدیث پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ:

(۱) شوہر پر بیوی کا نفقہ واجب ہے۔ اگر وہ پورا نفقہ نہ دے تو بیوی بھی اس کے مال سے اپنا خرچ پورا کر سکتی ہے۔

(۲) وہ اپنے شوہر کے مال سے اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے صرف اتنا نفقہ لے جو کسی غیر جانبدار آدمی کی نگاہ میں معقول اور مناسب ہو۔

(۳) نفقہ کی مقدار کے متعلق فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔حنفیہ کے نزدیک میاں بیوی (دونوں) کے معاشی حال کو ملحوظ رکھتے ہوئے بیوی کے نفقہ کا تعین کیا جائے۔شافعیہ کی رائے یہ ہے کہ اس معاملہ میں صرف شوہر کی معاشی حیثیت کے مطابق فیصلہ کیا جائے۔

(۴) چھوٹے، دائم المریض اور معذور بچوں کا نفقہ بھی باپ کے ذمہ واجب ہے۔

(۵) فقہاء نے اس سے یہ مسئلہ بھی اخذ کیا ہے کہ مفلس ماں باپ کا نفقہ بھی اس پر واجب ہے۔

(۶) بعض لوگ اپنی ذہنی افتاد کی بنا پر استطاعت کے باوجود فرض ادا کرنے سے مکر جاتے ہیں۔ اور بعض لوگ امانت اور ممتاز چیزوں کو ہڑپ کر جاتے ہیں۔بعض لوگ کمزوروں سے ان کی جائیداد چھین لیتے ہیں۔بہرحال کسی کا حق مارنے اور کسی کی جائیداد پر ناجائز قبضہ کرنے کی بہت سی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ان سب صورتوں میں اگر حقدار، ایسے ظالم اور غاصب سے اپنا حق وصول کرنے پر قادر نہ ہو اور کسی وقت ایسی صورت حال پیدا ہو جائے کہ ظالم اور غاصب سے اس کی اجازت اور اطلاع کے بغیر اپنا حق وصول کر سکتا ہو تو وہ لازماً وصول کرنے کی کوشش کرے۔

امام شافعی رحمہ اللہ نے مندرجہ بالا حدیث کی بنا پر اس کے جواز کا فتویٰ دیا ہے۔وہ کہتے ہیں کہ حقدار "صرف اپنا حق" وصول کرے تو یہ اس کے لیے جائز ہے۔ وہ اس پر اللہ کے ہاں گناہ گار نہیں ہے۔چاہے وہ مغصوبہ (چھینے ہوئے مال) کی جنس سے ہو یا نہ ہو۔

لیکن حنفیہ کے نزدیک مظلوم صرف اس صورت میں ظالم یا غاصب سے اپنا حق وصول کر سکتا ہے جب کہ وہ بعینہ مغصوبہ یا مقبوضہ سامان یا مال کے لینے پر قادر ہو، یا مغصوبہ مال کا ہم جنس ہو۔

مثلاً: زمین کی جگہ زمین، مکان کی جگہ مکان، گندم کے بدلے گندم اور گھڑی کے بدلے گھڑی پر قبضہ کر لینا جائز ہے۔لیکن گندم کے بدلے گھڑی پر قبضہ کرنا جائز نہ ہوگا کیوں کہ یہ اس کی ہم جنس نہیں ہے۔البتہ سونے اور چاندی کے متعلق ان کی رائے یہ ہے کہ یہ ایک دوسرے کی جگہ لے سکتے ہیں۔

ہمارے نزدیک امام شافعیؒ کی رائے قابلِ ترجیح ہے۔

مظلوم کو غاصب اور ظالم سے اپنا حق وصول کرنے میں یہ بات پیش نظر رکھنی چاہیے کہ وہ صرف اپنے حق تک محدود رہے۔

غصّہ اور انتقام کے جذبہ سے بے قابو ہو کر ایسا رویّہ اختیار نہ کرے کہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں اس کا شمار ظالموں اور غاصبوں میں ہو جائے۔

ان سب معاملات کا باقاعدہ احتساب ہونا ہے۔ اللہ کی عدالت میں کوئی ظالم اور غاصب بچ کر نہ جا سکے گا۔

اچھّا آدمی

(۳۷) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَیْرُکُمْ خَیْرُکُمْ لِاَھْلِہٖ وَ اَنَا خَیْرُکُمْ لِاَھْلِیْ وَاِذَا مَاتَ صَاحِبُکُمْ فَدَعُوْہُ۔

(ترمذی عن عائشہؓ ابواب المناقب)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے اچھا آدمی وہ ہے جو اپنے بال بچّوں کے ساتھ اچھّا برتاؤ کرتا ہے۔ میں اپنے گھر والوں کے ساتھ اچھّا برتاؤ کرنے میں تم سب سے بہتر ہوں۔ جب تمہارے (گھر کے کسی) فرد کو موت آئے تو اس کی برائیوں اور غلطیوں کا ذکر نہ کرو۔

تشریح: سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معاشرت میں حُسنِ اخلاق کی تعلیم دی ہے۔ آپؐ نے اس شخص کو بہترین آدمی قرار دیا ہے جو اپنے بیوی بچّوں اور رشتہ داروں کے ساتھ اچھّا برتاؤ کرتا ہے، اُن سے محبت اور خیرخواہی کا رویّہ اختیار کرتا ہے، ان کی بھلائی اور اصلاح کے لیے اپنی حد تک کوئی کسر اٹھا کر نہیں رکھتا۔

"بیوی سے اچھّا برتاو کرنے" کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس سے ہمدردی اور محبت کرے۔ اس کے جذبات کا احترام کرے، اس کی دلآزاری اور توہین سے اجتناب کرے، بے رُخی سخت کلامی اور دشنام طرازی سے اس کی عزّتِ نفس کو مجروح نہ کرے، اور اس پر نکتہ چینی نہ کرے، بلکہ اس کی ہر جائز خواہش اور معقول فرمائش کو پورا کرے، بشرطیکہ وہ اس کی استطاعت رکھتا ہو۔

کیونکہ جب ایک لڑکی، ماں باپ کے گھر سے شوہر کے گھر میں نئی زندگی کا آغاز کرتی ہے تو اُسے اس اجنبی ماحول میں شوہر کی محبت، تعاون اور غمگساری کی بہت ضرورت ہوتی ہے۔ وہ چاہتی ہے کہ اگر وہ بیمار پڑ جائے تو اس کی تیمارداری اور علاج ہو۔ اور ضرورت پڑنے پر گھر کے کام کاج میں اس کا ہاتھ بٹایا جائے۔ "بچوں سے اچھا برتاؤ کرنے کے معنی یہ ہیں کہ ان کی تعلیم و تربیت میں کوتاہی نہ کیجائے، انہیں اچھے اخلاق اور تہذیب سے آراستہ کیا جائے، ان کی بھلائی، خیرخواہی اور دینداری کے لئے کوشش کی جائے۔

"گھر کے دوسرے افراد اور رشتہ داروں سے اچھا رویہ اختیار کرنے" کا مفہوم یہ ہے کہ ان سے مروت سے پیش آئے، ان پر احسان کرے، ان کی کوتاہیوں سے درگزر کرے، اور ان کی بھلائی اور اصلاح کے لئے کوشش کرے۔

پھر آپؐ نے فرمایا:

"اپنے گھر والوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے میں میں تم سے بہتر ہوں۔"

یہ ایک مانی ہوئی حقیقت ہے کہ چشم فلک نے آپؐ جیسا "انسان کامل" کبھی نہیں دیکھا، تاریخ اور سیرت کا ریکارڈ گواہ ہے کہ حسن اخلاق میں زمانہ آپؐ کی نظیر پیش نہیں کرسکا۔ اور نسلِ انسانی کا کوئی فرد آپؐ کی بہترین معاشرت کو چیلنج نہیں کرسکا۔ آپؐ کے "خلقِ عظیم" کا مینار بہت اونچا ہے۔

آخر میں آپؐ نے فرمایا:

"کہ جب تمہارا ساتھی (یعنی کنبہ کا کوئی فرد) وفات پائے تو اس کی برائیوں اور غلطیوں کا ذکر نہ کرو۔"

مطلب یہ ہے کہ عالمِ برزخ میں پہنچ جانے والے کی غیبت نہ کرو کیونکہ وہ اپنے رب سے جاملا۔ خلقِ عظیم کے پیکر نے گھر والوں کے ساتھ "بہت اچھا برتاؤ کرنے" کی تلقین فرمائی ہے، چاہے وہ زندہ ہوں یا ان میں سے کسی کی وفات ہوجائے۔

بہترین شوہر

(۳۸) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَکْمَلُ الْمُؤْمِنِیْنَ اِیْمَانًا

اَحْسَنُهُمْ خُلُقًا وَخِيَارُكُمْ خِيَارُكُمْ لِنِسَائِهٖ۔

(ترمذی عن ابی ہریرہ۔ ابواب الرضاع مسند احمد ۷۳۹۶)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مؤمنوں میں سب سے زیادہ کامل مومن وہ ہے جس کے اخلاق بہتر ہیں۔ تمہارے بہترین لوگ وہ ہیں جو اپنی بیویوں سے اچھا برتاؤ کرتے ہیں۔

تشریح: بھلا آدمی اپنی بیوی سے بُرا برتاؤ نہیں کرتا اور "مؤمن کامل" بد اخلاق نہیں ہوتا۔ بعض دینداروں کے چہرے پر مسکراہٹ بھول کر بھی نہیں آتی، ان کی سنگدلی اور بے مروتی کو دیکھ کر سخت وحشت ہوتی ہے۔ کاش کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مندرجہ بالا ارشاد گرامی پر عمل کر کے اچھے اخلاق کے حامل بنتے اور اپنے ایمان کو مکمل کرنے کی کوشش کرتے۔

شوہر بیوی کا ہاتھ بٹائے

(۳۹) عَنِ الْاَسْوَدِ بْنِ يَزِيْدَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا مَا كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصْنَعُ فِي الْبَيْتِ؟ قَالَتْ: كَانَ فِيْ مَهْنَةِ اَهْلِهٖ فَاِذَا سَمِعَ الْاَذَانَ خَرَجَ۔ (بخاری کتاب النفقات، کتاب الاذان)

اسود بن یزید سے روایت ہے انہوں نے کہا: میں نے ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں کیا کام کرتے تھے؟ انہوں نے فرمایا: آپؐ ہمیشہ اپنے گھر والوں کی خدمت کرتے جب اذان سنتے تو (نماز ادا کرنے کے لیے) باہر تشریف لے جاتے۔

تشریح: ربِّ کائنات کا محبوب ترین رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)۔۔۔۔۔۔ جو کہ اسلامی ریاست کا صدر ہے، اپنے گھر میں کس سادگی اور تواضع سے رہتا ہے؟ آپؐ اپنے گھر میں اپنے ذاتی امور کو اپنے ہاتھ سے انجام دیتے اور اپنے گھر والوں کی خدمت میں مشغول رہتے۔ آپؐ کا یہ طرزِ عمل کبھی کبھار کا نہیں تھا، بلکہ آپؐ کا ہمیشہ سے یہ معمول تھا کہ گھر میں آتے ہی وہ سب کام کرتے جو عموماً لوگ گھروں میں کرتے ہیں۔ گھر کے کام کاج میں اپنی بیویوں کا ہاتھ بٹاتے، گھر کے جس فرد کو بھی تعاون کی ضرورت ہوتی آپؐ اس سے تعاون فرماتے، اگر آپؐ کے کپڑے کا بخیہ اُدھڑ گیا ہے تو اُسے اپنے دستِ مبارک سے سینے لگتے، اپنی بکری کا دودھ خود

دوہتے، پانی کے ڈول میں سوراخ ہو گیا ہے تو آپؐ اُسے پیوند لگاتے، اپنے جوتے کو اپنے ہاتھ سے سی لیتے لیکن اذان سنتے ہی نماز کے لیے اٹھ کھڑے ہوتے، سارے دھندوں کو چھوڑ چھاڑ کر اپنے آقا کے قدموں میں سجدہ کرنے کے لیے فوراً مسجد میں تشریف لے جاتے۔ اللہ کے نیک بندوں کا ہمیشہ سے یہ شیوہ رہا ہے کہ وہ اپنے گھر کے کام کاج میں اپنے بال بچوں کا ہاتھ بٹاتے رہے ہیں۔

اگر بیوی جسمانی کمزوری یا بیماری کی وجہ سے گھر کا کام نہ کر سکتی ہو تو اس سے ناراض ہونا یا اس پر دباؤ ڈالنا جائز نہیں ہے۔ شوہر کو اس کی مدد کرنی چاہیئے اور اس کا ہاتھ بٹانا چاہیئے۔

بیویوں کے درمیان عدل نہ کرنے کی سزا

(۴۰) عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا كَانَتْ عِنْدَ الرَّجُلِ امْرَأَتَانِ فَلَمْ يَعْدِلْ بَيْنَهُمَا جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَشِقُّهُ سَاقِطٌ۔

(ترمذی عن ابی ہریرۃ ابواب النکاح نسائی عشرۃ النساء)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب آدمی کی دو بیویاں ہوں اور وہ ان کے درمیان عدل نہ کرے تو وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کا آدھا بدن گرا ہوا ہوگا۔

تشریح: (۱) جاہلیت کے زمانہ میں آدمی بیسیوں عورتوں سے شادی کر سکتا تھا، نہ تو بیویوں کی تعداد پر قدغن تھی اور نہ ان کے حقوق کا تعین تھا۔ قرآن نے آکر بتایا کہ ایک شوہر کو بیک وقت زیادہ سے زیادہ چار عورتوں سے شادی کرنے کی "اجازت" ہے۔ یہ کوئی "حکم" نہیں ہے کہ لازماً ہر مسلمان چار عورتوں کا شوہر ہو، بلکہ یہ ایک اجازت ہے اس آدمی کے لیے جو خاندانی اور معاشرتی لحاظ سے ایک سے زیادہ عورتوں سے شادی کرنے پر مجبور ہو۔ اس کی کئی وجوہ ہو سکتی ہیں۔ مثلاً:

(الف) بعض لوگ صرف ایک بیوی پر قناعت نہیں کر سکتے۔ اگر وہ دوسری شادی نہ کریں تو بدکاری میں ان کے ملوث ہونے کا اندیشہ ہے۔

افسوس ہے کہ مغربی تہذیب کے پرستاروں نے تعددِ ازواج کو وحشیانہ اور غیر مہذّب فعل قرار دے رکھا ہے۔ ان کی نگاہ میں اگر آدمی نکاح کے بغیر عورتوں کی عصمت سے کھیلتا رہے تو قابلِ اعتراض نہیں ہے لیکن اگر وہ اپنی جنسی تسکین کے لیے دو تین عورتوں سے نکاح کر لے

تو ان کی تہذیب کا آسمان پھٹ جاتا ہے۔

(ب) بعض اوقات خاندان کی بیوہ خواتین کا مسئلہ حل نہیں ہو سکتا، اگر اس خاندان کے افراد دوسری شادی کرنے پر آمادہ نہ ہوں کیونکہ وہ اپنے خاندان سے باہر شادی کرنے پر آمادہ نہیں ہوتیں۔

(ج) یہ بھی ہوتا ہے کہ صاحبِ اولاد بیوہ یا مطلقہ اگر خاندان سے باہر شادی کرے گی تو اس کا غالب امکان ہے کہ اس کے بچوں کا مستقبل خراب ہو یا ان کی تعلیم اور تربیت کا خاطر خواہ انتظام نہ ہو سکے۔

اس کے علاوہ اور کئی اسباب ایسے ہو سکتے ہیں جن کی بنا پر ایک شریف آدمی، ایک سے زیادہ عورتوں سے شادی کرنے پر مجبور ہو سکتا ہے۔

(۲) ایک سے زیادہ عورتوں سے شادی کرنے کی اجازت صرف اس شخص کے لیے ہے جو اپنی بیویوں کے درمیان عدل کر سکتا ہو لیکن جس شخص کو یہ اندیشہ ہو کہ وہ ان کے درمیان عدل نہ کر سکے گا تو وہ صرف ایک بیوی پر قناعت کرے۔

فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَۃً۔ (النساء آیت ۳)

وہ شخص اسلامی قانون کا مذاق اڑاتا ہے جو تعددِ ازواج کی اجازت سے فائدہ اٹھا کر ایک سے زیادہ بیویوں سے شادی کرتا ہے، مگر ان میں سے بعض بیویوں کے حقوق ادا نہیں کرتا۔ شرعی عدالت ایسی مظلوم بیویوں کی حق رسی کا انتظام کرے گی ——— اسلامی معاشرت کی عمارت میں دراڑ پڑ جاتی ہے اس بُری رسم سے کہ متعدد بیویوں کا شوہر ایک بیوی کے ساتھ امتیازی برتاؤ کرے اور دوسری بیوی پر ظلم کرے اور ایسی بے رُخی اور بداخلاقی سے پیش آئے کہ وہ "معلّقہ" بن کر رہ جائے۔

وہ انسان بڑا ظالم ہے جو ایک سے زائد بیویوں کے درمیان عدل نہیں کرتا، ایک بیوی سے تو وہ برسوں تک بات نہیں کرتا لیکن اپنی چہیتی بیگم سے رات دن چمٹا رہتا ہے۔ بعض نادان لوگ دوسری شادی کے بعد اپنی پہلی بیوی کو آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے گویا کہ اس سے کبھی ازدواجی مراسم نہیں رہے، بلکہ اسے نان و نفقہ دینے میں بھی بے پروائی سے کام لیتے ہیں۔

مظلوم بیوی منکوحہ ہونے کی وجہ سے نہ تو کسی اور مرد سے نکاح کر سکتی ہے اور نہ اس کا شوہر اس کے معاشرتی حقوق ادا کرنے کے لئے تیار ہے، کیونکہ اس نے دوسری شادی رچالی ہے۔

قیامت کے دن ہر شخص اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھ لے گا کہ اس ظالم شوہر کا آدھا جسم معطل اور بیکار ہونے کی وجہ سے زمین کی طرف جھکا ہوا ہے اور گرا جا رہا ہے جیسا کہ اس نے دنیا میں اپنے جسم کے ایک حصے (بیوی) کو معطل اور بیکار بنا رکھا تھا اور اس کے حقوق کو ساقط کر رکھا تھا۔

بیویوں کے درمیان حضورؐ کا عدل

(۴۱) كَانَ عِنْدَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تِسْعٌ فَكَانَ يَقْسِمُ لِثَمَانٍ وَلَا يَقْسِمُ لِوَاحِدَةٍ۔ (مسلم عن ابن عباس کتاب الرضاع)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں نو بیویاں تھیں۔ آپؐ (اپنے قیام کے اوقات) آٹھ بیویوں کے درمیان تقسیم کرتے اور نویں بیوی کے لیے کوئی باری مقرر نہ تھی۔

تشریح: متعدد بیویوں کے شوہر ہونے کی حیثیت سے (آپؐ نے عدل کا ایک بہترین نمونہ امّت کے سامنے رکھ دیا ہے۔ آپؐ نے نفقہ حسنِ اخلاق اور معاشرت میں ایک بیوی کو دوسری بیویوں پر ترجیح نہیں دی۔ ہر بیوی کے ہاں ایک دن رات قیام کرنے کا فیصلہ فرمایا تھا۔ آپؐ نے آخر دم تک اپنے اس عمل کو برقرار رکھا۔

اس روایت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس دور کے طرز عمل کا ذکر ہے جبکہ آپؐ کے ہاں حسب ذیل بیویاں تھیں:

(۱) حضرت سودۃ بنت زمعۃ رضؓ

(۲) حضرت عائشۃ بنت ابی بکر الصدیق رضؓ

(۳) حضرت حفصۃ بنت عمر بن الخطاب رضؓ

(۴) حضرت ام سلمۃ بنت ابی امیہ رضؓ

(۵) حضرت زینب بنت جحش رضؓ

(۶) حضرت جویریہ بنت الحارثؓ
(۷) حضرت ام حبیبہ بنت ابی سفیانؓ
(۸) حضرت صفیہ بنت حییؓ
(۹) حضرت میمونہ بنت الحارثؓ

آپؐ آٹھ بیویوں میں سے ہر ایک کے ہاں ایک خاص ترتیب کے ساتھ باری باری قیام فرماتے۔ البتہ نویں بیوی حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے ہاں قیام نہ فرماتے۔ سن رسیدہ ہونے کے علاوہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشنودی کی خاطر اپنی باری کے اوقات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو تفویض کر دیے تھے۔ اس لیے آپؐ ہر بیوی کے ہاں صرف ایک دن رات قیام فرماتے، اور حضرت عائشہؓ کے ہاں دو شبانہ روز قیام رہتا۔

بیویوں کے درمیان عدل کرنے کے اصول کی پابندی آپؐ نے وفات سے پہلے اپنے مرض کے دوران بھی برقرار رکھی۔ آپؐ کا دل تو چاہتا تھا کہ آپؐ اپنی بیماری کے دنوں میں حضرت عائشہؓ کے گھر میں رہیں لیکن عدل کا قانون مانع تھا اس لیے آپؐ روزانہ دریافت فرماتے کہ مجھے کل کہاں جانا ہے؟ مجھے کل کہاں جانا ہے؟ ازواجِ مطہرات نے ان حالات میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے دل پسند گھر میں رہنے کی اجازت دے دی، پھر آپؐ نے حضرت عائشہؓ کے گھر میں قیام فرمایا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو اپنے ہاں بلا لیا۔

متعدد روایات سے ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی بیویوں میں سب سے زیادہ پیار اور الفت حضرت عائشہؓ سے تھی۔ قرب و جوار کے لوگوں کے علاوہ خود ازواجِ مطہرات کو بھی آپؐ کے اس قلبی رجحان کا علم اور احساس تھا۔ آپؐ اپنی بیویوں کے درمیان عملاً عدل کا برتاؤ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے درخواست کرتے کہ:

اے اللہ! میں اپنی استطاعت کی حد تک تو ان کے درمیان عدل کرتا ہوں۔ نفقہ، شب باشی اور حسن معاشرت میں ایک بیوی کو دوسری بیوی پر ترجیح نہیں دیتا لیکن جو چیز میرے اختیار میں نہیں ہے اور وہ تیرے قبضہ میں ہے (یعنی قلبی محبت)

تو اس پر مجھ سے مؤاخذہ نہ فرما۔

اس سے ثابت ہوا کہ متعدد بیویوں کا شوہر اگر اپنی سب بیویوں کے درمیان عدل کرنے کے باوجود ایک بیوی سے بہت زیادہ محبت کرتا ہو تو وہ گنہگار نہیں ہے۔ رہا یہ یہ سوال کہ قرآن نے تو ایک شخص کو زیادہ سے زیادہ صرف چار عورتوں سے شادی کرنے کی اجازت دی ہے لیکن اس روایت کی رو سے آپؐ کے ہاں ایک ہی وقت میں نو بیویاں تھیں۔؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ جس خُدا نے عام لوگوں کے لئے صرف چار عورتوں سے نکاح کرنے کی اجازت دی ہے اس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس تحدید سے مستثنیٰ قرار دیا ہے کیونکہ آپؐ کو دین کی دعوت و تبلیغ اور اقامت کا جو عظیم الشان کام سپرد کیا گیا تھا اس کا تقاضا تھا کہ آپؐ زیادہ سے زیادہ خواتین کو زوجیت کا شرف عطا فرما کر اس کارِ عظیم میں شریک کریں۔ یہی وجہ ہے کہ ازواجِ مطہرات نے آپؐ کی ازدواجی زندگی کے کسی گوشہ پر پردہ ڈالنے کی کوشش نہیں کی، بلکہ خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چاہا تھا کہ شوہر اور گھر کے ذمّہ دار منتظم کی حیثیت سے آپؐ کا طرزِ عمل کھُلی کتاب کی طرح لوگوں کے سامنے آئے کیونکہ آپؐ زندگی کے تمام شعبوں کی طرح "معاشرت" میں بھی قیامت تک امامت اور راہنمائی کے ذمہ دار ہیں۔ آپؐ کی گھریلو زندگی "حسن معاشرت" کا بے مثال شاہکار ہے۔ انسانی تاریخ نے رحمدلی، غمگساری، ہمدردی، رواداری اور خوش اخلاقی کے اعتبار سے ایسا "مثالی شوہر" نہیں دیکھا۔

شوہر راضی، بیوی جنت میں

(۴۲) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّمَا امْرَأَةٍ مَاتَتْ وَزَوْجُهَا عَنْهَا رَاضٍ دَخَلَتِ الْجَنَّةَ۔ (ترمذی عن ام سلمۃ ابواب الرضاع)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس عورت کی وفات کے وقت اس کا شوہر اس سے راضی ہے وہ بہشت میں جائے گی۔

تشریح: بیوی کو کوئی ایسا رویّہ اختیار نہ کرنا چاہیے جس سے اس کا شوہر ناراض ہو وہ اپنی گھریلو ذمّہ داریوں کو اس خوبی کے ساتھ نبھانے کی کوشش کرے کہ جب اس کی وفات ہو

توشوہر خلوص دل سے اس کے حق میں کلمۂ خیر کہے اور اس کی جُدائی کے صدمہ کو محسوس کرے۔

شوہر کا بیوی پر یہ حق ہے کہ وہ ہر معاملہ میں اس کی رائے کا احترام کرے اور اس کی فرمانبرداری کرے۔ الاّ یہ کہ وہ اپنی بیوی سے گناہ کا مطالبہ کرے اور اُسے بُرائی کی دعوت دے۔

وہ عورت بالکل مجرم نہیں ہے جو اپنے شوہر کی دعوتِ گناہ کو ٹھکرا دیتی ہے حقیقت یہ ہے کہ عورت ہو یا مرد، اس کی غیر مشروط اطاعت کا مرکز صرف "اللہ" ہے۔ اللہ اور رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اطاعت سے بے نیاز ہو کر کسی انسان کی غیر مشروط اطاعت اور اتباع جائز نہیں ہے، چاہے وہ شوہر ہو یا باپ۔

شوہر کا احترام

(۴۳) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْكُنْتُ اٰمُرُ اَحَدًا اَنْ يَّسْجُدَ لِاَحَدٍ لَاَمَرْتُ الْمَرْأَةَ اَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِهَا۔

(مشکوٰۃ عن ابی ہریرۃ کتاب النکاح بحوالہ ترمذی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! اگر (میں اللہ کے سوا، خلق میں سے) کسی کے لیے سجدہ کرنے کا حکم دینا چاہتا تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔

تشریح: اس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ بیوی کو اپنے شوہر کے احترام کرنے میں بالکل کوتاہی نہ کرنی چاہیے۔ غیر اللہ کو سجدہ کرنا حرام ہے چاہے سجدۂ عبادت ہو یا سجدۂ تعظیم۔ کسی سردار، پیر اور بادشاہ کو تعظیم اور احترام کی نیت سے سجدہ کرنا ناجائز اور حرام ہے۔

نافرمان بیوی ملعون ہے

(۴۴) عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا دَعَا الرَّجُلُ اِمْرَأَتَهٗ اِلٰى فِرَاشِهٖ فَاَبَتْ اَنْ تَجِيْئَ لَعَنَتْهَا الْمَلٰٓئِكَةُ حَتّٰى تُصْبِحَ۔

(بخاری عن ابی ہریرۃ کتاب النکاح، مسلم کتاب النکاح)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب آدمی اپنی بیوی کو اپنے بستر پر بُلائے اور وہ (کسی عذرِ شرعی کے بغیر) آنے سے انکار کر دے تو فرشتے صبح تک اس پر لعنت کرتے رہتے ہیں۔

تشریح: ایک اور روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "قسم ہے اس

ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے جو عورت اپنے شوہر کے بُلاوے پر اس کے بستر پر نہیں جاتی اس پر اللہ کا غضب مسلّط ہو جاتا ہے یہاں تک کہ اس کا شوہر اس (کو معاف کردے اور اس) سے راضی ہو جاتے۔" (مسلم کتاب النکاح)

اس کا مطلب یہ ہے کہ تعلق زن وشو کے معاملہ میں بیوی کو شوہر کے جذبات کا احترام کرنا چاہیے۔ اگر کسی معقول عذر کے بغیر وہ اس سے جسمانی رابطہ قائم کرنے سے انکار کردے تو وہ اللہ اور اس کے فرشتوں کی لعنت کی مستحق ہو جائے گی جس عورت سے اس کا شوہر راضی ہے اللہ بھی اس سے خوش اور راضی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں وہ عورت اچھی نہیں ہے جو اپنی غلط روی اور کج ذہنی سے اپنے شوہر کو پریشان کرتی رہتی ہے۔

"شوہر کی نافرمانی" اتنا بڑا سنگین جُرم ہے کہ جو عورت اس کا ارتکاب کرتی ہے وہ اللہ کے غضب اور فرشتوں کی پھٹکار کی مستحق ہو جاتی ہے۔

بیوی پر شوہر کے تین حقوق

(۴۵) اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا یَحِلُّ لِلْمَرْأَةِ اَنْ تَصُوْمَ وَزَوْجُهَا شَاهِدٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ وَلَا تَاْذَنَ فِیْ بَیْتِهٖ اِلَّا بِاِذْنِهٖ، وَمَا اَنْفَقَتْ مِنْ نَفَقَةٍ مِنْ غَیْرِ اَمْرِهٖ فَاِنَّهٗ یُؤَدّٰی اِلَیْهِ شَطْرُهٗ۔ (بخاری کتاب النکاح عن ابی ہریرۃ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بیوی کے لیے حلال نہیں ہے کہ وہ شوہر کی موجودگی میں اس کی اجازت کے بغیر (نفلی) روزے رکھے اور اس کی اجازت کے بغیر کسی کو گھر میں آنے دے۔

وہ شوہر کے حکم کے بغیر جو کچھ خرچ کرتی ہے اس کا آدھا اجر اس کے شوہر کو ملے گا۔

تشریح: اس حدیث میں بیوی پر شوہر کے تین حقوق بیان کیے گئے ہیں:

(۱) اگر شوہر گھر میں موجود ہو تو وہ اس کی اجازت کے بغیر نفلی روزے نہ رکھے۔

(۲) وہ شوہر کی رضامندی اور اجازت کے بغیر اپنے گھر میں کسی کو نہ آنے دے۔ چاہے وہ

مرد ہو یا عورت۔ جن عورتوں اور مردوں کا گھر میں آنا شوہر کی نگاہ میں ناگوار ہو، بیوی ان کو گھر میں آنے کی اجازت نہ دے، کیونکہ اس سے تلخی پیدا ہوگی، اس فتنہ سے گھر کا سارا نظام درہم برہم ہو سکتا ہے۔

(۳) وہ شوہر کی اجازت کے بغیر اس کے مال سے جو صدقہ خیرات کرے گی اس کا آدھا اجر بیوی کو اور آدھا اجر شوہر کو ملے گا۔ یہ اس صورت میں ہے جبکہ وہ فقیروں اور سائلوں کو کھانے کی معمولی مقدار دے یا ہمسایوں، رشتہ داروں اور سہیلیوں کو ایسی چیزیں تحفہ میں دے جن کو زیادہ عرصہ تک رکھنے سے ان کے خراب اور ضائع ہونے کا اندیشہ ہو مثلاً: پکا ہوا کھانا، سبزی ترکاری، دودھ اور تازہ پھل وغیرہ۔ عرفِ عام میں اس طرح کے صدقہ خیرات اور فیّاضی کو اچھے اخلاق میں شمار کیا جاتا ہے۔ گھر والوں کا یہ رویّہ کسی بھلے آدمی کی نگاہ میں قابلِ اعتراض نہیں ہوتا، بلکہ اللہ تعالیٰ اسے اس کا اجر عطا فرماتا ہے کیونکہ وہ خرچ ہونے والے مال اور اشیاء کا مالک ہے اور بیوی کو خرچ کرنے کی وجہ سے آدھا اجر ملے گا۔

ہاں، قابلِ لحاظ مالیت کا سامان یا نقدی صدقہ خیرات میں دینا ہو، یا کسی کو ہدیہ اور تحفہ دینا ہو تو بیوی کو شوہر سے اس کے لیے اجازت حاصل کرنی چاہیئے کیونکہ وہ شوہر کی جائیداد کی امین اور نگراں ہے۔ اس کی اجازت اور مرضی کے بغیر وہ اپنے کسی عزیز اور سہیلی کو کسی قسم کا ہدیہ یا تحفہ دینے کی مجاز نہیں ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

لَا تَجُوْزُ لِامْرَأَةٍ عَطِيَّةٌ اِلَّا بِاِذْنِ زَوْجِهَا۔

(ابوداؤد عن عبداللہ بن عمر کتاب البیوع)

کسی عورت کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر کسی کو عطیہ دے۔

بلکہ اس سے بھی زیادہ وضاحت کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجۃ الوداع کے خطاب میں اصولی بات ارشاد فرمائی کہ:

لَا تُنْفِقُ الْمَرْأَةُ شَيْئًا مِنْ بَيْتِهَا اِلَّا بِاِذْنِ زَوْجِهَا۔

(ابوداؤد عن ابی امامہ کتاب البیوع، ترمذی ابواب الوصایا)

عورت اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر اپنے گھر سے کچھ خرچ نہ کرے۔

عملاً یہ تو دشوار ہے کہ وہ ہر چھوٹی بڑی چیز کے عطیہ، خیرات یا تحفہ اور مہمان نوازی کے لیے اجازت لیتی پھرے۔ اس کا معروف طریقہ یہ ہے کہ وہ اصولاً اس طرح کے اخراجات کے لیے فی الجملہ شوہر کی رضامندی اور اجازت حاصل کرلے، پھر جس مد میں جتنا خرچ اُٹھے اس کو اس سے آگاہ کردے۔ صدقہ خیرات کرنے یا ہدیہ تحفہ دینے میں بیوی کو ایسی روش اختیار نہ کرنی چاہیے جو پورے گھر کی معیشت کو لے ڈوبے، اور آمدنی و خرچ کا توازن بگڑ جائے۔

نیک بیوی

(۴۶) اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلدُّنْیَا مَتَاعٌ وَ خَیْرُ مَتَاعِ الدُّنْیَا اَلْمَرْأَۃُ الصَّالِحَۃُ۔

(مسلم عن عبداللہ بن عمرو۔ کتاب الرضاع۔ نسائی کتاب النکاح)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دنیا "متاع" ہے۔ اور اس کی بہترین متاع نیک بیوی ہے۔

تشریح: "متاع" اس سامان کو کہتے ہیں جس سے ایک خاص وقت تک فائدہ اٹھایا جائے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے "دنیا کی زندگی" کو اس معنی میں "متاع" قرار دیا ہے کہ آدمی اس سے مستفید ہوتا ہے اور نفع اٹھاتا ہے لیکن یہ استفادہ ہمیشہ برقرار نہیں رہتا، بلکہ رُک جاتا ہے۔

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ دنیا کے اسباب اور سامان سے استفادہ کیا جاتا ہے اور نفع اٹھایا جاتا ہے۔ لوگ اپنی محدود اور مستعار زندگی میں اس کی نعمتوں اور مسرتوں سے لطف اندوز ہوتے رہتے ہیں۔ یہ سلسلہ ہمیشہ جاری نہیں رہتا بلکہ ختم ہوجاتا ہے۔ بہر حال دنیا میں اسباب اور سامان زندگی سے ہمیشہ نہیں بلکہ ایک مدّت تک فائدہ اُٹھایا جاسکتا ہے لیکن سب سے بہتر سامانِ زندگی اور مفید سبب، نیک بیوی ہے۔ دنیا کی محدود اور متعین مدّت میں شوہر کو نیک بیوی کی رفاقت سے اطمینان، سکون اور راحت کی نعمت میسّر آتی ہے۔ وہ گھر کو خوشی، نیکی اور آرام سے معمور کردیتی ہے۔ وہ نہ تو تنگدستی کے دور میں گھبراتی ہے اور نہ خوش حالی میں اتراتی ہے۔ وہ ہر حال میں اپنے شوہر کی ڈھارس بندھاتی ہے۔ ایسی سنجیدہ خوش اخلاق اور سمجھ دار بیوی پر مکمل اعتماد کرکے وہ پوری یکسوئی سے اللہ تعالیٰ

کے فضل (رزق حلال) کی تلاش میں مصروف ہوجاتا ہے۔ دین اسلام پر عمل کرنے اور لوگوں کو اس کی طرف دعوت دینے کے کام میں وہ اس سے تعاون کرتی ہے۔

اگر بیوی بدمزاج، کج خلق اور زبان دراز ہو تو شوہر کا سکون برباد ہوجاتا ہے اور خانگی زندگی فساد اور انتشار کا شکار ہوجاتی ہے۔

بہتر بیوی کی صفات

(۴۷) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قِیْلَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَیُّ النِّسَاءِ خَیْرٌ؟ قَالَ الَّذِیْ تَسُرُّهُ اِذَا نَظَرَ وَتُطِیْعُهُ اِذَا اَمَرَ وَلَا تُخَالِفُهُ فِیْمَا یَکْرَهُ فِیْ نَفْسِهَا وَمَالِهٖ۔

(مسند احمد نمبر ۷۴۱۵۔ نسائی کتاب النکاح)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کون سی بیوی بہتر ہے؟ آپؐ نے فرمایا:

(الف) شوہر جب اس کو دیکھے تو وہ اُسے خوش کردے۔

(ب) جب وہ اُسے حکم دے تو اس کی اطاعت کرے۔

(ج) اس کے مال اور اپنی عصمت کے معاملہ میں وہ ایسا رویہّ اختیار نہ کرے جو شوہر کو ناگوار ہو۔

تشریح: بہترین بیوی کی یہ تین صفات، ازدواجی زندگی کو کامیاب بنانے کے لئے بنیادی حیثیت رکھتی ہیں:

(الف) وہ خندہ پیشانی، مسکراہٹ اور محبّت سے اپنے شوہر کا استقبال کرتی ہے۔ لباس، رہن سہن اور معاشرت میں ان طور طریقوں کو اپناتی ہے جس سے اس کا شوہر خوش ہو۔ اپنے حسنِ اخلاق سے اُسے مسرور اور مطمئن کردیتی ہے۔ اس کے لئے زیادہ سے زیادہ جاذب توجّہ اور دلکش بن کر رہنے کی کوشش کرتی ہے۔

(ب) اپنے شوہر کے ہر حکم کی خوش دلی کے ساتھ اطاعت کرتی ہے۔ اس کے ذوق اور پسند کے مطابق گھر کا نظام سنبھال لیتی ہے۔ زندگی کے کسی مرحلہ پر اُسے شکایت کا

موقع نہیں دیتی۔ وہ سراپا پیکر تسلیم ومحبت بن کر "گلستان حیات" کی بہار بن جاتی ہے۔

لیکن ایک اصولی بات ہمیشہ ذہن میں رہے کہ بیوی پر اپنے شوہر کی اطاعت سے زیادہ اہم اللہ کی اطاعت ہے اگر شوہر:

- خدا کی نافرمانی اور گناہ کا حکم دے
- یا خدا کے حکم سے باز رکھنے کی کوشش کرے
- یا فحاشی، عریانی اور بے حیائی کی دعوت دے

تو مسلمان بیوی کا فرض ہے کہ کسی تأمّل کے بغیر اس کی بات ماننے سے انکار کر دے۔

(ج) وہ اپنی ذات کے معاملہ میں شوہر کے جذبات کا احترام کرتی اور پاک دامن رہتی ہے۔ میل ملاپ اور آمد ورفت میں اس کی مرضی کو ملحوظ رکھتی ہے۔ گھریلو اور ذاتی اخراجات کے لئے اس کی اجازت اور رضامندی کے بغیر ایک پیسہ بھی خرچ نہیں کرتی۔ اس کی جائداد کو نہ تو وہ ضائع کرتی ہے اور نہ اس میں خیانت کرتی ہے۔ اس کی عدم موجودگی میں بھی اس کے مال، گھر اور اپنے ناموس کی حفاظت کرتی ہے۔ اور بچوں کی تعلیم اور تربیت کی نگراں ہوتی ہے۔

معیاری بیوی

(۴۸) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْمَرْأَۃُ اِذَا صَلَّتْ خَمْسَہَا وَصَامَتْ شَہْرَہَا وَاَحْصَنَتْ فَرْجَہَا وَاَطَاعَتْ بَعْلَہَا فَلْتَدْخُلْ مِنْ اَیِّ اَبْوَابِ الْجَنَّۃِ شَآءَتْ۔

(مشکوٰۃ عن انس کتاب النکاح بحوالہ ابی نعیم فی الحلیۃ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عورت جبکہ (ایامِ طہارت میں روزانہ) پانچ نمازیں ادا کرے۔ اور (ہر سال) ماہ رمضان کے روزے رکھے اور اپنی عصمت کی حفاظت کرے اور اپنے شوہر کی اطاعت کرے تو وہ (قیامت کے دن) بہشت کے جس دروازے سے چاہے داخل ہو۔

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جس خاتون میں یہ چار صفتیں پائی جائیں اُسے جنت میں جاتے

سے کوئی چیز نہیں روک سکتی۔

قریشی خواتین کی خوبیاں

(۴۹) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرُ نِسَاءٍ رَكِبْنَ الْإِبِلَ صَالِحُ نِسَاءِ قُرَيْشٍ اَحْنَاهُ عَلٰى وَلَدٍ فِيْ صِغَرِهٖ وَاَرْعَاهُ عَلٰى زَوْجٍ فِيْ ذَاتِ يَدِهٖ۔

(مسلم عن ابی ہریرۃ کتاب الفضائل۔ بخاری کتاب النکاح)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عرب عورتوں میں سب سے اچھی، قریش کی عورتیں ہیں۔ چھوٹے بچے پر بہت مہربان اور شوہر کے مال کی بہت زیادہ حفاظت کرنے والی ہیں۔

تشریح: عرب عورتیں مجموعی حیثیت سے اگرچہ اچھی ہیں لیکن ان میں بہترین، خاندانِ قریش کی عورتیں ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ:

قریشی عورت چھوٹے بچے سے بہت پیار اور شفقت کرتی ہے۔ اس کی تعلیم اور تربیت کا خاص طور پر خیال رکھتی ہے یہاں تک کہ اگر وہ بیوہ ہو جائے تو اپنے بچے کی خدمت، تعلیم اور تربیت کو شادی پر ترجیح دیتی ہے۔ وہ ایک معاملہ فہم امین کی طرح شوہر کی آمدنی اور جائداد کی حفاظت کرتی ہے۔ وہ غیر ضروری، بے ہودہ اور نمود و نمائش کے کاموں پر روپیہ برباد نہیں کرتی۔ گھر کے روزمرّہ اخراجات میں وہ ہمیشہ اعتدال اور ضرورت کو ملحوظ رکھتی ہے۔ ان دو وجوہ کی بنا پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کی خواتین کو بہترین عورتیں قرار دیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اچھی اور معقول بیوی کو ان دو صفتوں کا حامل ہونا چاہیے۔

۱۔ بچوں کی تربیت اور تعلیم سے بے حد دلچسپی

۲۔ گھر کی معیشت کو مستحکم بنانے کی کوشش۔

رشحات

تمدّن کی ترقی کا انحصار خاندانی زندگی کے استحکام پر ہے۔ خاندان کا نظام اس وقت تک مستحکم نہیں ہو سکتا جب تک شوہر بیوی کے اور بیوی شوہر کے حقوق ادا نہ کرے۔ اس سلسلہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض ارشادات کا خلاصہ یہ ہے کہ:

اللہ تعالیٰ قیامت کے دن شوہر سے بیوی کے اور بیوی سے شوہر کے حقوق کے بارے میں احتساب فرمائے گا۔ اور ان میں سے جو ظالم ہو گا وہ سزا پا کر رہے گا۔

شوہر پر بیوی کے حقوق یہ ہیں کہ:

وہ اپنی استطاعت کے مطابق اس کے کھانے، لباس اور دوسری ضروریاتِ زندگی مہیّا کرنے کا ذمّہ دار ہے۔ وہ کھانے اور لباس میں بیوی پر اپنے آپ کو ترجیح نہ دے۔ اُسے وہ کھلائے جو وہ خود کھاتا ہے، اور اُسے وہ لباس پہنائے جو وہ خود پہنتا ہے۔

شوہر پر بیوی کا نفقہ واجب ہے۔ نفقہ، شوہر اور بیوی کی معاشی حالت کے مطابق متعین ہونا چاہیے۔ اگر شوہر بیوی کو تھوڑا نفقہ دے تو وہ اس کے مال سے اس کی اجازت اور اطلاع کے بغیر کمی پوری کر سکتی ہے۔

اگر بیوی بیمار یا کمزور ہونے کی بنا پر گھر کا کام کاج نہ کر سکتی ہو تو اس سے تعاون کرے۔ بیوی سے حسنِ سلوک کرے۔ اس کی کوتاہیوں سے درگزر کرے۔ اور اس سے نرمی کا برتاؤ کرے۔ اُسے رُسوا نہ کرے اور اُسے گالی نہ دے۔ اُس کی پٹائی نہ کرے الّا یہ کہ وہ سرکش ہو، اور پٹے بغیر اس کی اصلاح کی توقع نہ ہو لیکن اس کو زدوکوب کرنے میں اس بات کا خیال رکھے کہ اس کے چہرے پر نہ مارے، اور اُسے مجروح نہ کرے۔

اگر بیویاں ایک سے زیادہ ہوں تو ان کے درمیان عدل کرے ورنہ قیامت کے دن اس کا آدھا بدن مفلوج ہو گا۔

بچوں کی شادی کے سلسلہ میں اس سے مشورہ لے لیا کرے۔

اگر وہ خوبصورت نہ ہو تو اس سے نفرت کرے نہ اس پر طنز کرے بلکہ اس کی دوسری خوبیوں پر نگاہ رکھے۔

بیوی پر "شوہر کے حقوق" یہ ہیں کہ:

وہ اس کے لئے کھانا تیار کرے، اس کے گھر کو صاف ستھرا رکھے، کپڑے دھوئے اور گھر کے سامان کو سلیقہ سے رکھے۔

وہ اپنے شوہر کا احترام کرے، اور مرتے دم تک اس کو راضی رکھنے کی کوشش کرتی رہے۔ جب شوہر اس کی طرف دیکھے تو وہ اُسے خوش کر دے۔ جب وہ اُسے حکم دے تو اس کی اطاعت کرے، اِلاّ یہ کہ وہ اُسے گناہ کرنے کا حکم دے۔

اپنی عفت کی حفاظت کرے۔

جو عورت روزانہ پانچ وقت کی نماز ادا کرتی ہے، ہر سال رمضان کے مہینہ میں روزے رکھتی ہے، اور اپنی عصمت کی حفاظت کرتی ہے، اور اپنے شوہر کی اطاعت کرتی ہے وہ لازماً جنّت میں جائے گی۔ اور نافرمان بیوی ملعون ہے۔

شوہر کی اجازت کے بغیر اس کے لئے نفلی روزے رکھنا، کسی کو گھر میں آنے دینا اور اس کے مال سے خرچ کرنا جائز نہیں ہے۔

باب اوّل

(۴)

اولاد کے حقوق

بچّے کے کان میں اذان دینا

(۵۰) عَنْ اَبِی رَافِعٍ قَالَ رَأَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَذَّنَ فِیْ اُذُنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِیٍّ حِیْنَ وَلَدَتْہُ فَاطِمَۃُ بِالصَّلٰوۃِ۔

(ترمذی ابواب الاضاحی، ابوداؤد کتاب الادب)

ابورافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا جس وقت حضرت فاطمہؓ نے حسنؓ بن علیؓ کو جنا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حسن بن علیؓ کے کان میں اذان دیتے دیکھا ہے جس طرح نماز سے پہلے اذان دی جاتی ہے۔

تشریح: سیّدنا حسین بن علیؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف یہ بات منسوب کی ہے "کہ جس بچے کی پیدائش پر اُس کے دائیں کان میں "اذان" اور بائیں کان میں "اقامت" کہی جائے تو اُسے ام الصّبیان نقصان نہیں پہونچائے گی۔

(الجامع الصغیر بحوالہ مسند ابویعلیٰ الموصلی)

نومولود کے کان میں اذان دینے اور اقامت کہنے سے مقصود یہ ہے کہ اُسے سب سے پہلے اللہ پر ایمان لانے کی دعوت دی جائے اور اُسے بتادیا جائے کہ مؤمن ہونے کی حیثیت سے تونے اسلام کے سب سے بڑے اور اہم رُکن نماز کو بھی قائم کرنا ہے۔

بچے کی ولادت کے بعد اس کے دائیں کان میں اذان دینا اور بائیں کان میں اقامت کہنا مسنون ہے۔

عقیقہ

(۵۱) عَنْ سَلْمَانَ بْنِ عَامِرٍ الضَّبِیِّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَعَ الْغُلَامِ عَقِیْقَۃٌ فَاَھْرِیْقُوْا عَنْہُ دَمًا وَاَمِیْطُوْا عَنْہُ الْاَذٰی۔ (بخاری کتاب العقیقہ، ابوداؤد کتاب الضحایا):

سلمان بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے سُنا ہے کہ ولادت کے بعد بچے کا عقیقہ ہونا چاہیے پس تم اس کی طرف سے جانور کا خون بہاؤ اور اس سے پلیدی دور کرو۔

تشریح: بچّے کے سر پر پیدائش کے وقت جو بال ہوتے ہیں اُسے "عقیقہ" کہتے ہیں، پھر اس کا اطلاق اس جانور پر ہونے لگا جسے سر کے بال مونڈتے وقت بچّے کی طرف سے ذبح کیا جائے۔

جاہلیت کے زمانہ میں عرب اپنے بچّوں کا عقیقہ کرتے تھے۔ یہ ان کی روایات کا ایک اہم ستون تھا۔

ان کے نزدیک اس کی ایک نہایت خاص وجہ یہ تھی کہ عقیقہ کرنے سے بچّے کا نسب مشہور ہو جائے گا۔ یہ اس بات کی علامت ہے کہ باپ نے عقیقہ کرکے اس بچے کو بڑی خوشی سے نہ صرف یہ کہ اپنا بیٹا تسلیم کرلیا ہے، بلکہ اس نے اپنی برادری اور حلقہ تعارف میں اس لڑکے کے صحیح النسب اور حلال زادہ ہونے کا اعلان بھی کیا ہے۔

اور اس کی دوسری وجہ یہ تھی کہ جس شخص کے گھر لڑکا پیدا ہوا ہے وہ کوئی کنجوس اور بخیل آدمی نہیں ہے بلکہ بڑا کشادہ دل اور سخی ہے۔ اس نے اپنے لختِ جگر کی پیدائش پر بکری ذبح کرکے اپنی فیاضی کا مظاہرہ کیا ہے۔ اس سے معاشرہ میں حرص اور بخل کے جذبہ کی رُسوائی ہوتی ہے اور سخاوت و فیاضی کی صفت کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔

تیسری وجہ یہ تھی کہ نصاریٰ کے یہاں جب کوئی بچہ پیدا ہوتا تو وہ اُسے زرد رنگ میں بپتسمہ دے کر کہتے یہ عیسائی ہو گیا ہے۔

عرب اپنی ساری گمراہیوں اور خرابیوں کے باوجود اپنے تئیں سمجھتے تھے کہ:

۱۔ وہ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ کی سنت پر ہیں۔ اور:

۲۔ نصاریٰ کے مقابلہ میں سیّدنا ابراہیم علیہ السّلام کے پیروکاروں کو بھی ایسا رویّہ اختیار کرنا چاہیے جس سے پتہ چلے کہ بچہ حنیف ہے، اور ابراہیم علیہ السّلام کے طریقہ پر ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے اللہ کی راہ میں اپنے بیٹے اسماعیل کو ذبح کرنے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے اسماعیل کے بدلے ذبح کرنے کے لئے ایک دُنبہ عطا فرمایا اور آپ نے اُسے ذبح کیا۔ اور حج جیسی نہایت اہم اور بنیادی عبادت بھی ان کی یادگار ہے جس میں جانور ذبح کرنے اور سر کے بال منڈانے کا عمل ہوتا ہے۔ اس لئے عرب، بچے کی

پیدائش پر اس کے سر کے بال مونڈتے اور بکری ذبح کرتے ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف یہ کہ عرب کی اس قدیم رسم کو برقرار رکھا بلکہ آپؐ نے خود اس پر عمل کیا اور لوگوں کو اس کی ترغیب دی ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی کا مطلب یہ ہے کہ جب بچّہ پیدا ہو اس کا عقیقہ ہونا چاہیے ۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ اس کی طرف سے اللہ کے نام پر جانور ذبح کرو اور اس کے سر کے بال مونڈو کیونکہ وہ رحم کے خون سے آلودہ ہونے کی وجہ سے پلید ہیں ۔ اکثر ائمہ کے نزدیک عقیقہ کرنا سنت ہے ۔ جو شخص استطاعت رکھتا ہو وہ اُسے ترک نہ کرے ۔

امام مالکؒ کے نزدیک عقیقہ کرنا مستحب ہے ۔ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی سے استدلال کرتے ہیں :

مَنْ وَلَدَ لَهٗ وَلَدٌ فَاَحَبَّ اَنْ يَّنْسُكَ عَنْ وَلَدِهٖ فَلْيَفْعَلْ ۔

(الموطا للامام مالک ۔ کتاب العقیقہ)

جس کے ہاں بچہ پیدا ہو وہ اس کی طرف سے جانور ذبح کرنا پسند کرے تو وہ لازماً اس کو ذبح کرے ۔

عقیقہ کے آداب

(۵۲) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ غُلَامٍ رَهِيْنٌ بِعَقِيْقَتِهٖ يُذْبَحُ عَنْهُ يَوْمَ سَابِعِهٖ وَيُحْلَقُ رَاْسُهٗ وَيُسَمّٰى ۔

(نسائی عن سمرۃ بن جندب کتاب العقیقہ ابوداؤد کتاب الضحایا ترمذی ابواب الاضاحی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر بچہ اپنے عقیقہ کے بدلے گروی ہے ۔ ساتویں دن اس کی طرف سے جانور ذبح کیا جائے اور اس کا سر مونڈا جائے اور اس کا نام رکھا جائے ۔

تشریح : ہر بچہ اپنے عقیقہ کے بدلے گروی ہے ،، کا مطلب یہ ہے کہ نہ تو عمدہ طریقے سے بچے کی نشو ونما ہو سکے گی اور نہ آفات سے اس کی سلامتی پر بھروسہ کیا جا سکتا ہے جب تک کہ تم اللہ کے نام پر جانور ذبح کر کے اُسے چھڑا نہ لو ۔

• امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ ہر مولود ـــــ چاہے وہ لڑکا ہو یا لڑکی ـــــ کے عقیقہ پر ولادت کے ساتویں دن ایک بکری ذبح کرنی چاہیے۔ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ اور عروہ بن زبیرؓ کا معمول بھی یہی تھا۔

• امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک ولادت کے ساتویں دن لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری ذبح کی جائے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے (۶ھ) فرمایا تھا: لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری ذبح کی جائے۔ عقیقہ میں جانور کے نر یا مادہ ہونے سے کوئی نقصان نہیں ہوتا۔ (نسائی بروایۃ ام کرز کتاب العقیقہ)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا حسنؓ (رمضان ولادت ۳ھ) اور سیدنا حسینؓ (ولادت شعبان ۴ھ) کے عقیقہ پر دو دو مینڈھے ذبح کیے تھے۔

(نسائی کتاب العقیقہ)

• جو شخص دو بکریوں کی استطاعت نہ رکھتا ہو وہ اپنے لڑکے کے عقیقہ پر ایک بکری ذبح کر سکتا ہے۔

• جو شخص اپنے لڑکے کی طرف سے دو بکریاں ذبح کرنا چاہے وہ دو باتوں کو ملحوظ رکھے:

۱۔ عقیقہ کی دونوں بکریاں ہم سن اور برابر کی ہوں۔

۲۔ ان کو ساتویں دن بیک وقت ذبح کرنا چاہیے۔

• عقیقہ کا گوشت کھانے اور صدقہ کرنے میں قربانی کے گوشت کی طرح ہے۔

• شافعیہؒ کے نزدیک باپ اپنے بچہ کا عقیقہ اس کے بالغ ہونے تک کر سکتا ہے۔ بلوغت کے بعد عقیقہ اس سے ساقط ہو جاتا ہے لیکن جو شخص خود اپنی طرف سے عقیقہ کرنا چاہے وہ وقت کی تعیین کے بغیر جب بھی چاہے عقیقہ کرے۔ اس کے لئے مدّت کی تعیین نہیں ہے۔ مثلاً: وہ نوّے سال کی عمر میں بھی اپنا عقیقہ کر سکتا ہے۔

• امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بچے کا عقیقہ اس کی ولادت کے ساتویں دن کرنا چاہیے۔ اس سے پہلے یا بعد جائز نہیں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ گرامی اور عمل، نیز اہل بیت

اور صحابہ کے تعامل سے بھی امام مالکؒ کے مسلک کی تائید ہوتی ہے۔ ہمارے نزدیک امام مالک رحمہ اللہ کا مسلک اقرب الی الصواب ہے۔

- بچے کی ولادت کے ساتویں دن جانور ذبح کرنے کے بعد اس کا سر مونڈا جائے اور بالوں کے ہم وزن چاندی صدقہ کی جائے۔

امام محمد باقر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت فاطمہؓ نے حسنؓ حسینؓ، زینبؓ اور ام کلثوم (کا سر مونڈ کر ان) کے بالوں کے ہم وزن چاندی صدقہ کی۔ (موطا مالک)

- بچے کا نام ساتویں دن رکھا جائے لیکن جس بچے کی طرف سے عقیقہ نہ کیا جائے تو ولادت کے فوراً بعد ایک دو دن کے اندر اس کا نام تجویز کر دیا جائے اور اس کا سر مونڈ کر، اس کے بالوں کے ہم وزن چاندی صدقہ کی جائے۔

نام رکھنا

(۵۳) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَحَبَّ اَسْمَآئِکُمْ اِلَی اللّٰہِ عَبْدُ اللّٰہِ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ۔ (مسلم عن ابن عمر کتاب الآداب)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ نام "عبد اللہ" اور "عبد الرحمٰن" ہے۔

تشریح: جب بچہ پیدا ہو تو اس کا بہت اچھا نام رکھنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ساری کائنات کا مالک اور معبود ہے۔ اور کائنات کا ہر فرد اس کا مملوک اور بندہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اس نام کو سب سے زیادہ پسند کرتا ہے جس میں عبد (بمعنی بندہ) اللہ کی طرف منسوب کیا جائے جیسے عبد الرحمٰن (رحمٰن کا بندہ)

اس نام کے اچھا اور بہتر ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے جس میں عبد (بندہ) کی نسبت اللہ تعالیٰ کے کسی اسمِ مبارک کی طرف کی جائے۔

بعض روایات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی بھی ملتا ہے:

—— اِذَا سَمَّیْتُمْ فَعَبِّدُوْا ——

(مرقاۃ لملا علی القاری بحوالہ حاکم وطبرانی جلد ۹ صفحہ ۱۰۶)

"جب تم اپنے بچوں کا نام رکھو تو بندگی کو اللہ تعالیٰ کے ناموں کی طرف منسوب کرو"
ہم سب صرف اللہ کے بندے ہیں، انبیاء اور اولیاء بھی اللہ کے بندے ہیں اس لیے عبدالنبی (نبی کا بندہ) عبدالرسول (رسول کا بندہ) اور عابد حسین (امام حسین کی عبادت کرنے والا) جیسے نام رکھنا جائز نہیں ہے۔

بچوں کا نام رکھنے میں اس بات کا خاص طور پر خیال رکھنا چاہیے کہ ان کے نام میں عبادت اور بندگی کی نسبت غیر اللہ کی طرف نہ ہو، بلکہ ایسے ناموں کا انتخاب کرنا چاہیے جس سے معلوم ہو کہ اس نام کے آدمی نے اللہ کا بندہ بن کر رہنا ہے اور ہر معاملہ میں اس ذات قدیر پر بھروسہ کرنا ہے جو ہر چیز کا مالک ہے۔ اور ایسا نام رکھنے سے بھی اجتناب کیا جائے جس میں کسی دوسرے کو اللہ تعالیٰ کی صفات کا حامل قرار دیا جا رہا ہو یا جس میں شرک کا شائبہ ہو۔

(۵۴) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تَسَمُّوْا بِاَسْمَآءِ الْاَنْبِیَاءِ۔

(ابو داؤد عن ابی وہب الجشمی کتاب الادب۔ نسائی کتاب الخیل)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم پیغمبروں کے نام پر اپنے بچوں کے نام رکھو۔

تشریح: رسولوں اور نبیوں کے ہم نام ہونے میں بہت برکت ہے خصوصاً جس بچے کو سیدنا "محمد" صلی اللہ علیہ وسلم کی ہم نامی کا شرف حاصل ہو وہ بچہ بڑا بابرکت ہوتا ہے۔ ایسے پاک طینت بزرگوں کی ہم نامی سے یہ احساس پیدا ہوتا ہے کہ بچہ سیرت و کردار میں ان کا اتباع کرے گا، خلق خدا کو رب واحد کی بندگی اور اطاعت کی دعوت دے گا اور وہ خود بھی اللہ کا بندہ اور فرمانبردار بن کر رہے گا اور اللہ تعالیٰ کے کلمہ کو بلند کرنے کے لئے اپنے مال اور جان سے جہاد کرے گا۔

ہر اسم کے معنوی اثرات ہوتے ہیں۔ ہر شخص کی زندگی میں غیر شعوری طور پر اس کے نام کی خاصیت کا عکس پڑتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے کہ:

تُدْعَوْنَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ بِاَسْمَائِکُمْ وَاَسْمَآءِ اٰبَائِکُمْ فَاَحْسِنُوْا اَسْمَاءَکُمْ۔

(مشکوٰۃ عن ابی الدرداء کتاب الآداب بحوالہ احمد و ابی داؤد)

"قیامت کے دن تم اپنے نام اور اپنے باپ کے نام سے بُلائے جاؤ گے پس تم اپنے لیے اچھے ناموں کا انتخاب کرو"۔

بعض لوگ بے ڈھنگے اور فضول نام رکھتے ہیں، بعض نام تو مہمل اور بے معنی ہوتے ہیں (اور بعض نام معنوی لحاظ سے اسلام کے مزاج سے ہم آہنگ نہیں ہوتے) اس لیے بچے کا نام رکھنے میں احتیاط اور عقل سے کام لینا چاہیے۔

بُرا نام

(۵۵) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَخْنَى الْاَسْمَآءِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عِنْدَ اللّٰهِ رَجُلٌ تَسَمّٰى مَلِكَ الْاَمْلَاكِ۔

(بخاری عن ابی ہریرہ کتاب الادب)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بُرا نام اس آدمی کا نام ہے جو شہنشاہ کے نام سے موسوم ہوا۔

تشریح: سب انسانوں کا مالک اور بادشاہ صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اس کے سوا کوئی مالک نہیں ہے۔ جو شخص زمین کے کسی ٹکڑے پر چند دنوں کے لیے حکومت کرتا ہے اُسے یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اپنے آپ کو "بادشاہ" کہے۔ لیکن اگر وہ ترنگ میں آکر اپنے آپ کو شہنشاہ (بادشاہوں کا بادشاہ) کہلاتا ہے تو وہ حقیقت کے خلاف ایک خیالی مفروضہ کی بنیاد پر اپنی کبریائی کا محل تیار کرتا ہے۔

اس سے کوئی خاص فرق نہیں پڑتا کہ اس بگڑے ہوئے انسان کو لوگ "شہنشاہ" کہیں اور وہ اپنے لیے اس خطاب کو پسند کرے یا وہ اپنے آپ کو "شہنشاہ" کہلائے اور لوگوں سے اس کی تائید چاہے ——— قیامت کے دن ایسے متکبّر اور بے وقوف بادشاہ کو اس جُرم پر اللہ تعالیٰ کے غضب اور عتاب کا سامنا کرنا پڑے گا کیونکہ ساری کائنات میں شہنشاہ صرف ایک اللہ ہے۔

افسوس ہے کہ بعض نام نہاد صوفی اور پیر اپنی خانقاہوں میں شہنشاہ کہلاتے ہیں

اور انہیں یہ احساس ہی نہیں ہوتا کہ وہ رب ذوالجلال کے مقام کو چیلنج کر کے اپنی عاقبت برباد کر رہے ہیں۔

بعض نادان لوگ عبدالرحمٰن کو رحمٰن صاحب کہہ کر بُلاتے ہیں۔ انہیں اس بات کا شعور ہی نہیں ہوتا کہ وہ رحمٰن کے بندے کو "رحمٰن" کہہ کر بہت بڑی غلط بیانی کا ارتکاب کرنے کے علاوہ عاجز بندے کو خدا کے نام سے موسوم کر رہے ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے دوسرے صفاتی ناموں سے مخلوق کو موسوم کیا جاتا ہے۔ مثلاً عبدالرزاق کو رزاق صاحب، عبدالخالق کو خالق صاحب، عبدالغفور کو غفور صاحب کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ اس فحش بے ادبی اور گستاخی سے اجتناب کرنا چاہیے۔

تحنیک

(۵۶) اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یُؤْتٰی بِالصِّبْیَانِ فَیُبَرِّکُ عَلَیْہِمْ وَیُحَنِّکُھُمْ۔ (مسلم عن عائشۃ۔ کتاب الآداب)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں (نومولود) بچے لائے جاتے تو آپؐ ان کے لیے برکت کی دُعا فرماتے اور کھجور چبا کر تالو کو لگاتے۔

تشریح: "تحنیک" کے معنی ہیں کسی چیز کو چبا کر ان کے تالو کو لگانا"۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں عام طور پر جس شخص کے ہاں بچہ پیدا ہوتا وہ "تحنیک" کے لیے اُسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آتا ——— آپؐ نومولود کے لیے اللہ تعالیٰ سے خیر و برکت کی دُعا کرتے۔ اور کھجور سے ملا ہوا لعابِ دہن اس کے منہ میں ڈالتے اور تھوڑا سا لعاب اس کے تالو کو بھی لگاتے اور اس کا نام بھی رکھتے۔ یہ پاک اور معطر لعاب جس بچے کے حلق سے اُترا اس کے دل کو ایمان کے نور سے روشن اور اللہ کی محبت سے معمور کر دیا۔ قابلِ صد رشک ہیں دورِ نبوی کے وہ فرزندانِ اسلام جنہوں نے ہمارے محبوب و آقا سیّدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لعاب مبارک سے اپنے حلق کو مرطوب اور معطر کیا۔

اس سلسلہ کے بعض واقعات یہ ہیں:

(الف) حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ سے روایت ہے وہ مکہ میں حاملہ ہوئی تھیں) وہ کہتی ہیں کہ جب میں مکّہ سے ہجرت کر کے آئی تو مدینہ کے قریب بستی قباء میں میں نے عبداللہ بن زُبیر کو جنا، پھر میں اُسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آئی۔ اور اُسے آپؐ کی گود میں رکھ دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور منگائی، اُسے چبایا، پھر لعاب مبارک سے مِلا ہوا کھجور کا رس اُس کے منہ میں ڈالا۔ اور کچھ رس اس کے تالو کو لگایا، پھر آپؐ نے اس کے لئے خیر و برکت کی دُعا کی اور اس کا نام عبداللہ رکھا۔ ہجرت کے بعد مہاجرین کی اولاد میں جو لڑکا سب سے پہلے پیدا ہوا وہ عبداللہ بن زبیر ہے۔" (مسلم کتاب الآداب۔ بخاری کتاب العقیقہ)

(ب) حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں میرے گھر میں ایک بچہ پیدا ہوا، میں اُسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے لیا۔ آپؐ نے اس کا نام "ابراہیم" رکھا۔ کھجور چبا کر اس کا رس بچے کے تالو کو لگایا، اور اس کے لئے برکت کی دُعا کی اور مجھے دے دیا۔ وہ ابو موسیٰ کا سب سے بڑا لڑکا ہے۔ (بخاری کتاب العقیقہ، مسلم کتاب الآداب)

(ج) ابو طلحہؓ کا بیٹا بیمار رہتا تھا، وہ (کسی کام کے سلسلہ میں گھر سے) باہر گئے تو وہ (بیمار لڑکا) وفات پا گیا۔ جب وہ لوٹے تو پوچھا میرے بیٹے کا کیا حال ہے؟ (ان کی بیوی ام سلیمؓ نے کہا وہ پہلے سے زیادہ پُرسکون ہے۔ اس نے رات کا کھانا لا کر اُن کے سامنے رکھا انہوں نے کھانا کھایا، پھر اس سے ہمبستری کی جب وہ اس سے فارغ ہوئے تو ام سلیمؓ نے کہا بچے کو دفن کرنا ہے۔

حضرت ابو طلحہؓ صبح کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بتایا کہ بچہ فوت ہو گیا ہے۔ آپؐ نے پوچھا کیا آج رات تم نے مباشرت کی ہے؟ ابو طلحہؓ نے عرض کیا جی ہاں۔ آپؐ نے دُعا کی اے اللہ اس رات میں ان کو برکت دے۔ پھر ام سلیمؓ نے ایک بچہ جنا۔ ابو طلحہؓ نے کہا بچہ کی حفاظت کیجیئے (اس کے منہ میں کوئی چیز نہ جائے) یہاں تک کہ ہم اُسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے جائیں۔ وہ بچے کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آئے۔

ام سلیمؓ نے کچھ کھجوریں بھی ساتھ بھیج دی تھیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے لے لیا۔

فرمایا اس کے ساتھ کوئی چیز بھی ہے؟ انہوں نے کہا جی ہاں کھجوریں ہیں۔ آپؐ نے کھجور لے کر چبائی، اپنے دہن مبارک سے کھجور کا رس لے کر بچے کے منہ میں ڈالا اور کچھ اس کے تالو کو لگایا اور اس کا نام عبداللہ رکھا۔ (بخاری کتاب العقیقہ)

• ماں کے پیٹ سے باہر آنے کے بعد مولود کے معدہ میں سب سے پہلے چبائے ہوئے کھجور کا رس جانا چاہیے۔ کھجور کو چبا کر اس حد تک سیّال (بہنے والا) بنا دیا جائے جسے نومولود آسانی کے ساتھ نگل سکے۔ یہ سیّال اس کے منہ میں رکھ دیا جائے اور تھوڑا سا اس کے تالو کو لگا دیا جائے۔

• اگر کھجور نہ ہو تو اس سے ملتی جلتی کوئی میٹھی چیز بھی استعمال کی جا سکتی ہے۔ شہد خالص مل جائے تو بہتر ہے۔

• بچے کی تحنیک کے لیے کسی ایسی صالح شخصیت ——— چاہے وہ مرد ہو یا عورت ——— کا انتخاب کیا جائے جو رحم دل، خوش اخلاق اور عقلمند ہونے کے علاوہ پرہیزگار ہو۔ نومولود کے منہ میں کسی بے وقوف، متکبّر، فاسق اور خدا فراموش شخص کا لعابِ دہن نہ جانا چاہیے۔

• خدا ترس اور دیندار بزرگ سے بچے کا نام رکھنے کی درخواست کرنا مسنون ہے۔

• بچوّں کا نام "انبیاء" علیہم السّلام کے نام پر رکھنا مسنون ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو موسیٰؓ کے بیٹے کا نام ابراہیم رکھا، بلکہ آپؐ کے صاحبزادے کا نام بھی ابراہیم تھا جو اٹھارہ ماہ کی عمر میں فوت ہو گیا تھا۔

• جس بچے کی طرف سے عقیقہ کرنے کا ارادہ نہ ہو تو اس کا نام رکھنے میں تاخیر نہ کیجائے۔ حضرت زبیرؓ، حضرت ابو موسیٰؓ اور حضرت ابو طلحہؓ کے بچوں کا نام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے دن رکھا۔

بچوّں کا بوسہ لینا

(۵۷) قَبَّلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْحَسَنَ بْنَ عَلِیٍّ وَعِنْدَہُ الْاَقْرَعُ بْنُ حَابِسٍ التَّمِیْمِیُّ جَالِسًا فَقَالَ الْاَقْرَعُ اِنَّ لِیْ عَشْرَۃً مِّنَ الْوَلَدِ

مَا قَبَّلْتُ مِنْهُمْ اَحَدًا فَنَظَرَ اِلَیْہِ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ مَنْ لَا یَرْحَمُ لَا یُرْحَمُ۔ (بخاری عن ابی ہریرۃ کتاب الادب مسلم کتاب الفضائل)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسن بن علیؓ کا بوسہ لیا۔ آپؐ کے پاس اقرع بن حابس تمیمی بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے کہا میرے دس بچے ہیں میں نے ان میں سے کسی کا بوسہ نہیں لیا۔ آپؐ نے اس کی طرف (تعجب سے) دیکھا اور فرمایا جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جائے گا۔

تشریح: ایک اور روایت میں ہے کہ عُیینہ بن حصن فزاری حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، تو اس نے دیکھا کہ حضورؐ حسنؓ حسینؓ کا بوسہ لے رہے ہیں۔ اس نے کہا حضور! آپ ان کا بوسہ لے رہے ہیں۔ میرے دس بچے ہیں میں نے ان میں سے کسی کا بوسہ نہیں لیا۔ آپؐ نے فرمایا، جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہ کیا جائے گا۔"

(فتح الباری بحوالہ مسند ابویعلی)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے کسی کو نہیں دیکھا جو بال بچوں کے ساتھ شفقت کرنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر ہو۔ آپؐ کے صاحبزادے ابراہیمؑ مدینہ کے قریب ایک بستی میں انصاری خاتون خولہ بنت منذرؓ کے ہاں دودھ پیتے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس تشریف لے جاتے، اُسے اپنی گود میں لیتے، اس کا بوسہ لیتے اور پھر واپس تشریف لے آتے۔ (مسلم کتاب الفضائل)

جو شخص سنگدلی اور بے رحمی کی وجہ سے اپنے بچوں سے پیار نہیں کرتا اور ان کا بوسہ نہیں لیتا وہ قیامت کے دن اللہ کریم کی نگاہِ رحم کا مستحق نہیں ہے لیکن جو رحم دل شخص اپنے بچوں سے اظہارِ اُلفت کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائیں گے۔

(۵۸) جَاءَ اَعْرَابِیٌّ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ تُقَبِّلُوْنَ الصِّبْیَانَ فَمَا نُقَبِّلُهُمْ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَوَ اَمْلِكُ لَكَ اِنْ نَزَعَ اللّٰہُ مِنْ قَلْبِكَ الرَّحْمَةَ۔

(بخاری عن عائشۃ کتاب الادب مسلم کتاب الفضائل)

ایک اعرابی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے کہا: آپ چھوٹے بچوں کا بوسہ لیتے ہیں، ہم تو اپنے بچوں کا بوسہ نہیں لیتے۔ آپؐ نے فرمایا: اگر اللہ تعالیٰ نے تیرے دل کو بے رحم بنا دیا ہے تو میں اُسے بدل نہیں سکتا۔

تشریح: بچوں سے پیار نہ کرنا سنگدلی کی علامت ہے لیکن اس سلسلہ میں یہ بات بھی پیشِ نظر رہے کہ اپنے اور اعزّہ واحباب کے چھوٹے بچوں کا بوسہ لینا، انہیں سینہ سے لگانا اور ان سے معانقہ کرنا جائز ہے بشرطیکہ شفقت اور مہربانی کے جذبہ سے ہو۔ اور بُری نیت سے بچوں کا بوسہ لینا تو والد کے لیے بھی حرام ہے، کسی دوسرے کے لیے کیسے جائز ہو سکتا ہے۔

اولاد کی تربیت

(۵۹) عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَکْرِمُوْا اَوْلَادَکُمْ وَ اَحْسِنُوْا اَدَبَھُمْ۔ (ابن ماجہ عن انس بن مالک۔ ابواب الادب)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اپنی اولاد کی عزّت کرو اور انہیں اچھی تہذیب سکھاؤ۔

تشریح: ماں باپ اولاد کے فطری معلّم ہیں۔ نشو ونما کے دوران بچے کے ذہن اور مزاج پر گھر کے ماحول اور گرد وپیش کے اثرات غیر شعوری طور پر منعکس ہوتے ہیں۔ گالیاں دینے اور اس کی پٹائی کرنے سے اس میں احساس کہتری پیدا ہوتا ہے۔

"اپنی اولاد کی عزّت کرو" کا مطلب یہ ہے کہ ان کے ساتھ ایسا رویّہ اختیار کرو جس سے انہیں اپنی عزّتِ نفس کا احساس ہو اور بداخلاقی سے وہ نفرت کرنے لگیں۔

"اچھی تہذیب سکھاؤ" کے معنی یہ ہیں کہ انہیں اسلامی اخلاق وآداب سے آراستہ کرو۔ بچپن کی اخلاقی تربیت کے اثرات بڑے دُور رس ہوتے ہیں اس لیے ان کی زبان اور کردار کی اصلاح پر خاص توجہ دینی چاہیے۔

بچوں کی اصلاح اور تربیت کے لیے درجِ ذیل ہدایات کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھنا چاہیے:

۱۔ جب وہ بولنا شروع کریں تو سب سے پہلے انہیں کلمہ طیّبہ سکھایا جائے اور اپنے

مسلمان ہونے کا ان میں شعور پیدا کیا جائے۔

۲۔ سلام کرنے کا طریقہ انہیں بار بار بتایا جائے یہاں تک کہ وہ ہر ملنے والے سے السّلام علیکم کہیں۔

۳۔ یہ بات ان کے ذہن میں ڈالی جائے کہ گالی دینے سے زبان پلید ہو جاتی ہے جب وہ گالی دیں، ان سے کہیے کہ تھوک دیجیے، تمہاری زبان نجس ہو گئی۔

۴۔ بچوں کو پیغمبروں کے قصّے اور صحابہ کرام ؓ کے حالات بار بار سُنائے جائیں کیونکہ بچپن میں قصّے کہانیاں سننے کا بہت شوق ہوتا ہے۔

۵۔ فلم بینی، ریڈیو کی فحش ریکارڈنگ اور گندے ماحول سے بچوں کی حفاظت کی جائے۔

۶۔ گھر میں نماز اور تلاوتِ قرآن کا پابندی سے اہتمام کیا جائے اور چھوٹے بچوں کو اس میں شریک کیا جائے۔

۷۔ کھانے پینے اور سونے کے اسلامی آداب انہیں سکھائے جائیں۔

۸۔ بڑوں کا احترام، ہم سنوں سے شائستگی اور چھوٹوں سے پیار کرنے کا جذبہ ان میں پیدا کرنے کی کوشش کی جائے۔

بعض روایات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بچوں کو شائستہ اور مہذب بنانے کے کام کو ماں باپ کی طرف سے بہترین اور مفید عطیہ قرار دیا ہے اور خدا کی راہ میں صاع (چار سیر) کے برابر صدقہ کرنے پر بھی اسے ترجیح دی ہے۔ اور صحیح بات یہ ہے کہ بچپن میں اسلامی اخلاق اور آداب کی تربیت کے نتائج مستقبل میں بڑے شاندار نکلتے ہیں۔ ایسے بچے جوان ہو کر اسلامی تہذیب و تمدن کی اعلیٰ روایات کے قابلِ اعتماد امین ثابت ہوتے ہیں۔

بچپن اور نماز

(۶۰) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مُرُوْا اَوْلَادَکُمْ بِالصَّلٰوۃِ وَھُمْ اَبْنَاءُ سَبْعِ سِنِیْنَ وَاضْرِبُوْھُمْ عَلَیْھَا وَھُمْ اَبْنَاءُ عَشْرِ سِنِیْنَ وَ فَرِّقُوْا بَیْنَھُمْ فِی الْمَضَاجِعِ۔

(ابوداؤد عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کتاب الصلوٰۃ مسند احمد نمبر ۶۶۸۹)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم اپنی اولاد کو ـــــــ چاہے وہ لڑکے ہوں یا لڑکیاں ـــــــ نماز ادا کرنے کا حکم دو جبکہ وہ سات برس کے ہوں، اور دس برس کی عمر میں نماز ادا نہ کرنے پر ان کی پٹائی کرو اور تم ان کی خوابگاہیں الگ کر دو۔

تشریح: سات برس کے بچوں میں برُے بھلے کی تمیز کا آغاز ہو جاتا ہے اس لیے فرمایا کہ تم انہیں نماز ادا کرنے کا حکم دو۔ بچوں کو نماز سکھانے کے دو طریقے ہیں:

(۱) علمی اور

(۲) عملی، عملی تعلیم سے نماز بہت جلد ان کے ذہن نشین ہو جاتی ہے۔ والدین نماز ادا کرتے وقت بچوں کو ساتھ لے لیا کریں اور اس کے ساتھ نماز کے اذکار اور دُعاؤں کے یاد کرانے کا سلسلہ بھی شروع کر دیں۔ "نماز" اسلام کا بڑا اہم ستون اور شعار ہے۔ یہ انسان کو دوزخ کے بدترین گڑھے میں جانے سے بچا لیتی ہے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم کرنے کا قریب ترین ذریعہ نماز ہی ہے۔ یہ بندے اور خدا کے درمیان رابطہ کا کام دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ:

مسلم معاشرے میں اس کی "اقامت" پر بہت زور دیا گیا ہے۔ دس سال کی عمر میں بلوغت کے آثار کی نشوونما کا آغاز ہو جاتا ہے۔ عمر کا یہ دور بچپن اور جوانی کا برزخ ہے۔ بچوں کو عمر کے اس حصہ میں نفع اور نقصان کا شعور پیدا ہو جاتا ہے، بلکہ صحیح المزاج بچے تو کاروبار میں بھی ماہر ہو جاتے ہیں۔

بچپن کی سرحد کو عبور کر کے جوانی کی سرحد میں قدم رکھ دے وہ اپنے دین کے شعار اور اہم ستون کو پابندی سے ادا کرنے کی عادت بنائے۔ اگر وہ اس کے ادا کرنے میں کوتاہی کرے تو اس کے والدین اور سرپرستوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ زبانی تلقین اور تبلیغ کے علاوہ طاقت کا استعمال کر کے بھی اُسے نماز کا پابند بنائیں۔

دو لڑکیوں یا دو لڑکوں یا لڑکے اور لڑکی کو ایک خوابگاہ میں سونے کی اجازت نہ ہونی چاہیے، چاہے وہ ایک دوسرے کے بہن بھائی کیوں نہ ہوں۔ اس عمر میں بلوغت کے قریب

ہونے کی وجہ سے اگر دو بچے ایک بستر میں سوئیں تو اس سے ان میں مباشرت کا شوق ہونے کا امکان ہے۔ اس لئے فطرتِ انسانی کے رازداں پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک بستر میں دو بچوں کو سونے سے منع فرمایا ہے۔

اولاد کے درمیان عدل کرو

(۶۱) عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ وَهُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ يَقُوْلُ اَعْطَانِيْ اَبِيْ عَطِيَّةً فَقَالَتْ عَمْرَةُ بِنْتُ رَوَاحَةَ لَا اَرْضٰى حَتّٰى تُشْهِدَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَتٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنِّيْ اَعْطَيْتُ ابْنِيْ مِنْ عَمْرَةَ بِنْتِ رَوَاحَةَ عَطِيَّةً فَاَمَرَتْنِيْ اَنْ اُشْهِدَكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اَعْطَيْتَ سَائِرَ وَلَدِكَ مِثْلَ هٰذَا قَالَ لَا قَالَ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْدِلُوْا بَيْنَ اَوْلَادِكُمْ قَالَ فَرَجَعَ فَرَدَّ عَطِيَّتَهٗ۔ (بخاری کتاب الھبۃ۔ مسلم کتاب الھبات)

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انہوں نے منبر پر (اپنے خطبہ میں یہ واقعہ) بیان کیا کہ میرے باپ نے مجھے (ایک غلام) عطیہ دیا تو (میری ماں) عمرہ بنت رواحہؓ نے ان سے کہا: میں (نعمان کے لیے اس عطیہ کو پسند نہیں کرتی، یہاں تک کہ تم (اس پر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گواہ بناؤ۔

تو میرے والد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں نے اپنے بیٹے کو ـــــ جو کہ عمرہ بنت رواحہ کے بطن سے ہے ـــــ عطیہ دیا ہے یارسول اللہ! وہ مجھ سے کہتی ہے کہ میں اس عطیہ پر آپ کو گواہ بناؤں۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا: کیا تو نے باقی اولاد کو بھی اس جیسا عطیہ دیا ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ آپؐ نے فرمایا: اللہ سے ڈرو، اور اپنی اولاد کے درمیان عدل کرو۔ (یہ بات سن کر) وہ لوٹ آئے اور اپنا عطیہ واپس لے لیا۔

تشریح: مسلم اور ابوداؤد میں ہے کہ اس کے استفسار پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم مجھے گواہ نہ بناؤ۔ میں اس زیادتی پر گواہ نہیں بنتا۔ اور یہ عطیہ رد کر دو"۔

اولاد سے والدین کی محبت اضطراری اور فطری ہوتی ہے۔ وہ محبت، شفقت اور عطیہ دینے میں اپنی اولاد سے ایک جیسا برتاؤ کریں اور ایک کو دوسرے پر ترجیح نہ دیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بات کو پسند نہیں فرمایا کہ آدمی اپنے ایک بچے کو تو عطیہ دے لیکن باقی اولاد کو نظر انداز کر دے۔ اس غیر معقول رویہ کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ بھائیوں کے باہمی تعلقات میں تناؤ اور کشیدگی پیدا ہو جاتی ہے۔ عطیہ سے محرومی کا احساس ان کے دلوں میں حسد اور نفرت کے جذبہ کی نشو ونما کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ عطیہ سے محروم فریق، اور عطیہ لینے والے کے درمیان ایک ایسی سرد جنگ شروع ہو جاتی ہے جو خاندان کی بربادی اور پراگندگی کو جنم دیتی ہے۔ اس کے علاوہ اولاد کے دل میں باپ کے خلاف کینہ اور نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔

اولاد کو عطیہ دینے یا اپنی جائیداد کا کچھ حصہ ہبہ کرنے میں ایک کو دوسرے پر ترجیح دینا جائز نہیں ہے لیکن اگر کسی شخص سے اس طرح کی بے احتیاطی ہو جائے تو وہ اس کی تلافی کر سکتا ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اپنے عطیہ یا ہبہ سے رجوع کرلے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے والد کے لیے اجازت دی ہے کہ وہ اپنے بیٹے کو دیے ہوئے عطیہ یا ہبہ سے رجوع کر سکتا ہے۔

بیٹی کا احترام

(۶۲) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ کَانَتْ لَہٗ اُنْثٰی فَلَمْ یَئِدْھَا وَلَمْ یُھِنْھَا وَلَمْ یُؤْثِرْ وَلَدَہٗ عَلَیْھَا اَدْخَلَہُ اللّٰہُ الْجَنَّۃَ۔

(ابو داؤد عن ابن عباس کتاب الادب)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کے ہاں بیٹی ہو وہ اُسے زندہ درگور نہ کرے اور اُسے ذلیل نہ کرے اور اپنے بیٹے کو اس پر ترجیح نہ دے، اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل کرے گا۔

تشریح: جاہلیت کے زمانہ میں مختلف وجوہ کی بنا پر لوگ لڑکیوں کی پیدائش پر ناک بھوں چڑھاتے تھے اور مارے شرم کے اپنی قوم سے منہ چھپاتے پھرتے تھے گویا کہ گھر میں لڑکی پیدا نہیں ہوتی بلکہ ایک خوفناک مصیبت نازل ہوتی ہے۔ اور عزت کو بٹہ لگ گیا ہے ــــ

اب گھر میں داماد آئے گا، اگر دشمن قبیلہ نے حملہ کر کے افرادِ خانہ کو گرفتار کر لیا تو اس لڑکی کو لونڈی بنا لیں گے یا کسی اور جگہ فروخت کر دیں گے۔ یہ بات بھی ان کے پیش نظر ہوتی کہ لڑکی نے کمانا نہیں بلکہ صرف کھانا ہے۔

ان وجوہ کی بنا پر وہ لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیتے۔ جب کسی عورت کے وضع حمل کا زمانہ قریب آتا تو اس کے نزدیک ایک گڑھا کھودا جاتا۔ وضع حمل کے بعد دایہ جنین کو دیکھتی کہ حاملہ نے کیا جنا ہے؟ اگر لڑکا ہوتا تو باپ کا چہرہ خوشی سے تمتما اٹھتا۔ پھر مبارک باد کے شادیانے بج جاتے۔

اور اگر لڑکی پیدا ہوتی تو اُسے گڑھے میں پھینک کر اس پر مٹی ڈال دی جاتی۔ غرضیکہ عہد جاہلیت کے غیور، عار سے بچنے کے لئے اپنی زندہ بچی کو قبر میں دفن کر دیا کرتے تھے اور اس شرمناک سنگدلی پر فخر کرتے تھے۔ لیکن جو لوگ اس سنگدلی کا مظاہرہ کرنے کی جسارت نہ کر سکتے تھے وہ لڑکیوں کو حقیر اور غیر مفید جانتے، ان کی بے عزتی کرتے اور ان کے مقابلہ میں لڑکوں کو اہمیت دیتے۔ رسول عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواتین کو معاشرے میں عزّت و احترام کا مقام دلانے کے سلسلہ میں جو اصلاحات فرمائی ہیں ان میں سے:

ایک یہ ہے کہ والدین عار یا تنگدستی کے خوف سے اپنی زندہ لڑکیوں کو قبر میں دفن نہ کریں۔

دوسری یہ ہے کہ بچیوں کی عزتِ نفس کو پامال اور مجروح نہ کریں۔ انہیں ذلیل کر کے نہ رکھیں بلکہ ان کا احترام کریں اور:

تیسری یہ ہے کہ وہ ان کے مقابلہ میں لڑکوں سے ترجیحی سلوک نہ کریں۔ آخر یہ کہاں کا انصاف ہے کہ بیٹا لڑکا ہونے کی وجہ سے باپ کی توجہ اور محبّت کا مرکز بن جائے اور بیٹی باپ کی نظرِ التفات سے محروم رہے بلکہ اُسے ذلیل کر کے رکھا جائے۔ کیا اس بے چاری کا لڑکی ہونا ایسا ناقابلِ عفو جُرم ہے کہ باپ کی شفقتِ پدری نے اس کے مقابلہ میں بیٹے سے امتیازی برتاؤ کرنے کا فیصلہ کیا ہے؟

یہ بات اچھی طرح ذہن نشین ہونی چاہیے کہ باپ، محبت شفقت اور احسان کرنے

میں لڑکے کو لڑکی پر ترجیح نہ دے، بلکہ وہ بلا امتیاز ایسا مشفقانہ برتاؤ کرے کہ ہر مولود ـــــ چاہے وہ لڑکا ہو یا لڑکی ـــــ یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہو جائے کہ "ابا جان مجھ پر بے حد مہربان ہیں اور انہوں نے مجھ سے اچھا سلوک کرنے میں کوتاہی نہیں کی، بلکہ انہوں نے میری توقع سے زیادہ مجھ پر کرم نوازی فرمائی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو جنت کی بشارت دی ہے جو اپنے بیٹے کو بیٹی پر ترجیح نہیں دیتا ہے اور بیٹی کو ذلیل کرکے نہیں رکھتا، بلکہ دونوں سے محبت اور مہربانی کا برتاؤ کرتا ہے اور اس کے حسنِ سلوک سے کسی کو شکوہ نہیں ہوتا۔

بیٹیوں سے سلوک کا صلہ

(۶۳) اِنَّ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَتْ جَآءَتْنِیْ اِمْرَأَۃٌ وَمَعَھَا ابْنَتَانِ لَھَا فَسَأَلَتْنِیْ فَلَمْ تَجِدْ عِنْدِیْ شَیْئًا غَیْرَ تَمْرَۃٍ وَاحِدَۃٍ فَاَعْطَیْتُھَا اِیَّاھَا فَاَخَذَتْھَا فَقَسَمَتْھَا ابْنَتَیْھَا وَلَمْ تَأْکُلْ مِنْھَا شَیْئًا ثُمَّ قَامَتْ فَخَرَجَتْ وَابْنَتَاھَا فَدَخَلَ عَلَیَّ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَحَدَّثْتُہٗ حَدِیْثَھَا فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنِ ابْتُلِیَ مِنَ الْبَنَاتِ بِشَیْءٍ فَاَحْسَنَ اِلَیْھِنَّ کُنَّ لَہٗ سِتْرًا مِّنَ النَّارِ۔

(مسلم کتاب البر باب فضل الاحسان الی البنات، بخاری کتاب الادب (کتاب الزکوٰۃ)

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ایک عورت اپنی دو لڑکیوں کے ساتھ میرے ہاں آئی۔ اس نے مجھ سے عطیہ کا سوال کیا (اس وقت گھر میں) میرے پاس صرف ایک کھجور تھی جو میں نے اُسے دی، اس نے کھجور لی اور اُسے لڑکیوں میں تقسیم کر دیا (بھوک کے باوجود) اس نے اس میں سے کچھ نہ کھایا۔ پھر اُٹھی اور اپنی لڑکیوں کے ساتھ باہر چلی گئی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لائے تو میں نے آپؐ کو اس عورت کی بات بتائی۔ آپؐ نے فرمایا جو شخص لڑکیوں کی پیدائش سے آزمائش میں ڈالا جائے پھر اُن کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے تو یہ لڑکیاں اس

کے لیے آگ سے بچاؤ کا ذریعہ بنیں گی۔

تشریح: جاہلیت کے دور میں وہ شخص نہایت کمزور اور ذلیل سمجھا جاتا تھا جو متعدد لڑکیوں کا باپ ہو۔ لوگ لڑکیوں کو پسند نہیں کرتے تھے، بلکہ لڑکی کی ولادت سے والدین کے دل افسردہ اور چہرے بے رونق ہو جاتے تھے۔ اسلام نے اپنے ماننے والوں کو اس کج روی سے بڑی سختی سے روکا، لڑکیوں کا احترام اور وقار بحال کیا، ان کے حقوق کا تحفظ کیا، وراثت میں ان کا حصہ مقرر کیا، ان کے مقابلہ میں لڑکوں سے امتیازی برتاؤ کرنے کو اچھی نگاہ سے نہیں دیکھا۔ اور اس باپ کو دوزخ سے نجات پانے کی خوشخبری دی جو اپنی لڑکیوں سے حسن سلوک کرتا ہے۔ لڑکی ایک ہو یا ایک سے زیادہ ہوں، باپ کے ہاتھ میں امتحان کا پرچہ ہیں، وہ ان سے حسنِ سلوک کرکے اس امتحان میں کامیاب ہو سکتا ہے۔ لڑکیوں سے حسنِ سلوک کی یہ صورتیں ہو سکتی ہیں:

(۱) ان کے لباس، خوراک اور ضروریاتِ زندگی کی کفالت۔

(۲) گھر میں انہیں عزت و وقار کے ساتھ رکھنا اور ان کی دل آزاری اور بے عزتی سے اجتناب کرنا۔

(۳) امورِ خانہ داری کی عملی تربیت یعنی گھر کے تمام چھوٹے بڑے کاموں کو اپنے ہاتھ سے کرنے کی تربیت۔

(۴) غیر اسلامی اخلاق اور بُرے ماحول سے ان کی حفاظت کرنا۔

(۵) ان کی شادی کرنا۔

لڑکیوں کی تعلیم اور شادی

(۶۴) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ عَالَ ثَلٰثَ بَنَاتٍ فَاَدَّبَھُنَّ وَزَوَّجَھُنَّ وَاَحْسَنَ اِلَیْھِنَّ فَلَہُ الْجَنَّۃُ۔ (ابوداؤد عن ابی سعید الخدری)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے تین بیٹیوں کو پرورش کیا۔ انہیں اچھا ادب سکھایا اور ان کی شادی کی اور ان سے حسنِ سلوک کیا وہ جنت میں جائے گا۔

تشریح: بیٹیوں کو اچھا ادب سکھانے کے معنی یہ ہیں کہ:

(۱) انہیں اچھے اخلاق کی تربیت دی جائے تاکہ وہ بزرگ خواتین اور مردوں سے ادب و احترام کا برتاؤ کریں، وہ اپنے رہن سہن میں باوقار ہوں، اور ان کی گفتگو میں سنجیدگی اور شائستگی پائی جائے۔

(۲) لڑکیوں اور لڑکوں کے اختلاط، بے تکلفی اور بے پردگی پر حکمت اور سلیقہ سے پابندی عائد کردی جائے تاکہ وہ مغربی تہذیب کی سوغات ـــــ بےحیائی اور فحاشی ـــــ کے جراثیم سے محفوظ رہ سکیں۔

(۳) انہیں معیاری تعلیم دی جائے، تاکہ وہ دنیا میں مسلمان عورت کا کردار ادا کرسکیں۔

(الف) قرآن مجید ناظرہ یا یاد سے۔

(ب) عربی زبان انہیں اس حد تک سکھادی جائے کہ وہ قرآن اور حدیث کا صاف اور سیدھا مفہوم سمجھ سکیں۔

(ج) دینی لٹریچر کی تعلیم، تاکہ انہیں اچھی طرح یہ بات سمجھ میں آجائے کہ اسلام کیا ہے؟ اور اس کا ہماری زندگی سے کیا تعلق ہے؟ اور مسلمان عورت کسے کہتے ہیں۔ اس سلسلہ میں صحابیات اور قرون اولیٰ کی صالح خواتین کی سیرت اور حالات کا مطالعہ بے حد مفید ثابت ہوسکتا ہے۔

(د) حسب ضرورت عصری علوم کی تعلیم

اور "ان کی شادی" کرنے کا مطلب یہ ہے کہ:

(۱) لڑکیوں کے لیے مناسب اور موزوں رشتہ کی تلاش اور پھر ان کی شادی کرنے کی ذمہ داری باپ پر ہے۔

(۲) سب سے زیادہ مناسب اور معقول بات یہ ہے کہ لڑکی کی شادی اپنے خاندان اور قبیلے میں ہونی چاہیئے لیکن اگر کوشش اور تلاش کے باوجود خاندان میں اس کی شادی کا امکان نہ ہو تو پھر خاندان سے باہر شادی کرنے میں شرعًا کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔

(۳) والدین یا لڑکی کے سرپرست کو چاہیے کہ وہ لڑکی کے لیے شوہر کا انتخاب کرنے میں اخلاق اور شرافت کو معیار بنائیں نہ کہ مال و دولت کی کثرت کو۔ بے دین اور

بد اخلاق مالدار لڑکے کے مقابلے میں شریف اور دیندار لڑکے کو ترجیح دینی چاہیے چاہے وہ زیادہ مالدار نہ ہو۔

(۴) یہ کوئی شریعت کا مسئلہ نہیں ہے کہ جس لڑکی میں بلوغت کے آثار ظاہر ہوں اس کے والدین کے گھر کا پانی پینا بھی حرام ہے جب تک وہ اس کی شادی نہ کریں لیکن شریعت یہ بھی نہیں چاہتی کہ بالغ اور جوان لڑکیوں کو زیادہ عرصہ تک مجرد رکھا جائے۔ انسانی فطرت سے آنکھیں بند کر لینا ظلم بھی ہے اور حماقت بھی۔

معیارِ زندگی کی بلندی، مہر کی مقدار کے مسئلہ اور جہیز کی کالی دیوی کو نظر انداز کر کے بہت جلد جوان لڑکی کی شادی کا انتظام کرنا چاہیے۔

(۵) ہمارے معاشرے میں بعض لڑکیوں کی شادی کی راہ میں ان کی جائداد بہت بڑی رکاوٹ ثابت ہوتی ہے۔ بعض بگڑے ہوئے رئیس اپنی جوان بیٹیوں اور بہنوں کی شادی نہیں کرتے اور انہیں تجرد کے وحشت ناک غار میں دھکیل کر اطمینان کا سانس لیتے ہیں، بالآخر وہ سسک سسک کر قبر کی آغوش میں پہونچ جاتی ہیں۔ ان غریب لڑکیوں کا جرم اس کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا کہ قانونِ وراثت کی رو سے وہ جائداد کے معقول حصہ کی وارث ہوتی ہیں یا ان کے وارث بننے کا امکان ہوتا ہے۔

(۶) اس حدیث سے یہ بات بھی اخذ کی جا سکتی ہے کہ مسلمان لڑکی کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ وہ والدین کی رائے اور تجربہ کو نظر انداز کر کے شوہر کی تلاش اور انتخاب میں پیش قدمی کرے۔

اوّلاً اس لیے کہ شرم و حیا کے فطری اور اسلامی تقاضوں کو قربان کیے بغیر یہ کام نہیں ہو سکتا۔

ثانیاً ایسے اقدام کی پشت پر صرف جذبات کی شدت ہوتی ہے، عقل کی سنجیدگی اور تجربہ کی دُور اندیشی نہیں ہوتی۔

ثالثاً خاندان اور معاشرے میں اس مزاج کی لڑکی کا احترام باقی نہیں رہتا۔

رابعاً رومانی اور جذباتی شادیوں کا انجام اور مستقبل مخدوش ہوتا ہے۔

دین اور عقلِ عام کی رو سے شادی کے معاملہ میں لڑکی کو اپنے والدین کی رائے اور فیصلہ پر مطمئن ہونا چاہیے۔

اس حدیث میں تین بیٹیوں کی کفالت کرنے اور ان سے حسنِ سلوک کرنے پر باپ کو جنّت کی بشارت دی گئی ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جو شخص ایک یا دو یا تین سے زیادہ لڑکیوں کی معاش کا کفیل ہے اور ان سے حسنِ سلوک کرتا ہے وہ اس بشارت کا مستحق نہیں ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ تین لڑکیوں کے باپ کی طرح وہ شخص بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بشارت کا مستحق ہے۔ جو ایک یا دو یا تین سے زیادہ لڑکیوں کی خلوص سے سرپرستی کرتا ہے، ان کی معاش کا کفیل ہے اور انہیں تہذیب سکھاتا ہے اور ان سے حسنِ سلوک کرتا ہے، اور ان کی شادی کرتا ہے چاہے وہ لڑکیاں اس کی بیٹیاں ہوں، یا بہنیں ہوں یا اس کی رشتہ دار ہوں، یا بے سہارا اور یتیم ہوں۔ اس وضاحت کی تائید ذیل کی حدیثوں سے ہوتی ہے۔

(۶۵) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ عَالَ جَارِيَتَيْنِ حَتّٰى تَبْلُغَا جَاءَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَنَا وَهُوَ وَضَمَّ اَصَابِعَهٗ۔

(مسلم عن انس بن مالک کتاب البر والصّلۃ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے دو لڑکیوں کی کفالت کی یہانتک کہ وہ بالغ ہوگئیں قیامت کے دن میں اور وہ اس طرح آئیں گے یہ فرما کر حضورؐ نے اپنی انگلیاں اکٹھی کرلیں۔

(۶۶) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ عَالَ ثَلٰثَ بَنَاتٍ اَوْ مِثْلَهُنَّ مِنَ الْاَخَوَاتِ فَاَدَّبَهُنَّ وَرَحِمَهُنَّ حَتّٰى يُغْنِيَهُنَّ اللّٰهُ اَوْجَبَ اللّٰهُ لَهُ الْجَنَّةَ فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَوِ اثْنَتَيْنِ؟ قَالَ اَوِ اثْنَتَيْنِ حَتّٰى لَوْ قَالُوْا اَوْ وَاحِدَةً؟ لَقَالَ وَاحِدَةً۔

(مشکوٰۃ عن ابن عباس کتاب الآداب بحوالہ شرح السُّنۃ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے تین بیٹیوں یا تین بہنوں کو پرورش کیا، ان کو اچھی تہذیب سکھائی اور ان پر مہربانی کی یہانتک کہ اللہ تعالیٰ ان کو مستغنی کردے اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت واجب کردے گا۔ ایک آدمی نے عرض کیا

اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم دو کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کا اجر بھی یہی ہے؟ آپؐ نے فرمایا ہاں۔ اس حدیث کے راوی حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں اگر لوگ ایک لڑکی کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کے متعلق سوال کرتے تو حضورؐ یہی فرماتے کہ اس سے اچھا برتاؤ کرنے والا بھی اس اجر کا مستحق ہے۔

بیوہ اور مطلقہ بیٹی کی سرپرستی

(۶۷) عَنْ سُرَاقَةَ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلَا اَدُلُّكُمْ عَلٰى اَفْضَلِ الصَّدَقَةِ اِبْنَتُكَ مَرْدُوْدَةٌ اِلَيْكَ لَيْسَ لَهَا كَاسِبٌ غَيْرُكَ۔

(مشکوٰۃ کتاب الآداب)

حضرت سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تمہیں نہ بتاؤں کہ صدقہ کا بہترین مستحق کون ہے؟ وہ تمہاری بیٹی ہے جو (مطلقہ یا بیوہ ہونے کے بعد) گھر میں واپس آجاتی ہے۔ تمہارے سوا اور کوئی اس کو نفقہ دینے والا نہیں ہے۔

تشریح: مطلقہ یا بیوہ لڑکی اپنے والد کے گھر ہی پناہ لے سکتی ہے اور وہی اس کی معاش کے کفیل ہوتے ہیں۔ فطری محبّت کی وجہ سے وہ اپنی لختِ جگر کی خاطر داری میں کوئی کسر اٹھا کر نہیں رکھتے لیکن رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس ایثار کو "بہترین صدقہ" قرار دے کر انہیں اجر و ثواب کی بشارت دی ہے۔ رحمان کریم کا اپنے ماننے والوں پر یہ لُطف وعنایت ہے کہ وہ انہیں اس کام پر بھی اجر و انعام عطاء فرماتا ہے جس کے کرنے پر وہ فطرۃً مجبور ہیں۔

رشحات

تمدّنی زندگی کی بقاء اور تسلسل کے لیے ضروری ہے کہ ایک نسل کی جگہ —— اس کے جانے کے بعد —— دوسری نسل لے۔ یہ بات نکاح کے اہم مقاصد میں سے ہے کہ تعلق زن و

شو کے نتیجہ میں اولاد پیدا ہو تاکہ والدین کی وفات کے بعد وہ اجتماعی زندگی میں ان کی جگہ لے سکے۔
والدین پر "اولاد کے حقوق" کے سلسلہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اصولی ہدایات دی ہیں ان کا ملخص یہ ہے:

جب لڑکا یا لڑکی پیدا ہو تو اس کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہی جائے۔

عقیقہ کرنا مسنون ہے۔ اگر مولود، لڑکا ہو تو دو بکریاں اور لڑکی ہو تو ایک بکری اللہ کے نام پر ساتویں دن ذبح کی جائے۔ اس کا نام رکھا جائے اور اس کے سر کے بالوں کو مونڈ کر اس کے وزن کے برابر چاندی صدقہ کی جائے۔ جو شخص عقیقہ کرنے کی استطاعت نہ رکھتا ہو وہ پہلے دن بچے کا نام رکھے، اور اس کے سر کے بالوں کے ہم وزن چاندی کی قیمت صدقہ کرے۔

(۳) بچے کا نام رکھنے میں یہ اصول پیش نظر رہے کہ لغو اور مہمل نہ ہو۔
اس میں اللہ تعالیٰ یا اس کی کسی صفت کی طرف بندگی کی نسبت ہو مثلاً عبداللہ یا عبدالرحمٰن۔
انبیاء اور صالحین کے نام پر بھی بچوں کے نام رکھے جا سکتے ہیں۔
اس میں اللہ کے سوا کسی دوسرے کی طرف بندہ ہونے کی نسبت نہ کی گئی ہو۔

(۴) ولادت کے بعد ماں کے دودھ سے پہلے کسی متقی اور صالح مرد یا عورت کا لعاب دہن بچے کے منہ میں ڈالنا چاہیے۔

(۵) والدین کو اپنے چھوٹے بچوں کا بوسہ بھی لینا چاہیے۔

(۶) اور ان کی تہذیب و تربیت پر خاص توجہ دینی چاہیے۔ سات برس کی عمر تک ان کو نماز ادا کرنے کی تلقین کرنی چاہیے۔ اگر کوئی دس سالہ بچہ نماز ادا کرنے میں کوتاہی یا سستی کرے تو اس کی پٹائی کرنی چاہیے۔ اس عمر میں بچوں کو خوابگاہ میں اکٹھے نہ سونے دینا چاہیے۔

(۷) لڑکوں اور لڑکیوں کو دین کا علم سکھانا چاہیے اور عصری علوم کی تعلیم بھی دینی چاہیے۔

(۸) ماں باپ اپنے بچوں کے ساتھ مساویانہ برتاؤ کریں۔ عطیہ دینے یا ہبہ کرنے میں ایک کو دوسرے پر ترجیح نہ دیں۔ بیٹی کے مقابلہ میں بیٹے کے ساتھ امتیازی برتاؤ نہ کریں۔

(۹) لڑکیوں کو تہذیب سکھائیں، ان سے مہربانی کا برتاؤ کریں اور ان کی شادی کریں۔

اگر خدانخواستہ کوئی لڑکی بیوہ یا مطلقہ ہو جائے تو شفقت کے ساتھ اس کی کفالت اور سرپرستی کریں۔

اس شخص کے جنتی ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے جو اپنی لڑکیوں کی کفالت کرتا ہے، انہیں تہذیب سکھاتا ہے اور ان کے ساتھ شفقت کا برتاؤ کرتا ہے۔

(۱۰) اسلامی نقطۂ نگاہ سے والدین کا لڑکی کو حقارت کی نگاہ سے دیکھنا، اُسے ذلیل کرنا یا اُسے وراثت سے محروم کرنے کی کوشش کرنا بڑا گناہ ہے۔

باب اوّل

(۵)

والدین کے حقوق

سب سے زیادہ محبوب عمل

(۶۸) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍؓ قَالَ سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَیُّ الْاَعْمَالِ اَحَبُّ اِلَى اللّٰهِ ؟ قَالَ الصَّلٰوةُ عَلٰى وَقْتِهَا قُلْتُ ثُمَّ اَیٌّ ؟ قَالَ ثُمَّ بِرُّ الْوَالِدَيْنِ قُلْتُ ثُمَّ اَیٌّ ؟ قَالَ ثُمَّ الْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔

(مسلم کتاب الایمان باب بیان کون الایمان باللہ افضل الاعمال، جلد اول)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا اللہ کے ہاں کون سا عمل سب سے زیادہ محبوب ہے؟ آپؐ نے فرمایا: نماز کو وقت پر ادا کرنا۔ میں نے عرض کیا پھر کون سا عمل؟ (اللہ کے ہاں سب سے زیادہ محبوب ہے؟) آپؐ نے فرمایا "ماں باپ کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا"، میں نے عرض کیا پھر کون سا عمل؟ (اللہ کو زیادہ پسند ہے؟) آپؐ نے فرمایا: اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔

تشریح: (۱) اللہ سے محبت کرنے اور اس کی بارگاہ میں عاجزی اور محتاجی کا مظاہرہ کرنے کا بہترین ذریعہ "نماز" ہے۔ یہ غلام اور آقا کے درمیان رابطہ کا کام دیتی ہے، بلکہ سچی بات یہ ہے کہ بندہ اپنے آقا کا قرب اس کے بغیر حاصل نہیں کر سکتا۔ اللہ کے مخلص اور وفادار بندے نماز کے اوقات کا بڑی بے چینی سے انتظار کرتے رہتے ہیں۔ اذان سنتے ہی مسجد کا رُخ کرتے ہیں، وضو کر کے سکون اور دل جمعی سے محبوب حقیقی کی بارگاہ میں خلوص اور محبت کا ھدیہ پیش کرتے ہیں، وہ اللہ سے محبت کرتے ہیں اور اللہ ان سے محبت کرتا ہے۔ فرمانبردار غلاموں کو اپنے مالک سے راز و نیاز کی باتیں کرنے سے جو روحانی لذّت حاصل ہوتی ہے دنیا کی کوئی نعمت اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ وقت پر نماز ادا کرنے کو اللہ کے ہاں سب سے زیادہ محبوب عمل بتایا گیا ہے۔ وقت پر نماز ادا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اوّل وقت میں نماز ادا کی جائے یا متعیّن وقت کے درمیانی حصّہ میں ادا کی جائے۔ نماز کی اس فضیلت سے وہ لوگ محروم ہوتے ہیں جو اذان سُن کر گپیں ہانکتے رہتے ہیں یا اپنے کاروبار میں مشغول رہنے کی وجہ سے وقت کے آخری حصّہ میں یا وقت گزرنے کے بعد مارا ماری کی نماز پڑھتے ہیں۔

(۲) وقت پر نماز ادا کرنے کے بعد اللہ کی نگاہ میں سب سے افضل اور محبوب عمل "ماں باپ کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا" ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کی توحید کے بعد سب سے زیادہ اہمیت ماں باپ کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کو دی گئی ہے۔ یہ اسلامی معاشرت کا بنیادی اصول ہے جو خاندان کے نظام کو مضبوط اور مفید بناتا ہے۔ اس سے معاشرے میں خیر و فلاح اور یکجہتی پیدا ہوتی ہے۔

ماں باپ سے اچھا برتاؤ کرنا اولاد پر فرض ہے، بلکہ یہ ان کا حق ہے چاہے ماں باپ مسلمان ہوں یا غیر مسلم:

۱۔ اولاد ان کا ادب واحترام کرے۔
۲۔ اگر وہ تنگدست یا مقروض ہوں تو ان کی مالی اعانت کرے۔
۳۔ ان کے دل کو مسرت اور راحت پہنچائے۔
۴۔ اگر وہ بیمار پڑ جائیں تو ان کے علاج و معالجہ میں دلچسپی لے۔
۵۔ ان کی خدمت کرنے میں کوتاہی نہ کرے اور:
۶۔ ان کی فرماں برداری کرے۔

لیکن یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ اللہ کا حق والدین کے حق پر مقدم ہے۔ والدین اولاد سے اگر کسی ایسی بات کا مطالبہ کریں جسے اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا تو وہ بغیر کسی تامل کے اُسے مسترد کر دے۔ مؤمن اولاد، اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور غضب کا خطرہ مول لے کر والدین کو راضی کرنے کی کوشش نہ کرے۔ اس سلسلہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس اصولی ہدایت کو ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہیے۔ کہ:

لَاطَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِيْ مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ۔

"خالق کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی اطاعت جائز نہیں ہے۔"

یعنی مخلوق کے کسی فرد کی اطاعت، اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے مدمقابل نہ ہو۔

اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰۤى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا

وَصَاحِبْهُمَا فِی الدُّنْیَا مَعْرُوْفًا وَّاتَّبِعْ سَبِیْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَیَّ۔

(لقمان آیت ۱۵)

اگر وہ دونوں تجھ پر دباؤ ڈالیں کہ میرے ساتھ تو کسی ایسے کو شریک کرے جسے تو نہیں جانتا تو ان کی بات ہرگز نہ مان۔ دنیا میں ان کے ساتھ نیک برتاؤ کرتا رہ مگر پیروی اس شخص کے راستے کی کر جس نے میری طرف رجوع کیا ہے"۔

مطلب یہ ہے کہ اگر والدین، اولاد کو کفر اور شرک کی دعوت دیں یا انہیں خدا اور اُس کے رسول کے نافرمانی کا حکم دیں تو ان کی بات نہ مانی جائے۔

اللہ تعالیٰ نے اُن سے نیک برتاؤ کرنے اور ان کی خدمت کرنے کا حکم دیا ہے لیکن انہیں اس بات کی اجازت نہیں دی ہے کہ وہ اپنی اولاد کے دین اور ایمان سے کھیلیں۔

(۳) اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے "اللہ کی راہ میں جہاد کرنے" کو سب سے زیادہ پسندیدہ قرار دیا ہے۔

"جہاد" کے معنی ہیں کسی مقصد کو حاصل کرنے کے لیے انتہائی کوشش کرنا۔

"اللہ کی راہ" کے معنی ہیں اللہ کے کلمہ کو بلند کرنا اور زمین پر خدا کی شریعت کو غالب کرنا۔

اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کلمہ کو بلند کرنے اور زمین پر خدا کی شریعت کو غالب کرنے کی بھرپور کوشش کرنا۔ اپنی قوتوں اور صلاحیتوں کو اس مقصد کے حصول کے لیے وقف کر دینا۔

اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں یہ عمل بہت محبوب ہے کہ انسان اس کے کلمہ کو بلند کرنے اور زمین پر اس کی شریعت کو غالب کرنے کے لیے بھرپور کوشش کرے۔ ربّ کائنات کے نزدیک وہ "مجاہد" بہت محبوب ہے جو اس عظیم الشان مقصد کے حصول کے لیے اپنی صلاحیتوں اور توانائیوں کو کھپا دیتا ہے۔ اس راہ میں وہ کھلے دل سے مال خرچ کرتا ہے، اس کی کامیابی کے لیے وہ تدبیریں سوچتا ہے، منصوبے بناتا ہے، اسکیمیں تیار کرتا ہے اور ان کو عملی جامہ پہنانے کے لیے خلوص اور شوق سے دوڑ دھوپ کرتا ہے۔ اس راہ میں آنے والی مشکلات اور مصائب کو خندہ پیشانی سے برداشت کرتا ہے۔ اگر ضرورت پڑے تو محبوب حقیقی کی

خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اپنی جان بھی قربان کر دیتا ہے۔ جو شخص صرف اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لیے اس طریقہ سے اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا محبوب ترین بندہ ہے۔ اس کا یہ عمل بارگاہِ خداوندی میں نہایت وقیع اور قابلِ قدر ہے۔

جنّت اور بوڑھے والدین

(۶۹) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَغِمَ اَنْفُہٗ، رَغِمَ اَنْفُہٗ، رَغِمَ اَنْفُہٗ، قِیْلَ مَنْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ؟ قَالَ مَنْ اَدْرَکَ وَالِدَیْہِ عِنْدَہُ الْکِبَرُ اَحَدَھُمَا اَوْ کِلَیْھِمَا ثُمَّ لَمْ یَدْخُلِ الْجَنَّۃَ۔

(مسلم عن ابی ہریرہ کتاب البرّ والصّلۃ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار فرمایا: وہ ذلیل اور رُسوا ہوا۔ عرض کیا گیا حضورؐ! کون؟ فرمایا: جس کے پاس بوڑھے والدین ــــ یا ان میں سے کوئی ایک یا دونوں ــــ موجود ہوں اور وہ جنت میں نہ جائے۔

تشریح: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص پر رنج اور افسوس کا اظہار فرمایا ہے جو اپنے بوڑھے والدین کے ساتھ نیک سُلوک نہ کرنے کے باعث ذلّت اور رُسوائی کا مستحق ٹھہرا اور اس کوتاہی کی وجہ سے بہشت سے محروم ہوا۔

اس سے ثابت ہوا کہ وہ شخص جنت کا مستحق ہے جو بوڑھے اور کمزور ماں باپ کی خدمت گزاری، خاطر داری اور مالی اعانت کرنے میں کوتاہی نہیں کرتا۔

بڑھاپے اور جسمانی کمزوری کی وجہ سے والدین کو خدمت گذاری کی ضرورت ہوتی ہے اور خواہش بھی اس لیے اولاد کو ان کے ساتھ زیادہ سے زیادہ نیک سُلوک کرنا چاہیے۔ اگر وہ معاشی لحاظ سے کمزور ہوں تو ان کی مالی اعانت کرے، اگر وہ بیمار ہوں تو ان کی تیمار داری اور علاج معالجہ میں بھرپور حصّہ لے، اگر وہ کسی مصیبت اور پریشانی کا شکار ہوں تو ان کی غمگساری اور دل جوئی میں کسر اٹھا کر نہ رکھے، کثرت سے ان کی زیارت کرتا رہے، ان کے ساتھ بات چیت کرنے میں ادب و احترام کو ملحوظ رکھے، ان کے پیچھے چلے، مجلس میں ان کی عزّت کرے، ان کی غیبت اور ایذا کو برداشت نہ کرے۔

والدین کی خدمت

(۷۰) جَآءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَاْذِنُهٗ فِي الْجِهَادِ فَقَالَ اَحَيٌّ وَّالِدَاكَ؟ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَفِيْهِمَا فَجَاهِدْ۔

(مسلم عن عبداللہ بن عمرو کتاب البر والصلۃ۔ بخاری کتاب الجہاد، کتاب الادب)

ایک آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے جہاد پر جانے کی اجازت چاہی، آپؐ نے فرمایا: کیا تیرے والدین زندہ ہیں؟ اس نے عرض کیا۔ ہاں! آپؐ نے فرمایا: تو ان کے حق میں جہاد کر۔

تشریح: "جہاد" میں جسم کو تھکا دینے والی دوڑ دھوپ کرنا پڑتی ہے اور مقصد کو حاصل کرنے کے لیے مال بھی خرچ کرنا پڑتا ہے۔

"ماں باپ کے حق میں جہاد کرو" کا مطلب یہ ہے کہ ان کو راحت اور آرام پہنچانے کے لیے ان پر اپنا مال خرچ کرو، ان کی خدمت اور فرمانبرداری میں اس حد تک محنت کرو جو تمہارے جسم کو تھکا دے، ان کی دل جوئی اور رضا طلبی کے لیے سرگرم ہو جاؤ۔

اس کی مزید وضاحت حسب ذیل روایات سے ہوتی ہے:

(۱) جاہمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں "میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپؐ سے جہاد میں شریک ہونے کا مشورہ طلب کیا۔ آپؐ نے فرمایا: کیا تیرے ماں باپ موجود ہیں؟ میں نے عرض کیا جی ہاں! آپؐ نے فرمایا: تو ان کے ساتھ رہ، جنت ان کے پاؤں کے نیچے ہے۔ (ان کے ساتھ نیک سلوک کرنے سے جنت ملے گی)

(مشکوٰۃ کتاب الادب بحوالہ طبرانی)

(۲) ایک آدمی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا آپؐ سے "ہجرت" (اللہ کی رضا کے لیے ترکِ وطن) پر بیعت کرنے کے لیے آیا ہوں اور میں (اس ارادہ کی وجہ سے) اپنے ماں باپ کو روتا ہوا چھوڑ آیا ہوں، آپؐ نے فرمایا: ان کے پاس لوٹ جا اور انہیں ہنسا جیسا کہ تو نے رلایا۔

(ابوداؤد عن عبداللہ بن عمرو کتاب الجہاد)

(۳) ایک آدمی یمن سے ہجرت کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپؐ نے اس سے پوچھا: یمن میں تیرا کوئی رشتہ دار بھی ہے؟ اس نے عرض کیا: "والدینؒ ہیں۔ آپؐ نے اس سے سوال کیا، کیا انہوں نے تجھے اس (ہجرت) کی اجازت دی ہے۔ اس نے عرض کیا "نہیں"، آپؐ نے فرمایا: لوٹ جا اور ان سے اجازت لے۔ اگر وہ تجھے اجازت دیں تو جہاد میں حصّہ لے ورنہ ان کے ساتھ نیک سُلوک کرتا رہ۔ (ابوداؤد عن ابی سعید الخدری کتاب الجہاد)

مذکورہ بالا جن افراد کو نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے جہاد اور ہجرت کے مقابلہ میں والدین کے ساتھ نیک سُلوک کرنے کا حکم دیا تھا ان کے والدین نہایت بوڑھے اور نحیف ہونے کی وجہ سے خدمت کے بے حد محتاج تھے۔

جمہور علماء کے نزدیک یہ اس صورت میں ہے جب کہ "جہاد" فرض کفایہ ہو، اور اس کے والدین شدید بڑھاپے، جسمانی کمزوری اور بیماری کی وجہ سے اس کی خدمت کے سخت محتاج ہوں۔ اور اس کے علاوہ کوئی دوسرا رشتہ دار اُن کی خبر گیری کرنے والا نہ ہو۔

لیکن اگر دشمن کے شدید جارحانہ حملوں اور اس کی غیر معمولی عسکری قوت کی وجہ سے اسلامی ریاست کے سب مسلمانوں پر جہاد فرض عین ہو چکا ہو تو پھر "مسلمان مجاہد"، کو ماں باپ سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ ان کی مخالفت اور مزاحمت کے باوجود وہ کفن بردوش ہو کر میدان جہاد میں کود پڑے۔

ماں کا حق

(۷۱) جَآءَ رَجُلٌ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ مَنْ اَحَقُّ بِحُسْنِ صَحَابَتِیْ؟ قَالَ اُمُّكَ، قَالَ ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ اُمُّكَ، قَالَ ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ ثُمَّ اُمُّكَ، قَالَ ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ ثُمَّ اَبُوْكَ۔

(بخاری عن ابی ہریرۃ کتاب الادب مسلم کتاب البرّ والصّلۃ)

ایک آدمی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس نے عرض کیا اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کس کا حق خدمت مجھ پر زیادہ ہے؟ آپؐ نے فرمایا: تیری ماں کا، اس نے عرض کیا اس کے بعد پھر کون؟ آپ نے فرمایا: تیری ماں کا،

اس نے عرض کیا اس کے بعد پھر کون ؟ آپؐ نے فرمایا: تیری ماں کا، اس نے عرض کیا اس کے بعد پھر کون ؟ آپؐ نے فرمایا: تیرے باپ کا۔

تشریح: اولاد کو ماں باپ کا ادب واحترام کرنا چاہیے۔ اور ان دونوں کی خدمت کرنی چاہیے لیکن بعض وجوہ کی بنا پر ماں کا حق زیادہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا ۖ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَوَضَعَتْهُ كُرْهًا ۖ وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا۔ (الاحقاف آیت ۱۵)

ہم نے انسان کو ہدایت کی ہے کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ نیک برتاؤ کرتا رہے۔ اس کی ماں نے مشقت اٹھا کر اسے پیٹ میں رکھا، اور مشقت اٹھا کر ہی اس کو جنا۔ اور اس کے حمل اور دودھ چھڑانے میں تیس مہینے لگ گئے۔

ماں کا تہرا حق بنتا ہے، اولاد باپ کے مقابلہ میں ماں کے ساتھ تین گنا زیادہ اچھا برتاؤ کرے کیوں کہ:

۱۔ وہ حمل کا بوجھ اٹھاتی ہے۔
۲۔ وضع حمل کی جان لیوا تکلیف برداشت کرتی ہے۔
۳۔ اپنے دودھ سے بچے کی نشوونما کرتی ہے۔
۴۔ بچے کی بیماری، بے خوابی اور تکلیف میں وہ اپنے آرام اور نیند کی پروا نہیں کرتی۔
۵۔ شیر خوارگی کے دور سے بچپن تک اس کی نگرانی، دیکھ بھال اور پرورش کی ذمہ دار بھی وہی ہے۔

ایک روایت میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اپنی (کمزور اور بوڑھی) ماں کی خدمت گزاری میں رہنے کی وجہ سے حج پر نہیں جاتے تھے، یہاں تک کہ ان کی والدہ محترمہ کا انتقال ہو گیا۔ (مسلم کتاب الایمان باب صحبۃ الممالیک)

کیوں کہ ماں کی خدمت کرنا نفل حج پر مقدم ہے۔

رضاعی ماں

(۷۲) عَنْ اَبِی الطُّفَیْلِ قَالَ رَأَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقْسِمُ لَحْمًا بِالْجِعِرَّانَۃِ اِذْ اَقْبَلَتِ امْرَأَۃٌ حَتّٰی دَنَتْ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَبَسَطَ لَھَا رِدَاءَہٗ فَجَلَسَتْ عَلَیْہِ فَقُلْتُ مَنْ ھِیَ؟ فَقَالُوْا ھِیَ اُمُّہُ الَّتِیْ اَرْضَعَتْہُ۔ (ابوداؤد کتاب الادب باب فی برالوالدین)

حضرت ابوالطفیل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ''جعرانہ'' میں گوشت تقسیم کرتے ہوئے دیکھا۔ جب ایک خاتون نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں آئی یہاں تک کہ وہ آپؐ کے قریب ہوئی (آپؐ اس کے احترام کے لیے کھڑے ہوئے اور) آپؐ نے اس کے لیے اپنی چادر بچھادی، وہ اس پر بیٹھ گئی۔ میں نے پوچھا وہ کون ہے؟ لوگوں نے بتایا وہ آپؐ کی رضاعی ماں ہے۔

تشریح: یہ خاتون قبیلۂ ہوازن کی حلیمہ بنت ابی ذویب ہیں۔ اور یہ واقعہ اس وقت پیش آیا جب غزوۂ حنین (شوال ۸ھ) کے مالِ غنیمت کی تقسیم کے لیے آپؐ نے جعرانہ کے مقام پر چند روز قیام فرمایا تھا۔

بعض روایات میں حضرت حلیمہ، ان کے شوہر حارث بن عبدالعزیٰ اور ان کے لڑکے عبداللہ بن حارث کا آپؐ کی خدمت میں آنا اور آپؐ کا ان سے احترام کا برتاؤ کرنا بھی ثابت ہے۔

ابولہب کی لونڈی ثویبہ نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ پلایا تھا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شادی کے بعد ثویبہ حضورؐ کی خدمت میں آتی تو آپؐ اس کا احترام کرتے اور مدینہ منورہ سے بھی آپؐ اس کے پاس کپڑوں کا جوڑا اور تحائف بھیجتے تھے۔

اسلامی معاشرت میں رضاعت کا رشتہ بھی قابلِ احترام ہے۔ انسان اپنی رضاعی ماں کا احترام کرے اور ہمیشہ اس سے نیک برتاؤ کرتا رہے اور اس کی وجہ سے رضاعی باپ اور رضاعی بہن بھائیوں سے بھی احترام اور مروّت سے پیش آئے۔

غیر مسلم والدین سے صلہ رحمی

(۳۱) عَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ اَبِیْ بَکْرٍ قَالَتْ قَدِمَتْ عَلَیَّ اُمِّیْ وَھِیَ مُشْرِکَۃٌ فِیْ عَھْدِ قُرَیْشٍ وَمُدَّتِھِمْ اِذْ عَاھَدُوا النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَعَ اَبِیْھَا فَاسْتَفْتَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ اِنَّ اُمِّیْ قَدِمَتْ وَ ھِیَ رَاغِبَۃٌ قَالَ نَعَمْ، صِلِیْ اُمَّکِ۔ (بخاری کتاب الادب ـ مسلم کتاب الزکوٰۃ)

حضرت اسماءؓ بنت ابی بکرؓ سے روایت ہے وہ کہتی ہیں کہ میری ماں، اپنے باپ کے ساتھ میرے پاس آئی درانحالیکہ وہ مشرکہ تھی (یہ اس دور کا واقعہ ہے) جبکہ قریش مکہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ نہ کرنے کا معاہدہ کر رکھا تھا تو میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ مسئلہ دریافت کیا کہ حضور! میری ماں آئی ہے اور وہ چاہتی ہے کہ میں اس کی مالی اعانت کروں۔ آپؐ نے فرمایا: ہاں تو اپنی ماں کے ساتھ صلہ رحمی کر۔

تشریح: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جاہلیت کے زمانہ میں اپنی بیوی قُتَیلہ بنت عبد العزّٰی کو ـــــ جو کہ حضرت اسماءؓ اور عبداللہ کی والدہ تھی ـــــ طلاق دی تھی۔ صلح حدیبیہ ۶ھ کے معاہدہ کے بعد قتیلہ اپنے باپ کے ساتھ مکہ سے مدینہ اپنی بیٹی حضرت اسماءؓ سے ملنے آئی۔ وہ اپنی بیٹی کے لیے منقّیٰ، گھی اور چمڑا رنگنے کے پتّے بھی اپنے ساتھ لائی تھی لیکن حضرت اسماءؓ کو اس کے مشرکانہ عقائد کی بنا پر اس سے حسنِ سلوک کرنے میں تأمّل تھا اس لیے انہوں نے اس سلسلہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے رجوع کیا کہ مجھے اس کے ساتھ کیا رویّہ اختیار کرنا چاہیے۔؟ ماں ہونے کی حیثیت سے تو وہ میرے احترام اور حسنِ سلوک کی مستحق ہے، مشرکانہ عقائد کی حامل ہونے کی بنا پر وہ اس لائق ہے کہ میں اس سے کسی نوع کا بھی تعلق اور رابطہ نہ رکھوں؟ آپؐ نے اسے ماں سے حسنِ سلوک کرنے اور رشتۂ قرابت کو ملحوظ رکھنے کی ہدایت فرمائی۔

کیونکہ عقیدہ اور نظریہ کے اختلاف کے باوجود کسی مسلمان کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ وہ اپنے ماں باپ کا احترام نہ کرے، ان کے حقوق ادا نہ کرے اور ان سے اچھا برتاؤ نہ کرے۔

اسلام کے معاشرتی نظام میں ماں باپ کا احترام، ان کی اطاعت اور خدمت کرنا فرض ہے چاہے وہ غیر مسلم ہوں۔

ہاں! اگر وہ گناہ یا کفر کا حکم دیں تو اُن کی اطاعت نہ کی جائے۔ والدین کے کفر، الحاد اور فسق و فجور کی وجہ سے ان کے معاشرتی حقوق تلف کرنا جائز نہیں ہے۔

ماں باپ کی نافرمانی کرنا

(۴۷) عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْكَبَائِرِ قَالَ الشِّرْكُ بِاللّٰهِ، وَ عُقُوْقُ الْوَالِدَيْنِ وَقَتْلُ النَّفْسِ وَقَوْلُ الزُّوْرِ۔

(مسلم عن انس کتاب الایمان باب الکبائر)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کبیرہ گناہوں کے سلسلہ میں فرمایا: (ان میں سے بعض یہ ہیں)

۱۔ اللہ کے ساتھ شرک کرنا۔

۲۔ والدین کی نافرمانی کرنا۔

۳۔ کسی انسان کو قتل کرنا۔

۴۔ جھوٹی بات کہنا۔

تشریح: چھوٹے گناہ کو "صغیرہ" اور بڑے گناہ کو کبیرہ کہا جاتا ہے۔ نماز، روزہ، حج، اور اس طرح کی دوسری عبادات اور نیکیوں سے "چھوٹے گناہ" معاف ہو جاتے ہیں۔

رہے "بڑے گناہ" تو وہ دو قسم کے ہیں:

۱۔ وہ گناہ جس کا تعلق "حقوق اللہ" سے ہو۔

یعنی انسان نے اللہ تعالیٰ کا حق ادا نہ کیا ہو۔

وہ صرف سچی توبہ اور استغفار سے ہی معاف ہو سکتا ہے۔

۲۔ وہ گناہ جس کا تعلق "حقوق العباد" سے ہو۔

یعنی بندوں میں سے کسی ایک کا یا بہت سے لوگوں کا اس نے حق تلف کیا ہو۔ آدمی اس کی سزا سے بچ سکتا ہے بشرطیکہ وہ شخص اسے معاف کر دے جس کا اس نے جرم کیا ہے یا حق مارا ہے۔

وثوق کے ساتھ کبیرہ گناہوں کی تعداد نہیں بتائی جاسکتی، البتہ قرآن وحدیث میں ایسی نشانیاں بتائی گئی ہیں جن سے کبیرہ گناہوں کی تعیین ہوسکتی ہے۔ اصولاً "کبیرہ" اس گناہ کو کہتے ہیں

(۱) جس کے مرتکب کو اللہ تعالیٰ نے عذاب دوزخ کی دھمکی دی ہے

(۲) یا اس پر لعنت کی ہے

(۳) یا صراحت کے ساتھ اس سے روکا ہے

(۴) یا اس پر اپنے غضب کا اظہار کیا ہے

(۵) یا دنیا میں اس پر حد مقرر کی ہے

(۶) یا اسے حرام قرار دیا ہے

(۷) یا اس کام پر فسق کا اطلاق کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے بندوں کو اپنی عبادت کا حکم دیا ہے کہ تم صرف میری ہی بندگی اور اطاعت کرو، اس کے بعد اس نے یہ حکم دیا ہے کہ تم والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو۔

اسی طرح اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے جس گناہ عظیم سے روکا ہے وہ ہے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک اور ساجھی قرار دینا۔ بندوں پر یہ اللہ کا حق ہے کہ وہ اس کے ساتھ کسی کو بھی اس کا شریک نہ ٹھہرائیں اور اس ایک خدا کی بندگی اور اطاعت کریں جو ان کا اور اس کائنات کا خالق اور مالک ہے جس میں وہ رہتے ہیں۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس بڑے گناہ سے لوگوں کو منع کیا ہے وہ ہے "والدین کی نافرمانی"، بلکہ آپؐ نے شرک کے بعد اس کو سب سے بڑا گناہ قرار دیا ہے۔

والدین یا ان میں سے کسی ایک کی نافرمانی کرنے کی صورتیں یہ ہوسکتی ہیں:

۱۔ ان کو اُف کہنا۔

۲۔ انہیں جھڑک کر جواب دینا۔

۳۔ سخت اور تلخ لب ولہجہ میں ان سے گفتگو کرنا۔

۴۔ انہیں ایذا دینا۔

۵۔ ان کی دلآزاری کرنا۔

۶۔ اور ان سے بے رُخی سے پیش آنا۔

اولاد کی پیدائش سے جوانی تک، نشوونما اور تربیت کے سارے مراحل والدین کے زیرِ سایہ ہی طے ہوتے ہیں۔ یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ والدین کی عمر بھر خدمت گاری اور دل جوئی ان احسانات کا بدل نہیں ہو سکتی جو انہوں نے اپنے لختِ جگر پر کیے تھے اس لیے ان کی نافرمانی کرنا اور انہیں ایذا دینا ناشکری اور نمک حرامی بھی ہے۔

تیسرا سب سے بڑا گناہ کسی انسان کو قتل کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں یہ بڑا سنگین جرم ہے کیوں کہ اس سے معاشرے کا امن و سکون تباہ ہو جاتا ہے۔

اور چوتھا بڑا گناہ جھوٹی بات کہنا ہے۔ اس کا اطلاق جھوٹ، بہتان اور جھوٹی گواہی پر ہوتا ہے۔

ماں باپ کا نافرمان جنّت میں نہ جائے گا

(۷۵) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنَّانٌ وَ لَا عَاقٌّ وَلَا مُدْمِنُ خَمْرٍ۔

(مشکوٰۃ عن عبد اللہ بن عمرو کتاب الآداب بحوالہ طبرانی و نسائی۔ نسائی کتاب الاشربہ فی المدمن فی الخمر)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت میں نہ جائے گا:

۱۔ وہ شخص جو (دے کر) احسان جتانے والا ہو۔ اور

۲۔ وہ شخص جو (اپنے والدین یا ان میں سے کسی ایک کی) نافرمانی کرنے والا ہو اور

۳۔ وہ شرابی جو توبہ نہ کرے۔

تشریح۔ ایک اور روایت میں ہے کہ:

"اپنے والدین کی نافرمانی کرنے والے پر اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نگاہِ رحمت نہیں ڈالے گا۔" (نسائی)

جو شخص اپنے والدین کے حقوق ادا نہیں کرتا وہ قیامت کے دن ربِّ رحیم کی نگاہِ رحمت

سے محروم ہوگا اور جنّت میں بھی نہ جا سکے گا۔ جو شخص اپنے والدین کے احسان کی قدر نہیں کرتا اور ان کی مہربانیوں کا اعتراف نہیں کرتا بلکہ انہیں اذیّت دے کر اور ان کی دل آزاری کر کے ان کی شفقت کا مذاق اڑاتا ہے وہ رحمان کی رحمت کا مستحق کیوں ہو؟ ایسے بے شرم کو تو جنت میں جانے کا حق بھی نہیں ہے۔

والدین کی نافرمانی کرنے پر دنیا میں سزا

(۷۶) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کُلُّ الذُّنُوْبِ یَغْفِرُ اللّٰہُ مِنْھَا مَاشَآءَ اِلَّا عُقُوْقَ الْوَالِدَیْنِ فَاِنَّہٗ یُعَجِّلُ لِصَاحِبِہٖ فِی الْحَیٰوۃِ قَبْلَ الْمَمَاتِ۔ (مشکوٰۃ عن ابی بکرۃ کتاب الآداب باب البرّ والصّلۃ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، سارے گناہوں کی حیثیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان میں سے جس گناہ کو چاہے گا معاف فرما دے گا مگر "والدین کی نافرمانی کرنے" کے متعلق اس نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ اس جرم کے مرتکب کو اس کی وفات سے پہلے دنیا میں سزا دے کر رہے گا۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے قرآن میں یہ اعلان کیا ہے کہ وہ "شرک" کو بالکل معاف نہیں فرمائے گا اور "مشرک" کو ہمیشہ دوزخ میں رہنا پڑے گا۔ شرک کے علاوہ باقی جتنے گناہ ہیں اللہ تعالیٰ ان میں سے جس گناہ کو معاف فرمانا چاہیں، معاف فرما دیں گے لیکن ان گناہوں میں سے ایک گناہ ایسا بھی ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ اس کے مرتکب کو اس کی وفات سے پہلے دنیا میں سزا دے، اور اُسے آخرت پر اُٹھا کر نہ رکھے وہ ہے "والدین کی نافرمانی کرنا"۔

ماں باپ کی نافرمانی کرنے والے کو نہ صرف یہ کہ قیامت کے دن اس جرم کی سزا ملے گی بلکہ وہ دنیا میں بھی مرنے سے پہلے اس بے ہودگی اور گستاخی کا مزہ چکھ کر رہے گا۔

والدین کو گالی دینے والا ملعون ہے

(۷۷) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَعَنَ اللّٰہُ مَنْ لَعَنَ وَالِدَیْہِ۔

(مسلم عن علی کتاب الصید والذبائح)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ماں باپ پر لعنت کرنے والا اللہ کے ہاں ملعون ہے۔

تشریح: ایک اور حدیث میں ہے:

مَلْعُوْنٌ مَنْ سَبَّ اٰبَاہُ، مَلْعُوْنٌ مَنْ سَبَّ اُمَّہٗ۔ (مسند احمد ۱۸۷۵)

"لعنت ہے اس شخص پر جو اپنے ماں باپ کو گالیاں دیتا ہے۔"

اولاد پر ماں باپ کا احترام کرنا فرض ہے۔ جو شخص اپنے والدین کا یا ان میں سے کسی ایک کا احترام نہیں کرتا، بلکہ انہیں گالیاں دیتا ہے یا ان پر لعنت کرتا ہے وہ ملعون ہے۔

وہ بدبخت ربّ کریم کی رحمت کا کس طرح مستحق ہو سکتا ہے جو اپنے ماں باپ کا شکر گزار ہونے کے بجائے انہیں گالیاں دے اور ان پر لعنت کرے۔ والدین اپنی اولاد کی پرورش، نگہداشت اور ناز برداری پر جو زحمت برداشت کرتے ہیں اور محنت کرتے ہیں کیا انہیں اس کا یہ صلہ ملنا چاہیے کہ صاحبزادے ان کی غیبت کرتے پھریں، ان کے خلاف بہتان باندھیں، اور معاشرے میں انہیں بدنام اور رسوا کرنے کی کوشش کریں۔

البتہ کمینہ فطرت اولاد، اللہ کے غضب کی مستحق ہوتی ہے۔ ربّ ذوالجلال ایسے لوگوں پر نہ صرف یہ کہ رحم نہیں فرماتا بلکہ انہیں دھتکار دیتا ہے اور زیر عتاب رکھتا ہے۔

والدین کو گالی دینا

(۷۸) اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مِنَ الْکَبَائِرِ شَتْمُ الرَّجُلِ وَالِدَیْہِ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ھَلْ یَشْتِمُ الرَّجُلُ وَالِدَیْہِ؟ قَالَ نَعَمْ یَسُبُّ اَبَا الرَّجُلِ فَیَسُبُّ اَبَاہُ وَیَسُبُّ اُمَّہٗ فَیَسُبُّ اُمَّہٗ۔ (مسلم عن عبداللہ بن عمرو کتاب الایمان، بخاری کتاب الادب)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آدمی کا اپنے ماں باپ کو گالی دینا بڑے گناہوں میں سے ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا آدمی اپنے والدین کو گالی دے سکتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں، وہ ایک شخص کے باپ کو گالی دیتا ہے تو وہ (اس کے جواب میں) اس کے باپ کو گالی دیتا ہے، وہ اس کی ماں کو گالی دیتا ہے تو (اس کے جواب میں) وہ بھی اس کی ماں کو گالی دیتا ہے۔

تشریح: ماں باپ کو گالی دینا "کبیرہ" گناہ ہے۔ اس کی دو صورتیں ہیں:

(۱) آدمی براہِ راست اپنے والدین کو گالی دے، اس پر لعنت کرے، اور انہیں بُرا بھلا کہے جیسا کہ ہمارے عہد کے بگڑے ہوئے نوجوانوں کا رویّہ ہے، بلکہ بعض غنڈے تو والدین کی پٹائی بھی کرتے ہیں۔

(۲) آدمی کی بداخلاقی کی وجہ سے اس کے والدین کو گالیاں پڑیں۔ مثلاً جب زید نے خالد کے باپ کو گالی دی تو خالد زید کے باپ کو گالی دے گا۔ اور جب زید نے اس کی ماں کو گالی دی تو وہ بھی زید کی ماں کو گالی دے گا۔ ظاہر بات ہے کہ زید نے براہِ راست اپنے ماں باپ کو گالی نہیں دی ہے لیکن اس کی بدزبانی کے نتیجہ میں اس کے ماں باپ کو گالیاں پڑیں۔ زید خالد کے ماں باپ کو بُرا بھلا نہ کہتا تو وہ بھی اس کے ماں باپ کو بُرا بھلا نہ کہتا۔

اسلام کے ضابطۂ اخلاق میں گالی گلوچ اور سب وشتم کو خدا کی نافرمانی سے تعبیر کیا گیا ہے خصوصاً کسی کے بزرگوں اور آباؤ اجداد کو گالیاں دینے سے باہمی نفرت، عداوت اور بغض کے شعلے بھڑک اٹھتے ہیں اور اس کے نتیجہ میں اپنے آباؤ اجداد اور بزرگوں کی توہین اور بے عزّتی سُننا پڑتی ہے۔

اس سے یہ بات بھی اخذ کی جا سکتی ہے کہ کسی دوسرے گروہ اور مسلک کے بزرگوں اور رہنماؤں کو بُرا بھلا کہنا، انہیں گالیاں دینا، اُن پر کیچڑ اچھالنا جائز نہیں ہے کیوں کہ دوسرے مکتبِ فکر کے افراد بھی اس کے ردِعمل میں پہلے گروہ کے قابلِ احترام مشائخ پر کیچڑ اچھال سکتے ہیں اور گالیوں کا تحفہ بھی نذرِ عقیدت کر سکتے ہیں۔ کسی مسلک کے نظریہ اور رائے سے خالص علمی سطح پر دلائل کے ساتھ اختلاف تو کیا جا سکتا ہے لیکن اس مسلک کے قائدین کی عزّت و آبرو پر حملہ کرنا، ان پر سب وشتم کرنا اور ان کی تحقیر و تفسیق کے لیے کوشش کرنا، گھٹیا درجہ کی حرکت ہے جس کا علمی وقار سے کوئی جوڑ نہیں۔

باپ کی رضامندی یا ناراضگی سے کیا ہوتا ہے؟

(۷۹) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رِضَا الرَّبِّ فِيْ رِضَا الْوَالِدِ وَسَخَطُ الرَّبِّ فِيْ سَخَطِ الْوَالِدِ۔

(ترمذی عن عبداللہ بن عمرو ابواب البرّ والصلۃ باب الفضل فی رضا الوالدین)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی رضا باپ کی رضا میں ہے اور اللہ کی ناراضگی باپ کی ناراضگی میں ہے۔

تشریح: جو شخص اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا چاہتا ہو وہ اپنے والدین کی خدمت کرے، اُن سے اچھا برتاؤ کرے، اور ان کا احترام ملحوظ رکھے کیونکہ والدین سے حسنِ سلوک کرنے سے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہوتی ہے۔ ماں باپ یا ان میں سے کسی ایک کے اپنی اولاد سے ناراض ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہے۔ جب بندے سے اللہ ناراض ہوجائے اس کا ٹھکانہ کہاں ہے؟ وہ نہ تو بھاگ کر کہیں جا سکتا ہے اور نہ اُسے کہیں پناہ مل سکتی ہے۔ یہ امر واقعہ ہے کہ والدین کو بُرا بھلا کہنا، ان کو ایذا دینا اور ان کو رُسوا کرنے کی کوشش کرنا خدا کے غضب کو دعوت دینے کے ہم معنی ہے۔

باپ کی دُعا قبول ہوتی ہے

(۸۰) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ثَلَاثُ دَعَوَاتٍ مُسْتَجَابَاتٌ لَا شَکَّ فِیْھِنَّ، دَعْوَۃُ الْوَالِدِ وَدَعْوَۃُ الْمُسَافِرِ وَدَعْوَۃُ الْمَظْلُوْمِ۔

(ابوداؤد عن ابی ہریرہ کتاب الصلوٰۃ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین دُعاؤں کے قبول ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔ باپ، مسافر اور مظلوم کی دُعا۔

تشریح: (۱) والد کی اولاد سے محبت بے لوث ہوتی ہے۔ اس کے پاؤں میں کانٹا چبھتا ہے تو باپ کا دل اس کی کسک محسوس کرتا ہے، وہ رو رو کر اللہ تعالیٰ سے اپنے بیمار بچّوں کی صحت یابی کے لیے دُعا کرتا ہے، وہ انہیں کسی مصیبت میں مبتلا دیکھ کر تڑپ اٹھتا ہے اور بے چین ہوکر اللہ تعالیٰ سے ان کی نجات اور راحت کے لیے التجا کرتا ہے۔

یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ باپ کا دل اولاد کی محبّت سے لبریز ہوتا ہے وہ کبھی بھی اُسے بیماری، مصیبت اور پریشانی میں مبتلا دیکھنا پسند نہیں کرتا۔ وہ جب خلوصِ دل سے عاجزی کے ساتھ اپنی اولاد کی عافیت، خوش حالی، صحت، ترقی اور بھلائی

کے لیے اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتا ہے تو ربّ کریم اس کی دُعا قبول فرما لیتا ہے۔ وہ اپنے بچوں کے لیے سراپا رحمت ہوتا ہے الّا یہ کہ گستاخ اور نافرمان اولاد اس کی دل آزاری اور اذیت رسانی سے اسے بددُعا دینے پر مجبور کر دے۔ وہ جب اپنی اولاد کی سنگدلی اور بُرے برتاؤ سے تنگ آکر بارگاہِ الٰہی میں اس کے خلاف فریاد کرتا ہے تو ربّ ذوالجلال کا غضب، موذی اولاد پر ٹوٹ پڑتا ہے اور اس کا کچومر نکال کر رکھ دیتا ہے۔ بہرحال باپ کی دُعا قبول ہوتی ہے چاہے وہ اولاد کی بھلائی کے لیے ہو یا اس کی تباہی و بربادی کے لیے۔ اسی طرح ماں کی دعا بھی بارگاہ خداوندی میں قبول ہوتی ہے۔

اولاد کو اپنے والدین کی اطاعت اور خدمت کر کے اُن سے دُعا لینے کی کوشش کرنی چاہیے۔ بڑا بدنصیب اور احمق ہے وہ شخص جو اپنی بدتمیزی اور بے ادبی سے والدین کو اپنے خلاف بددُعا کرنے پر مجبور کر دیتا ہے۔

(۲) اسلامی معاشرے میں مسافر کا حق ہے، اسے نقصان پہنچانے اور ایذا دینے سے پرہیز کرنا چاہیئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "مسافر کی دُعا قبول ہوتی ہے" چاہے وہ اچھا برتاؤ کرنے والے کے لیے دُعا کرے یا بُرا سلوک کرنے اور نقصان پہنچانے والے کو بددُعا دے۔ وہ جب عاجزی سے گڑگڑا کر ربِّ غفور کی بارگاہ میں ہاتھ پھیلاتا ہے تو اللہ کریم اُسے خالی ہاتھ نہیں لوٹاتا۔

(۳) مظلوم کی حمایت کرنا، اُسے تسلی دینا اور اس کی مدد کرنا فرض ہے۔ اپنے معاون اور بہی خواہ کے لیے مظلوم کی دُعا قبول ہوتی ہے اور وہ بارگاہِ خداوندی میں ظالم کے خلاف جب تڑپ کر فریاد کرتا ہے تو وہ بے اثر نہیں ہوتی، اللہ تعالیٰ اسے سُنتا اور قبول کرتا ہے۔

والدین کی وفات کے بعد ان سے حُسنِ سلوک

(۸۱) عَنْ اَبِیْ اُسَیْدِ نِ السَّاعِدِیِّ قَالَ بَیْنَمَا نَحْنُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذْ جَاءَہٗ رَجُلٌ مِّنْ بَنِیْ سَلِمَۃَ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ھَلْ بَقِیَ مِنْ بِرِّ اَبَوَیَّ شَیْءٌ اَبَرُّھُمَا بِہٖ بَعْدَ مَوْتِھِمَا؟ قَالَ نَعَمْ، اَلصَّلٰوۃُ عَلَیْھِمَا، وَالْاِسْتِغْفَارُ لَھُمَا وَاِنْفَاذُ عَھْدِھِمَا مِنْ بَعْدِھِمَا وَصِلَۃُ

الرَّحِمِ الَّتِیْ لَا تُوْصَلُ اِلَّا بِهِمَا وَاِكْرَامُ صَدِيْقِهِمَا۔ (ابوداؤد کتاب الادب)

حضرت ابواسید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے جب بنی سلمہ کے ایک آدمی نے آکر عرض کیا:

اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا والدین کی وفات کے بعد ان سے نیک سلوک کرنا کچھ میرے ذمہ باقی رہتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں! (اور وہ یہ ہے)

(۱) ان کے لیے دُعا کرنا اور

(۲) اللہ تعالیٰ سے اُن کے لیے مغفرت طلب کرنا اور

(۳) ان کے عہد (اور وصیت) کو نافذ کرنا اور

(۴) ان کے رشتہ داروں سے اچھا برتاؤ کرنا اور

(۵) باپ کے دوستوں اور والدہ کی سہیلیوں کا احترام کرنا۔

تشریح: بنی سلمہ کا یہ آدمی اپنے والدین کا مخلص خادم اور فرمانبردار بیٹا تھا ان کی خاطرداری میں اس نے کوئی کسر اٹھا کر نہ رکھی تھی۔ ان کی وفات کے بعد وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کیا حضور! میں نے اپنی حد تک ماں باپ کے ساتھ نیک برتاؤ کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کی، یہاں تک کہ ان کی وفات ہوگئی۔ کیا اب بھی اس سلسلہ میں مجھ پر اُن کا حق باقی ہے؟ اس کے جواب میں آپؐ نے جو کچھ ارشاد فرمایا اس کا مفہوم یہ ہے کہ والدین سے نیک سلوک کرنے کا عمل صرف ان کی زندگی تک محدود نہیں ہے بلکہ ان کی وفات کے بعد بھی یہ سلسلہ جاری رہتا ہے اور وہ یہ ہے کہ:

(۱-۲) تم اللہ تعالیٰ سے ان کے لیے فضل وکرم کی دعا کرتے رہو۔ اور ان کی مغفرت طلب کرتے رہو۔

اللہ تعالیٰ نے بھی ماں باپ کے لیے دُعا کرنے کی ترغیب دی ہے۔ فرمایا:

وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا۔ (بنی اسرائیل آیت ۲۴)

اور دُعا کیا کرو کہ پروردگار! ان رحم فرما جس طرح انہوں نے رحمت وشفقت کے ساتھ مجھے بچپن میں پالا تھا۔"

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا تھا،

رَبَّنَا اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ يَقُومُ الْحِسَابُ۔ (ابراہیم آیت ۴۱)

"پروردگار! مجھے اور میرے والدین اور سب ایمان لانے والوں کو اس دن معاف فرما دیجیو جبکہ حساب قائم ہو گا"

حضرت نوح علیہ السلام نے دُعا کی تھی:

رَبِّ اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ۔ (نوح آیت ۲۸)

ہمارے پروردگار! مجھے اور میرے والدین کو معاف فرما دیجیے"

چاہے والدین زندہ ہوں یا وفات پا جائیں ہر حال میں ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے رحمت اور مغفرت کی دُعا کرتے رہنا چاہیے۔ والدین کو عالمِ برزخ میں اولاد کی دُعا اور استغفار کا نفع پہنچتا ہے اور آخرت میں بھی (ملاحظہ ہو ترجمان الحدیث جلد اول نمبر ۵۲)

ایک اور حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ لَيَرْفَعُ الدَّرَجَةَ لِلْعَبْدِ الصَّالِحِ فِي الْجَنَّةِ فَيَقُولُ يَارَبِّ أَنّٰى لِي هٰذِهِ؟ فَيَقُولُ بِاسْتِغْفَارِ وَلَدِكَ۔ (مشکوٰۃ عن ابی ہریرۃ کتاب الدعوات)

اللہ تعالیٰ جنت میں نیک بندے کے درجہ کو بلند کرے گا تو وہ بول اُٹھے گا پروردگار! یہ نوازش کیوں کر ہو رہی ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تیری اولاد نے تیرے لیے مغفرت کی دُعا کی تھی (اس لیے ہم نے تیرا درجہ بلند کر دیا ہے")

(۳) والدین کی عدم موجودگی میں تم ان کے عہد کو پورا کرو چاہے وہ کہیں باہر چلے گئے ہوں یا وفات پا گئے ہوں۔ اور ان کی وفات کے بعد ان کی وصیت پر عمل کرنے اور اسے نافذ کرنے کے بھی تم ذمّہ دار ہو۔

(۴) والدین کے دور و نزدیک کے سب رشتہ داروں سے نیک سلوک کرتے رہو، یہ صلہ رحمی کا تقاضا ہے اور اللہ کی رضا کے لیے والدین کے حقوق میں سے ایک حق کو ادا کرنے کا ذریعہ بھی ہے۔

افسوس ہے کہ عام طور پر لوگ دُور کے رشتہ داروں کو بالکل نظر انداز کر دیتے ہیں۔

(۵) باپ کے دوستوں اور والدہ کی سہیلیوں کا احترام کرتے رہو۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

اَبَرُّ الْبِرِّ اَنْ یَّصِلَ الرَّجُلُ وُدَّ اَبِیْہِ۔ (مسلم عن ابن عمر کتاب البر والصلۃ)

"سب سے بڑی نیکی یہ ہے کہ آدمی اپنے باپ کے دوستوں سے اچھا برتاؤ کرتا رہے۔"

باپ، دادا، استاذ اور شیخ کے دوستوں کا ادب اور احترام کرنا چاہیے اور ان سے مروّت اور اخلاق سے پیش آنا چاہیے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے سفر کے دوران اپنے والد گرامی کے بدوی دوست کو ایک گدھا اور پگڑی تحفہ میں دی۔

والدہ، نانی اور بیوی کی سہیلیوں سے بھی احسان اور احترام کا رویّہ اختیار کرنا چاہیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی بیوی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی سہیلیوں کے ہاں تحائف بھیجتے اور بڑی مسرت سے انہیں خوش آمدید کہتے۔

نسب کی تبدیلی

(۸۲) عَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ وَاَبِیْ بَکْرَۃَ قَالَا سَمِعْنَا النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ: مَنِ ادَّعٰی اِلٰی غَیْرِ اَبِیْہِ وَھُوَ یَعْلَمُ فَالْجَنَّۃُ عَلَیْہِ حَرَامٌ۔

(بخاری کتاب المغازی باب غزوۃ الطائف)

حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ کہتے ہیں ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا ہے کہ جو شخص اپنے آپ کو اپنے باپ کے سوا کسی اور کا بیٹا کہتا ہے درانحالیکہ وہ جانتا ہے کہ وہ اس کا باپ نہیں ہے اس پر جنت حرام ہے۔

(۸۳) عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّہٗ سَمِعَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ لَیْسَ مِنْ رَجُلٍ ادَّعٰی لِغَیْرِ اَبِیْہِ وَھُوَ یَعْلَمُہٗ اِلَّا کَفَرَ وَمَنِ ادَّعٰی قَوْمًا لَیْسَ لَہٗ فِیْھِمْ فَلْیَتَبَوَّأْ مَقْعَدَہٗ مِنَ النَّارِ۔

(بخاری کتاب المناقب باب نسبۃ الیمن الی اسمٰعیل علیہ السلام)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سُنا ہے کہ جس نے اپنے آپ کو اپنے باپ کے سوا کسی اور کا بیٹا کہا درانحالیکہ وہ جانتا ہے کہ وہ اس کا باپ نہیں ہے اس نے کفر کیا۔ اور جو شخص اپنے آپ کو کسی ایسی قوم کی طرف منسوب کرے جس میں اس کی رشتہ داری نہیں ہے وہ دوزخ کی آگ میں اپنا ٹھکانہ بنائے۔

تشریح: بعض نادان لوگ گھٹیا مقاصد کے لیے اپنا نسب تبدیل کر لیتے ہیں۔ مال و دولت یا اقتدار کے حصول کے لیے وہ ایک ایسے شخص کو اپنا باپ قرار دیتے ہیں جو فی الواقع ان کا باپ نہیں ہے۔ معاشی مفاد کے لالچ یا کسی خاندان میں شادی کرنے کے شوق میں اپنا نسب تبدیل کرنا والدین کی نافرمانی ہے اور ظلم بھی۔ جو شخص اپنے باپ کے سِوا اپنے آپ کو کسی اور کا بیٹا کہتا ہے وہ بے غیرت اور پست اخلاق ہے۔ اس کے طرزِ عمل سے صاف طور پر واضح ہوتا ہے کہ اسے نہ صرف یہ کہ اپنے باپ سے دلچسپی نہیں ہے بلکہ وہ اس سے نفرت بھی کرتا ہے اور اس نے اپنی ماں کا شوہر ایک ایسے آدمی کو قرار دیا ہے جس کے نکاح میں وہ نہ تھی۔

اسی طرح وہ شخص بھی عنداللہ مجرم ہے جو جان بوجھ کر اپنے آپ کو کسی دوسری قوم یا خاندان کا فرد باور کراتا ہے حالانکہ وہ اس سے قرابت نہیں رکھتا۔ مثلاً ایک راجپوت سیّد ہونے کا مدعی ہو یا جاٹ قوم کا فرد اپنے آپ کو قریشی کہلانے لگے یا کوئی بلوچ کہہ دے کہ میں علوی ہوں۔

جاہلیت کے زمانہ میں نسب تبدیل کرنے اور اپنے آپ کو کسی غیر قبیلہ کی طرف منسوب کرنے کا رواج تھا جسے اسلام نے حرام قرار دیا ہے۔ اس ذلیل روش کو حلال جان کر اختیار کرنا کفر ہے۔ اور ظاہر بات ہے کہ کافروں پر جنت حرام ہے۔ رہے وہ لوگ جو اسے ناجائز اور حرام جاننے کے باوجود محض ذاتی مفاد کی خاطر اس بد اخلاقی میں ملوّث ہوتے ہیں وہ سخت گنہگار ہیں اور اللہ تعالیٰ کی نعمت کی ناشکری کے مجرم ہیں۔ وہ قیامت کے دن پہلے مرحلہ میں جنّت میں نہ جا سکیں گے، بلکہ اس گناہ کی سزا بھگتنے کے بعد وہ جنّت میں جائیں گے۔

رشحات

اولاد پر والدین کے حقوق کے سلسلہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ہدایات دی ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے :

(۱) والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب عمل ہے۔

(۲) جو شخص بوڑھے والدین کے ساتھ اچھا برتاؤ نہ کرنے کی بنا پر جنت میں نہیں جاتا وہ ذلیل ہے۔

(۳) ماں باپ کی خدمت گاری اور فرمانبرداری، ان کی دلجوئی اور رضا طلبی کے لیے اولاد کو سخت محنت کرنی چاہیے یہاں تک کہ وہ جہاد اور ہجرت پر بھی اسے ترجیح دے الّا یہ کہ جہاد فرض عین ہو۔

(۴) اولاد، ماں باپ کا ادب واحترام کرے، ان کی غیبت اور ایذا رکو برداشت نہ کرے، اگر وہ معاشی لحاظ سے کمزور ہوں تو ان کی مالی اعانت کرے، اگر وہ بیمار پڑ جائیں تو ان کی تیمارداری اور علاج میں دلچسپی لے۔

(۵) غیر مسلم والدین سے بھی صلۂ رحمی کا برتاؤ کرنا چاہیے۔

(۶) رضاعی ماں بھی حسنِ سلوک کی مستحق ہے، اس کے ناطے سے اس کی اولاد اور شوہر سے بھی اچھا برتاؤ کرنا چاہیے۔

(۷) اولاد کو باپ کے مقابلہ میں ماں کے ساتھ تین گنا زیادہ اچھا برتاؤ کرنا چاہیے۔ کیوں کہ ماں کا حق تہرا ہے اور اس کی نافرمانی کرنا حرام ہے۔

(۸) والدین کی نافرمانی کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔ ان کی نافرمانی کرنے کے معنی ہیں، ان کو اُف کہنا، انہیں جھڑک کر جواب دینا، سخت اور تند لب ولہجہ میں ان سے گفتگو کرنا، ان سے بے رُخی سے پیش آنا اور ان کی دل آزاری کرنا، ان کو گالی دینا اور اُن پر لعنت کرنا۔

(۹) والدین کی نافرمانی کرنے والا نہ صرف یہ کہ جنّت کا مستحق نہیں ہے اور قیامت کے دن اس جرم کی سزا پائے گا بلکہ وہ دنیا میں بھی اس کی سزا پاکر رہتا ہے۔

(۱۰) اولاد کو چاہیے کہ وہ اپنے باپ کو راضی رکھے، اس کو ایذا دے کر اُسے بد دُعا دینے پر مجبور نہ کر دے کیونکہ والد کی دُعا قبول ہوتی ہے چاہے وہ اپنی اولاد کے لیے نیک دُعا کرے یا اُسے بد دُعا دے۔

(۱۱) اللہ تعالیٰ اس شخص سے راضی ہے جس سے اس کا والد راضی ہے۔ جس نے والد کو ایذا دے کر غضبناک کر دیا وہ اللہ کے غضب سے نہیں بچ سکتا، چاہے وہ صوم وصلوٰۃ کا پابند ہو۔

(۱۲) والدین سے حسنِ سلوک کرنے کا سلسلہ ان کی وفات کے بعد بھی جاری رہے۔

اس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ ان کے لیے دُعا کرے اور اللہ تعالیٰ سے ان کے گناہوں اور غلطیوں کی معافی کے لیے درخواست کرتا رہے، ان کے رشتہ داروں سے اچھا برتاؤ کرتا رہے اور ان کے دوستوں کا احترام کرے۔

(۱۳) جو شخص ذاتی مفاد کی بنا پر اپنا نسب یا قومیت تبدیل کرتا ہے وہ دراصل اپنے والدین اور قوم کی توہین اور تذلیل کرتا ہے، قیامت کے دن اُسے سخت سزا ملے گی۔

باب اوّل

(۶)

رشتہ داروں کے حقوق

قطع رحم کرنے والا جنّت میں نہ جائے گا

(۸۴) اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ:
لَا یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ قَاطِعُ رَحِمٍ۔ (مسلم عن جبیر بن مطعم کتاب البر و الصّلۃ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قطع رحم کرنے والا جنت میں نہ جائے گا۔

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جو شخص رشتہ داروں سے قطع تعلق کرکے اپنے خاندان کو انتشار اور بے چینی میں مبتلا کر دے اُسے بہشت میں جانے کا حق نہیں ہے۔ وہ بہشت میں نہ جا سکے گا، مگر اس جُرم کی سزا پانے کے بعد۔

انسان فطرۃً تمدّن پسند ہے۔ قبیلہ اور خاندان کی قوت اور وقار کا انحصار اس کے افراد کے باہمی تعلقات پر ہوتا ہے۔ اگر وہ ایک دوسرے کے ہمدرد، معاون اور خیر خواہ ہوں تو نہ صرف یہ کہ وہ خوش حال ہوتے ہیں بلکہ معاشرے میں بھی انہیں احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے قرابت داروں کے ساتھ حسن سلوک کرنے پر بہت زور دیا ہے۔

وَاتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِہٖ وَالْاَرْحَامَ ط اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلَیْکُمْ رَقِیْبًا ۝ (النساء آیت ۱)

اس خدا سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے اپنے حق مانگتے ہو، اور رشتہ و قرابت کے تعلقات کو بگاڑنے سے پرہیز کرو۔ یقین جانو کہ اللہ تم پر نگرانی کر رہا ہے۔"

مطلب یہ ہے کہ اہل قرابت کے حقوق ادا کرتے رہو اور قطع رحم اور بدسلوکی سے بچو۔ رشتہ داروں کے ساتھ نیک برتاؤ کرنا اسلامی معاشرت کا ایک اہم اصول ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاعْبُدُوا اللّٰہَ وَلَا تُشْرِکُوْا بِہٖ شَیْئًا وَّبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا وَّ بِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسَاکِیْنِ۔

(النساء آیت ۳۶)

اور تم سب اللہ کی بندگی کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ۔ "ماں باپ کے ساتھ نیک برتاؤ کرو، قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آؤ۔"

اس آیت میں اللہ کی بندگی کرنے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانے کا حکم ہے، اس کے بعد والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے کا حکم ہے، اور پھر رشتہ داروں کے ساتھ نیک سلوک کرنے کی تاکید ہے۔

اس انداز بیان اور ترتیب پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں اس کی کتنی اہمیت ہے اور انسانی تمدن کے ارتقاء اور تحفظ کے لیے یہ کس قدر ضروری ہے؟ یہی وجہ ہے کہ گذشتہ دور کی امتوں کو بھی اس کی تاکید کی گئی تھی، قرآن میں ہے:

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسَاكِيْنِ۔ (البقرۃ آیت ۸۳)

یاد کرو! اسرائیل کی اولاد سے ہم نے پختہ عہد لیا تھا کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا، ماں باپ کے ساتھ، رشتہ داروں کے ساتھ، یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ نیک سلوک کرنا۔"

رشتہ داری کا مقام

(۸۵) عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خَلَقَ اللّٰهُ الْخَلْقَ فَلَمَّا فَرَغَ مِنْهُ قَامَتِ الرَّحِمُ فَاَخَذَتْ بِحَقْوِ الرَّحْمٰنِ فَقَالَ لَهٗ مَهْ، قَالَتْ هٰذَا مَقَامُ الْعَائِذِ بِكَ مِنَ الْقَطِيْعَةِ: قَالَ اَلَا تَرْضَيْنَ اَنْ اَصِلَ مَنْ وَصَلَكِ وَاَقْطَعَ مَنْ قَطَعَكِ قَالَتْ بَلٰى يَا رَبِّ قَالَ فَذَاكِ۔

(بخاری کتاب التفسیر، سورۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے خلق کو پیدا کیا جب وہ اسے مکمل کر چکا تو رحم اٹھی اور اس نے رحمان کی کمر پکڑ لی۔

رحمان نے اس سے فرمایا: کیا چاہتی ہے؟

وہ بولی قطع رحم کرنے والوں کے شر سے میں نے تیری پناہ لی ہے۔ رحمان نے فرمایا: کیا تجھے یہ بات پسند نہیں ہے کہ میں (اپنی رحمت سے) اسے جوڑوں گا جو تجھے جوڑے گا اور میں اس سے اپنا تعلق منقطع کرلوں گا جو تجھے کاٹے گا۔"

اس نے عرض کیا ہاں (میں اسے پسند کرتی ہوں) اے میرے رب! رحمان نے فرمایا: یہ تیرے لیے ہے۔"

تشریح: یہ اس دور کا واقعہ ہے جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السّلام کی پشت سے ساری نسلِ انسانی کو نکال کر اس سے عہد لیا تھا۔ "رحم اٹھی اور اس نے رحمان کی کمر پکڑ لی"۔ کا مفہوم یہ ہے کہ رحم نے اللہ تعالیٰ سے امان اور پناہ طلب کی اور التجا کی کہ اے اللہ! جو شخص صلۂ رحمی کرنے والا ہو تو اس پر مہربانی فرما۔ اور قطع رحمی کرنے والے کے شر سے اُسے محفوظ رکھ اور پناہ دے۔

اللہ تعالیٰ نے اس کی یہ درخواست قبول فرما کر اُسے اپنی پناہ میں لے لیا اور یہ فیصلہ کیا کہ "جو شخص قرابت داری کے حقوق ادا کرے گا میں اسے اپنی رحمت اور کرم سے بہت نوازوں گا اور جو شخص قطع رحمی کرے گا میں اُسے اپنی نگاہِ کرم سے محروم کر دوں گا"۔

رشتہ داری رحمان کی تجلی کا عکس ہے

(۸۶) عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الرَّحِمُ شِجْنَةٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَقَالَ اللّٰهُ مَنْ وَصَلَكِ وَصَلْتُهُ وَمَنْ قَطَعَكِ قَطَعْتُهُ۔

(بخاری عن ابی ہریرۃ کتاب الادب باب من وصل وصلہ اللہ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "رحم" رحمان کی شاخ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے (اس سے) فرمایا: جس نے تجھے جوڑا میں اسے جوڑوں گا۔ اور جس نے تجھے کاٹا میں اسے کاٹوں گا۔

تشریح: "رحم" رشتہ داری اور قرابت کو کہتے ہیں۔ "رحم کے حروف —— رح م —— "رحمان" میں موجود ہیں، بلکہ وہ اس میں اس طرح داخل ہیں جیسے رگیں ایک دوسرے میں داخل ہوتی ہیں کیوں کہ ان دونوں الفاظ —— رحم اور "رحمان" کا ماخذ رحمت ایک ہی ہے۔

رشتہ داروں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا اور اُن کے حقوق ادا کرنا، اللہ تعالیٰ کی صفت رحمان کی تجلّی کا ایک عکس ہے اور اس کی رحمت کے آثار میں سے ایک اثر ہے۔ صرف وہ شخص ہی قطع رحمی کرتا ہے جس کا مزاج ود رحمان ،، سے مربوط اور ہم آہنگ نہ ہو۔ ظاہر بات ہے کہ ایسا بدذوق اور سنگدل آدمی اللہ کی رحمت کا مستحق نہیں ہو سکتا۔ رحم کو قطع کرنے کا مطلب ہے اللہ کی رحمت سے منقطع ہونا۔ اور صلۂ رحمی کرنے کا مطلب ہے اللہ کریم کی رحمت کا مستحق ہونا۔ جو شخص رشتہ داری کو قطع کرتا ہے وہ اللہ کی رحمت سے محروم اور منقطع ہو جاتا ہے۔ اور جو شخص صلۂ رحمی کرتا ہے اللہ کی رحمت اور نگاہ کرم اس پر متوجہ ہو جاتی ہے۔ رشتہ داری کو اللہ تعالیٰ کا قرب اور پناہ حاصل ہے اس لیے رشتہ داروں سے بہت اچھا برتاؤ کرنا چاہیے چاہے وہ دور کے ہوں یا قریب کے۔ جس کا جتنا رشتہ زیادہ قریب کا ہو آدمی پر اس کا اتنا ہی زیادہ حق ہے۔

رشتہ دار کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کی صورتیں حسب ذیل ہو سکتی ہیں:

(۱) اس سے خوش اخلاقی اور خندہ پیشانی سے پیش آنا، بلکہ غریب رشتہ دار کے ساتھ تو ایسا حسنِ سلوک کیا جائے جو اس سے احساسِ کمتری کو ختم کر دے۔

(۲) اس کی خوش حالی، ہدایت اور مغفرت کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے رہنا۔

(۳) جہاں تک بھی ممکن ہو اس کی بھلائی کے لیے کوشش کرنا اور اپنی استطاعت کے مطابق اس کی پریشانی اور رنج وغم کو دُور کرنے کے لیے عملی اقدام کرنا۔

(۴) اس کی جان و مال اور عزّت وآبرو کا احترام کرنا۔

(۵) اگر وہ کسی مصیبت یا تکلیف میں مبتلا ہو تو اس کی مدد کرنا۔

(۶) اگر وہ تنگدست یا مقروض ہو تو اس کی مالی اعانت کرنا۔

دُنیا میں قطع رحمی کی سزا

(۸۷) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ ذَنْبٍ اَجْدَرُ اَنْ یُّعَجِّلَ اللّٰہُ لِصَاحِبِہِ الْعُقُوْبَۃَ فِی الدُّنْیَا مَعَ مَا یَدَّخِرُ لَہٗ فِی الْاٰخِرَۃِ مِنَ الْبَغْیِ وَقَطِیْعَۃِ الرَّحِمِ۔

(ابو داؤد عن ابی بکرۃ کتاب الادب، ابن ماجہ ابواب الزہد)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ظلم" اور "قطع رحمی" کے سوا اور کوئی گناہ اس لائق نہیں ہے جس کے مرتکب کو اللہ تعالیٰ دنیا میں جلد سزا دے باوجودیکہ اس نے قیامت کے دن بھی اس کے لیے سزا تیار کر رکھی ہے۔

تشریح: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر والدین کی نافرمانی کرنے کی سنگینی منکشف ہوئی تو آپؐ نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ اس جرم کے مرتکب کو اس کی وفات سے پہلے بھی دنیا میں سزا دے کر رہے گا۔ (ملاحظہ ہو حدیث نمبر ۸۶)

پھر ظلم اور قطع رحمی کے متعلق اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپؐ کو بتایا گیا کہ "اس کے سوا اور کوئی گناہ اس لائق نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کے مرتکب کو دنیا میں بہت جلد سزا دے باوجودیکہ اس نے قیامت کے دن بھی اس کے لیے سزا تیار کر رکھی ہے۔ (حدیث ۸۷)

ان دونوں حدیثوں پر غور کرنے سے یہ حقیقت سمجھ میں آتی ہے کہ:

(۱) والدین کی نافرمانی کرنے والے

(۲) ظالم اور

(۳) قطع رحمی کرنے والے

نہ صرف یہ کہ قیامت کے دن اپنے اپنے گناہ کی سزا پائیں گے، بلکہ انہیں دنیا میں بھی اپنی موت سے پہلے اس سیاہ کاری کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔ یہ معمولی درجہ کے گناہ نہیں ہیں۔ یہ اُن بڑے شدید گناہوں میں سے ہیں جن کے بُرے اثرات معاشرے میں محسوس کیے جاتے ہیں اور جو متاثر ہونے والے افراد کی بربادی اور خاندانوں کی پریشانی کا باعث بنتے ہیں۔

صلہ رحمی کا معیاری درجہ

(۸۸) اِنَّ رَجُلًا قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّ لِیْ قَرَابَۃً اَصِلُھُمْ وَ یَقْطَعُوْنِیْ وَاُحْسِنُ اِلَیْھِمْ وَیُسِیْئُوْنَ اِلَیَّ وَاَحْلَمُ عَنْھُمْ وَیَجْھَلُوْنَ

عَلَيَّ فَقَالَ لَئِنْ كُنْتَ كَمَا قُلْتَ فَكَأَنَّمَا تُسِفُّهُمُ الْمَلَّ وَلَا يَزَالُ مَعَكَ مِنَ اللّٰهِ ظَهِيْرٌ عَلَيْهِمْ مَادُمْتَ عَلٰى ذٰلِكَ ۔

(مسلم عن ابی ہریرۃ کتاب البرّ والصّلۃ)

ایک آدمی نے عرض کیا "اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) میرے بعض رشتہ دار ایسے ہیں کہ میں ان سے جُڑتا ہوں اور وہ مجھے کاٹ پھینکتے ہیں۔ میں ان سے حسنِ سلوک کرتا ہوں اور وہ مجھ سے بُرا برتاؤ کرتے ہیں۔ میں ان سے درگزر کرتا ہوں اور وہ مجھے اُجڈپن دکھاتے ہیں۔" آپؐ نے فرمایا: اگر تو ایسا (بلند اخلاق) ہے جیسے تو کہتا ہے تو گویا کہ تو انہیں بھوبھل (گرم راکھ) کھلا رہا ہے۔ جب تک تو اس رویہ پر قائم ہے اللہ کے ہاں سے تیرے ساتھ ایک معاون مقرر ہوگا جو ان کی شرارتوں سے تیری حفاظت کرتا رہے گا۔"

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جو رشتہ دار تمہارے حسنِ اخلاق اور صلۂ رحمی کا جواب بداخلاقی اور قطع رحمی سے دیتے ہیں وہ ذلیل اور رُسوا ہوں گے۔ مارے ندامت کے ان کے چہروں کا رنگ راکھ کی طرح بے رونق ہو جائے گا۔ ان کی ایذا رسانی کے باوجود جب تک تم بُردباری اور خوش اخلاقی کی روش پر قائم رہو گے اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ کے ذریعہ تمہیں ان کی شرارتوں سے بچاتا رہے گا۔ ایک مؤمن کی سیرت کا یہ پہلو بڑا تابناک ہے کہ وہ قرابتداروں کی چیرہ دستیوں اور زیادتیوں کے جواب میں نہ صرف یہ کہ ہمیشہ صبر و تحمل اور عفو و درگزر کا رویّہ اختیار کرتا ہے بلکہ ان کی بھلائی اور خیر خواہی کے لیے بھی برابر کوشش کرتا رہتا ہے۔ وہ گالیاں دیتے ہیں یہ دُعا دیتا ہے، وہ ایذا دیتے ہیں اور یہ وقت آنے پر اُن کے کام آتا ہے۔

صلۂ رحمی کا کمال

(۸۹) عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَيْسَ الْوَاصِلُ بِالْمُكَافِئِ وَلٰكِنَّ الْوَاصِلَ الَّذِيْ إِذَا قَطَعَتْ رَحِمُهٗ وَصَلَهَا۔

(بخاری عن عبد اللہ بن عمرو کتاب الادب)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ شخص مکمل درجہ کی صلہ رحمی کرنے والا نہیں ہے جو بھلائی کے مقابلہ میں بھلائی کا رویّہ اختیار کرے لیکن مکمل صلۂ رحمی کرتے والا وہ ہے کہ جب تو اس سے قطع رحمی کرے تو وہ اسے جوڑ دے۔"

تشریح: رشتہ داروں کے ساتھ تین طرح کا برتاؤ کیا جا سکتا ہے:

(۱) آدمی اپنے رشتہ داروں سے نفرت کرے، انہیں حقیر جانے، اور قدرت کے باوجود ان کی مدد نہ کرے، بلکہ انہیں زک پہنچانے کی کوشش کرے اور انہیں بدنام اور رسوا کرے۔ ترکِ تعلق کے اس رویّہ کو قطع رحمی کہتے ہیں۔

(۲) آدمی اچھا برتاؤ کرنے والے رشتہ دار سے حسن سلوک کرے اور برا سلوک کرنے والے رشتہ دار سے تعلق منقطع کرلے اور یہ اصول بنالے کہ جو قرابتدار میرے حقوق ادا کرے گا میں اس کے حقوق ادا کروں گا اور جو قرابتدار مجھ سے تعلقات منقطع کرے گا میں بھی اس سے جدا ہو جاؤں گا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ وہ شخص بھی قابل قدر ہے جو اچھا برتاؤ کرنے والے رشتہ دار کی قدر کرتا ہے اور اس کے حقوق ادا کرتا ہے۔ اس رویّہ پہ اللہ کے ہاں اس کے لیے اجر ہے۔

(۳) لیکن کمال درجے کی صلہ رحمی یہ ہے کہ آدمی نفرت اور عداوت کرنے والے رشتہ دار کے ساتھ بھی کھلے دل سے اچھا برتاؤ کرے اور ہمیشہ اس کے حقوق ادا کرتا رہے اور کوئی ایسا رویّہ اختیار نہ کرے جس سے محسوس ہو کہ وہ اس سے صلہ رحمی کرنے میں کوتاہی کر رہا ہے یا اسے قطع رحمی کی سزا دے رہا ہے۔ اس کی مزید وضاحت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشادِ گرامی سے ہوتی ہے جسے بخاری نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے:

صِلْ مَنْ قَطَعَكَ وَاَحْسِنْ اِلٰى مَنْ اَسَآءَ اِلَيْكَ وَقُلِ الْحَقَّ وَلَوْ عَلٰى نَفْسِكَ۔

"جو شخص تجھ سے قطع رحمی کرے تو اس سے حُسنِ سلوک کر اور جو تجھ سے بُرا برتاؤ کرے تو اس پر احسان کر اور انصاف کی بات کہہ اگرچہ اس کی زد خود تجھ پر پڑے۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

لَيْسَ الْوَصْلُ أَنْ تَصِلَ مَنْ وَصَلَكَ ذٰلِكَ الْقِصَاصُ وَلٰكِنَّ الْوَصْلَ أَنْ تَصِلَ مَنْ قَطَعَكَ۔ (مصنّف عبدالرزّاق)

"رشتہ داری کے حقوق ادا کرنے والے کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا صلہ رحمی نہیں ہے، یہ تو ایک طرح سے حساب چکانے والی بات ہے، بلکہ صلہ رحمی یہ ہے کہ قطع رحمی کرنے والے کے ساتھ تم ہمیشہ اچھا برتاؤ کرتے رہو۔"

اسلام اپنے پیروکاروں کو اخلاق کے اس بلند معیار پر دیکھنا چاہتا ہے جس کا ذکر ان حدیثوں میں کیا گیا ہے لیکن یہ ایک ایسی اخلاقی صفت ہے جو انسان میں ریاضت اور محنت کے بغیر پیدا نہیں ہو سکتی۔ اس کے جذب و تاثیر کا یہ حال ہے کہ اس سے بگڑے ہوئے سنگدل رشتہ داروں کے دلوں کو موم کیا جا سکتا ہے۔

قرابتداروں سے صلہ رحمی کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آڑے وقت میں ان کے کام آنا مصیبت کے وقت ان کی مدد کرنا، ان کی خوشی اور غمی میں دلچسپی لینا، رشتہ ناطہ کے معاملہ میں انہیں ترجیح دینا، ان کی غلطیوں سے چشم پوشی اور ان کی زیادتیوں پر صبر کرنا، اللہ کی رضا کے لیے ان پر احسان کرنا اور ان سے فیاضی کا برتاؤ کرنا مؤمن کو ہر حال میں اپنے رشتہ داروں سے مہربانی، مروّت اور احسان سے پیش آنا چاہیے، البتہ گناہ اور ظلم کرنے میں ان کی مدد کرنا ناجائز، بلکہ حرام ہے۔ سخت گناہ گار ہے وہ شخص جو اپنے رشتہ دار کی غلط کاری کی سرپرستی کرتا ہے، اس کی طرفداری اور حمایت پر کمربستہ رہتا ہے۔

ہر حال میں صلہ رحمی کرو

(۹۰) عَنْ أَبِي الْأَحْوَصِ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَرَأَيْتَ ابْنَ عَمٍّ لِي أَتَيْتُهُ أَسْأَلُهُ فَلَا يُعْطِينِي وَلَا يَصِلُنِي ثُمَّ يَحْتَاجُ إِلَيَّ فَيَأْتِينِي فَيَسْأَلُنِي وَقَدْ حَلَفْتُ أَنْ لَا أُعْطِيَهُ وَلَا أَصِلَهُ فَأَمَرَنِي أَنْ آتِيَ الَّذِي هُوَ خَيْرٌ وَأُكَفِّرَ عَنْ يَمِينِي۔ (نسائی کتاب الایمان)

حضرت مالک بن نضر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں اپنے چچازاد بھائی کے پاس آیا اور اس سے سوال کیا تو اس نے نہ تو مجھے کچھ دیا اور نہ مجھ سے اچھا برتاؤ کیا، پھر وہ کسی کام کے لیے میرے پاس آیا اور مجھ سے سوال کیا درانحالیکہ میں نے قسم کھائی تھی کہ میں نہ تو اسے کچھ دوں گا اور نہ اس سے اچھا برتاؤ کروں گا۔ میرا یہ طرزِ عمل کیسا ہے؟ (یہ بات سُن کر) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ میں بہتر رویّہ اختیار کروں اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کروں"۔

تشریح: آدمی جس کام کے کرنے یا نہ کرنے پر قسم کھالے تو اسے اپنی قسم کو برقرار رکھنا چاہیے۔ جو شخص کسی غلط یا ناجائز بات پر قسم کھا بیٹھے اسے چاہیے کہ وہ اپنی قسم توڑ دے لیکن غلطی اور گناہ کا ارتکاب نہ کرے۔ قسم توڑنے کا کفارہ یہ ہے کہ آدمی دس آدمیوں کو اوسط درجے کا کھانا کھلائے یا انہیں کپڑے پہنائے، ورنہ تین دن کے روزے رکھّے۔

حضرت مالک بن نضر رضی اللہ عنہ کا چچازاد بھائی جب کسی کام کے سلسلہ میں ان کے پاس آیا تو انہوں نے اس کی بات ماننے سے صاف انکار کر دیا کیونکہ انہوں نے قسم کھائی تھی کہ وہ نہ تو اپنے چچازاد بھائی کے حقوق ادا کریں گے اور نہ انہیں کچھ دیں گے۔ قسم کھانے کا سبب یہ تھا کہ ایک بار جب وہ خود اس کے پاس ایک کام کے سلسلہ میں گئے تھے تو اس نے ان سے تعاون نہ کیا تھا۔

یہ تھا حضرت مالک بن نضر رضی اللہ عنہ کا طرزِ عمل، جس کے متعلق انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے استفسار کیا تو آپؐ نے اسے غلط قرار دیا۔ آپؐ کے ارشادِ گرامی کا مطلب یہ ہے کہ تم نے ایک غلط اور ناجائز بات پر جو قسم کھائی ہے اُسے توڑ دو اور اس کا کفارہ ادا کرو اور اپنی غلط روی کی اصلاح کرو، تم اپنے چچازاد بھائی کے حقوق ادا کرتے رہو اور ہر جائز معاملہ میں اس سے تعاون کرتے رہو، چاہے وہ ہمیشہ تم سے بے رُخی برتے اور تمہاری کوئی بات مان کر نہ دے۔ اس حدیث سے یہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ مسلمان کو دور و نزدیک کے ہر رشتہ دار سے ہمیشہ اچھا برتاؤ کرتے رہنا چاہیے۔

اور ہر جائز کام میں اس کی مدد کرنی چاہیے۔ قطع نظر اس سے کہ اس رشتہ دار کا اس کے ساتھ رویہ کیسا ہے۔؟

غیر مسلم رشتہ دار سے صلہ رحمی

(۹۱) اِنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَأٰی حُلَّۃً سِیَرَاءَ عِنْدَ بَابِ الْمَسْجِدِ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ لَوِ اشْتَرَیْتَ ھٰذِہٖ فَلَبِسْتَھَا یَوْمَ الْجُمُعَۃِ وَلِلْوَفْدِ اِذَا قَدِمُوْا عَلَیْكَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا یَلْبَسُ ھٰذِہٖ مَنْ لَا خَلَاقَ لَہٗ فِی الْاٰخِرَۃِ ثُمَّ جَاءَتْ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنْھَا حُلَلٌ فَاَعْطٰی عُمَرَ مِنْھَا حُلَّۃً فَقَالَ عُمَرُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ کَسَوْتَنِیْھَا وَقَدْ قُلْتَ فِیْ حُلَّۃِ عُطَارِدٍ مَا قُلْتَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنِّیْ لَمْ اَکْسُکَھَا لِتَلْبِسَھَا فَکَسَاھَا عُمَرُ اَخًا لَہٗ مُشْرِکًا بِمَکَّۃَ۔

(مسلم عن ابن عمر کتاب اللباس۔ بخاری کتاب الھبۃ)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسجد کے دروازے کے پاس (بازار میں) دیکھا کہ ایک دھاریدار ریشمی جوڑا —— تہبند اور چادر —— فروخت کے لیے موجود ہے تو انہوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپؐ اسے خرید لیتے تو جمعہ کے دن اور وفود کی آمد پر اُسے پہنا کرتے، آپؐ نے فرمایا: اُسے تو صرف وہ شخص ہی پہن سکتا ہے جس کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہ ہو۔ پھر (کچھ عرصہ کے بعد) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بہت سے ریشمی جوڑے آئے۔ تو آپؐ نے ان میں سے ایک جوڑا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو عنایت فرمایا۔ انہوں نے عرض کیا:

یا رسولؐ اللہ! آپ یہ مجھے پہننے کے لیے دے رہے ہیں حالانکہ عطارد تمیمی کے ریشمی جوڑے کے متعلق آپؐ نے اچھی رائے کا اظہار نہیں فرمایا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے یہ جوڑا تمہیں پہننے کے لیے تو نہیں دیا (تم اسے فروخت کر سکتے ہو، عورتوں کو پہنا سکتے ہو اور غیر مسلموں کو تحفہ دے سکتے ہو) پس حضرت عمرؓ نے یہ جوڑا

اپنے مشرک بھائی کو پہننے کے لیے دیا جو مکہ میں تھا۔"

تشریح: ۱۔ عطارد بن حاجب تمیمی کپڑوں کا مشہور تاجر تھا۔ وہ ایک نہایت خوبصورت دھاریدار ریشمی جوڑا فروخت کرنے کے لیے بازار میں لایا تو حضرت عمرؓ نے اُسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے موزوں سمجھتے ہوئے آپؐ کو اس کے خریدنے کا مشورہ دیا۔

۲۔ اس سے یہ بات اخذ کی جا سکتی ہے کہ ریشمی لباس کا پہننا مسلمان مردوں کے لیے حرام ہے۔ غیر مسلم رشتہ داروں سے اچھا برتاؤ کرنا چاہیے۔ اور انہیں ہدیہ تحفہ دینا بھی جائز ہے۔

۳۔ بعض لوگ محض فقہی اور فروعی اختلاف کی بنا پر اپنے رشتہ داروں سے تعلق منقطع کر لیتے ہیں حالانکہ اسلامی اخلاق کی رو سے غیر مسلم رشتہ دار بھی حسن سلوک کا مستحق ہے۔ تعجب ہے ان دینداروں پر جو گروہی اور فقہی اختلاف کی بنا پر رشتہ داروں، دوستوں اور ہمسایوں سے معاشرتی تعلقات منقطع کر لیتے ہیں یہاں تک کہ ان سے گفت گو اور میل جول کا سلسلہ بھی ختم کر دیا جاتا ہے۔ اس "خشک مزاجی" سے گم کردہ راہ لوگوں کی اصلاح نہیں ہوتی، البتہ حامیانِ دین کے اس طرزِ عمل کو دیکھ کر وہ افراد بھی دین سے برگشتہ ہو جاتے ہیں جو اپنی اصلاح کا جذبہ رکھتے ہیں۔

صلہ رحمی سے رزق اور عمر میں برکت ہوتی ہے

(۹۲) اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ اَحَبَّ اَنْ يُّبْسَطَ لَهٗ فِيْ رِزْقِهٖ وَيُنْسَاَ لَهٗ فِيْ اَثَرِهٖ فَلْيَصِلْ رَحِمَهٗ۔

(مسلم عن انس بن مالک کتاب البرّ والصلۃ۔ بخاری کتاب البیوع۔ کتاب الادب)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص یہ بات پسند کرے کہ اس کے رزق میں کشادگی کی جائے اور اس کی عمر دراز کی جائے تو وہ رشتہ داروں سے اچھا برتاؤ کرے۔"

تشریح: صلہ رحمی کا اجر قیامت کے دن تو ملے گا ہی لیکن جو شخص رشتہ داری کے حقوق ادا کرتا ہے اور ان سے حسنِ سلوک کرتا ہے اللہ تعالیٰ دنیا میں اسے وسیع اور

بہت رزق عطا فرماتا ہے اور اس میں برکت بھی دیتا ہے اور اسے اپنی اطاعت کی راہ پر لگا دیتا ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ اسے ایسے اچھے اعمال کی توفیق بھی عنایت فرماتا ہے جو آخرت میں اس کے لیے مفید ہیں۔

عمر کے دراز ہونے کے معنی یہ نہیں ہیں کہ اس کی عمر ساٹھ سال کی بجائے ستّر، اسّی سال ہو جاتی ہے، بلکہ اس کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ اس کے اوقات فضول اور لغو کاموں میں ضائع نہیں ہوتے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اسے اپنی بندگی کی راہ پر لگا دیتا ہے اور اُسے ایسے نیک کاموں کی طرف متوجہ کر دیتا ہے جو آخرت کی زندگی میں اس کے لیے مفید ہوتے ہیں۔ اس کی زندگی کا ایک ایک لمحہ اللہ کی یاد اور فرمانبرداری کے لیے وقف ہو جاتا ہے اور نیکی کرنے اور اُسے پھیلانے کے لیے اس کی قوتِ عمل میں غیر معمولی اضافہ ہو جاتا ہے۔

اس حدیث کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں لکھا ہے کہ اگر یہ شخص صلہ رحمی کرے تو اس کے رزق میں وسعت اور برکت ہوگی اور اس کی عمر بڑھا دی جائے گی۔ کارکنانِ قضاء و قدر کو لوح محفوظ سے معلوم ہو جاتا ہے کہ مثلاً فلاں شخص کی عمر پچاس سال ہے اور اُسے اس قدر رزق ملنا چاہیے، اِلّا یہ کہ وہ صلہ رحمی کرے۔ اگر وہ رشتہ داروں سے اچھا برتاؤ کرتا ہے تو اس کے برتاؤ کے تناسب سے اس کے رزق میں برکت اور وسعت ہوتی ہے اور اس کی عمر میں بھی اضافہ ہو جاتا ہے۔ اور اگر وہ صلہ رحمی نہیں کرتا تو اس کی عمر میں اضافہ نہیں ہوتا اور اس کے رزق میں وسعت اور برکت بھی نہیں ہوتی۔

اصل واقعہ یہ ہے کہ صلہ رحمی ایک طرح کا صدقہ ہے۔ صدقہ مال کو بڑھاتا ہے۔ صدقہ کرنے سے مال میں برکت ہوتی ہے اس لیے صلہ رحمی کرنے والے کے مال میں برکت اور کثرت ہوتی ہے۔

غریب رشتہ داروں کی مالی اعانت

(۹۴) قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلصَّدَقَةُ عَلَی الْمِسْکِیْنِ

صَدَقَةٌ وَّهِيَ عَلٰى ذِی الرَّحِمِ ثِنْتَانِ صَدَقَةٌ وَّصِلَةٌ۔

(ترمذی عن سلمان عامر۔ ابواب الزکوٰۃ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: غریب اور محتاج کو خیرات دینے پر صدقہ کا اجر ہے اور رشتہ دار کو خیرات دینے پر صدقہ کرنے کا اجر ہے اور صلہ رحمی کرنے کا ثواب بھی ہے۔"

تشریح: کسی غریب اور محتاج کی مدد کرنے سے صرف صدقہ کرنے کا اجر ملتا ہے لیکن کسی نادار رشتہ دار کی مالی اعانت کرنے سے انسان کو اللہ تعالیٰ دو اجر عنایت فرماتا ہے:

ایک اجر تو اس بات کا کہ اس نے خدا کی راہ میں مال خرچ کیا ہے۔ اور دوسرا اجر اس بات کا کہ اس نے مستحق رشتہ دار کے ساتھ صلہ رحمی کی ہے۔ غریب رشتہ داروں کی مالی اعانت کرنا صلہ رحمی کا تقاضا ہے اور تمدّنی ضرورت بھی اس لیے خاندان کے خوشحال افراد کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے غریب، نادار اور معذور رشتہ داروں کی مالی اعانت کریں، اور دوسرے غریب لوگوں کے مقابلہ میں انہیں ترجیح دیں۔

صدقہ، خیرات صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کرنا چاہیے۔ جو شخص کسی غریب یا رشتہ دار کی اعانت کرے وہ نہ تو ان پر احسان جتائے اور نہ ان سے اس کا صلہ قبول کرے، اور نہ انہیں ایذا دے۔

بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اس نے غریب یا رشتہ دار کی مالی اعانت کر کے اُن کا وہ حق ادا کیا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس پر لازم کیا تھا اور معاشرت کا فطری مطالبہ تھا۔

(۹۴) كَانَ اَبُوْ طَلْحَةَ اَكْثَرَ الْاَنْصَارِ بِالْمَدِيْنَةِ مَالًا وَّكَانَ اَحَبُّ اَمْوَالِهِ اِلَيْهِ بَيْرَحَاءَ وَكَانَتْ مُسْتَقْبِلَةَ الْمَسْجِدِ وَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْخُلُهَا وَيَشْرَبُ مِنْ مَّآءٍ فِيْهَا طَيِّبٍ فَلَمَّا نَزَلَتْ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۝ قَامَ اَبُوْ طَلْحَةَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَقُوْلُ فِيْ كِتَابِهٖ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ۔ وَاِنَّ اَحَبَّ اَمْوَالِيْ اِلَيَّ بَيْرُحَاءَ وَاِنَّهَا صَدَقَةٌ لِلّٰهِ اَرْجُوْا بِرَّهَا وَذُخْرَهَا عِنْدَ اللّٰهِ فَضَعْهَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ حَيْثُ شِئْتَ فَقَالَ بَخْ ذٰلِكَ مَالٌ رَائِحٌ بَخْ ذٰلِكَ مَالٌ رَائِحٌ قَدْ سَمِعْتُ مَا قُلْتَ فِيْهَا وَاَرٰى اَنْ تَجْعَلَهَا فِي الْاَقْرَبِيْنَ قَالَ اَفْعَلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَسَمَهَا اَبُوْ طَلْحَةَ فِيْ اَقَارِبِهٖ وَبَنِيْ عَمِّهٖ۔ (بخاری عن انس بن مالک کتاب الوکالۃ مسلم کتاب الزکوٰۃ، موطا امام مالک، کتاب الجامع)

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ مدینہ کے انصار میں سب سے زیادہ مالدار تھے۔ انہیں اپنی ساری جائیداد میں سب سے زیادہ محبت بیرحاء نامی باغ سے تھی جو کہ مسجد نبوی کے سامنے تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس باغ میں تشریف لاتے اور اس کے کنویں کا نہایت عمدہ پانی پیتے جب قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی:

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ۔ (آل عمران آیت ۹۲)

"تم نیکی کو نہیں پہنچ سکتے جب تک کہ اپنی وہ چیزیں (خدا کی راہ میں) خرچ نہ کرو جنہیں تم عزیز رکھتے ہو۔"

تو ابوطلحہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتا ہے:

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۝ (آل عمران آیت ۹۲)

"تم نیکی کو نہیں پہنچ سکتے جب تک کہ اپنی وہ چیزیں (خدا کی راہ میں) خرچ نہ کرو جنہیں تم عزیز رکھتے ہو۔"

مجھے اپنی جائیداد میں سب سے زیادہ محبت "بیرحاء" سے ہے۔ یہ باغ اللہ کی رضا کے لیے صدقہ ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس نیکی کو قبول فرمائے گا اور آخرت میں میرے لیے اس کا اجر محفوظ رکھے گا۔ حضور! آپ جہاں چاہیں اسے

تصرف میں لائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: واہ واہ! وہ وسیع اور کشادہ مال ہے، اس کے متعلق تیری درخواست میں نے سُن لی ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ تم یہ باغ (اپنے غریب) رشتہ داروں کو دے دو! ابوطلحہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں آپؐ کے ارشادِ گرامی پر عمل کروں گا پس ابوطلحہؓ نے یہ باغ اپنے رشتہ داروں اور چچازاد بھائیوں میں تقسیم کر دیا۔"

تشریح: ابوطلحہؓ کی درخواست پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یہ مشورہ دیا کہ یہ باغ اپنے غریب اور نادار رشتہ داروں میں تقسیم کر دیں، اس مشورے پر عمل کرنے سے انہیں دو فائدے ہوئے:

۱۔ اللہ کی راہ میں اپنے محبوب ترین مال کو خرچ کرنے کا انہیں اجر ملا۔

۲۔ نادار رشتہ داروں کی مالی اعانت کرنے سے وہ بہت بڑے ثواب کے مستحق ہوئے۔ حسان بن ثابتؓ اور ابی بن کعبؓ بھی حضرت ابوطلحہؓ کے ان قریبی اعزّہ میں سے ہیں جن میں یہ نہایت قیمتی باغ تقسیم کیا گیا۔

" صلہ رحمی کا صرف یہ مطلب نہیں ہے کہ رشتہ داروں سے حُسن سلوک کیا جائے، اُن کی خوشی اور غمی میں شرکت کی جائے اور جائز کاموں میں ان کی مدد کی جائے، بلکہ اس میں یہ بات بھی شامل ہے کہ ذی حیثیت اور مالدار لوگ اپنے خاندان کے غریب اور تنگدست افراد کی مالی اعانت کریں۔

جو لوگ استطاعت کے باوجود اپنے خاندان کے غریب افراد کی مالی اعانت نہیں کرتے وہ قطع رحمی کے گناہ کے مرتکب ہیں، چاہے وہ نماز روزے کے پابند ہوں۔ دولت مندوں کی یہ سنگدلی خدا کے غضب کو دعوت دینے والی ہے کہ وہ خود تو عیش و عشرت کی زندگی بسر کریں اور ان کے خاندان کے غریب افراد فقر و فاقہ اور تنگدستی میں مبتلا ہوں۔

رشحات

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو رشتہ داروں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کا حکم دیا ہے۔
اس سلسلہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاداتِ گرامی کا اجمالی خاکہ یہ ہے:

۱۔ صلہ رحمی کرنے والے کے مال اور عمر میں برکت ہوتی ہے اور اس نیکی پر اُسے اجر بھی ملتا ہے۔

۲۔ کسی رشتہ دار کو خالی ہاتھ لوٹانا جائز نہیں ہے۔

۳۔ غیر مسلم رشتہ دار بھی حسن سلوک کا مستحق ہے۔

۴۔ فی الواقع صلہ رحمی یہ ہے کہ آدمی اس رشتہ دار کے ساتھ بھی حسنِ سلوک کرتا رہے جس نے اس سے تعلقات منقطع کر رکھے ہوں۔

۵۔ لیکن یاد رہے کہ کسی اس رشتہ دار سے حسنِ سلوک کرنے کے یہ معنی نہیں کہ ظلم اور گناہ کرنے میں بھی اس کی مدد کی جائے۔

۶۔ صدقہ، خیرات دینے میں غریب رشتہ داروں کو دوسرے غریبوں پر ترجیح دینی چاہیے۔

۷۔ خوشحال افراد کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے غریب رشتہ داروں کی مالی اعانت کریں۔

۸۔ کسی نادار آدمی کی مالی اعانت کرنے پر صدقہ کرنے کا اجر ہے لیکن جو شخص مفلس رشتہ دار کی مالی اعانت کرتا ہے وہ دوہرے اجر کا مستحق ہے۔ اس کے لیے ایک اجر تو صدقہ کرنے کا ہے اور دوسرا اجر رشتہ دار سے حسنِ سلوک کرنے پر ہے۔

۹۔ جو شخص رشتہ داروں سے تعلق منقطع کر لیتا ہے وہ نہ تو جنت میں جائے گا اور نہ اسے اللہ تعالیٰ رحمت اور کرم کی نظر سے دیکھے گا۔

۱۰۔ ظلم اور قطع رحمی کی سزا آخرت میں ضرور ملے گی لیکن دنیا میں بھی اس کی سزا مل کر رہتی ہے۔

باب اوّل

(٧)

یتیم کے حقوق

یتیم کی سرپرستی کا انعام

(۹۵) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَا وَکَافِلُ الْیَتِیْمِ لَہٗ وَ لِغَیْرِہٖ فِی الْجَنَّۃِ ھٰکَذَا۔ (مسلم عن ابی ہریرۃ کتاب الزہد، موطا مالک)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اور یتیم کا سرپرست ——— یتیم چاہے اس کا رشتہ دار ہو، یا اجنبی ہو ——— جنت میں اس طرح ہوں گے، آپؐ نے اپنی دو انگلیوں، شہادت کی انگلی اور بیچ کی انگلی) کو ملا کر بتایا۔

تشریح: ۱۔ سرپرست، یتیم کا رشتہ دار بھی ہو سکتا ہے۔ مثلاً: دادا، چچا، بڑا بھائی، ماموں پھوپھی اور خالہ

اور وہ شخص بھی سرپرست ہو سکتا ہے جس کا یتیم کے ساتھ قرابت اور رشتہ کا تعلق نہ ہو۔

۲۔ یتیم کی کفالت کرنے کے معنی ہیں اس کی تعلیم و تربیت، قیام و طعام اور ضروریاتِ زندگی کا انتظام کرنا، اس کی جائیداد کی نگرانی اور حفاظت کرنا۔

۳۔ سرپرست کو یتیم کے مال سے کچھ بھی نہ لینا چاہیے الّا یہ کہ وہ غریب ہو تو معروف طریقہ سے یتیم کے مال سے اپنی خدمات کا معاوضہ وصول کر سکتا ہے۔ معروف طریقے کے معنی یہ ہیں کہ سرپرست اپنی خدمات کا معاوضہ علانیہ لے، اور وہ متعین کیا جائے۔ معاوضہ ایسا جچا تلا ہونا چاہیے جسے غیر جانبدار آدمی بھی معقول اور مناسب قرار دے۔

۴۔ سرپرست کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ یتیم کے مال کی حفاظت کرے، اسے ضائع اور تلف نہ ہونے دے، بلکہ اس کی ترقی کے لیے کوشش کرتا رہے۔ اور اس مال کو صرف اس کے مفاد میں خرچ کرے۔ اور اس کی منقولہ اور غیر منقولہ جائیداد کے بہترین حصہ کو اپنے بُرے مال سے نہ بدلے۔

۵۔ بعض سرپرست ضرورت سے زیادہ عقلمند ہوتے ہیں ——— یتیم بچّوں کی کمزوری اور بے شعوری سے ناجائز فائدہ اٹھا کر اُن کے اچھے مال کو اپنے بُرے مال سے بدل لیتے ہیں یا حیلے بہانے سے ان کے مال پر قبضہ کر لیتے ہیں یا وہ ایسا رویّہ اختیار کرتے ہیں جس کے نتیجہ میں باشعور اور جوان ہونے کے بعد وہ فقر و فاقہ میں مبتلا ہو جاتے ہیں دراں حالیکہ بچپن میں وہ

خوشحال اور مال دار تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے سنگدل سرپرستوں کو یہ دھمکی دی ہے کہ:

اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا یَاْكُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ؕ وَسَیَصْلَوْنَ سَعِیْرًا ۝ (النساء آیت ۱۰)

"جو لوگ ظلم کے ساتھ یتیموں کے مال کھاتے ہیں درحقیقت وہ اپنے پیٹ آگ سے بھرتے ہیں اور وہ ضرور جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ میں جھونکے جائیں گے۔"

۶۔ مالدار یتیم کی کفالت بڑا کٹھن مرحلہ ہے لیکن غریب اور مفلس یتیم کی کفالت بھی بڑے عزم اور حوصلہ کی بات ہے۔ جو شخص یہ ذمہ داری قبول کرتا ہے اور اسے ایمانداری اور بے غرضی سے پورا کرتا ہے وہ لازماً اس بات کا مستحق ہے کہ جنت میں اسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قرب نصیب ہو۔

۷۔ اور جب وہ جوان ہو جائیں اور کاروبار کرنے کی ان میں صلاحیت پیدا ہو جائے تو سرپرست کو چاہیے کہ ان کا مال انہیں واپس کر دے۔

اچھے اور بُرے گھر کی علامت

(۹۶) عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خَیْرُ بَیْتٍ فِی الْمُسْلِمِیْنَ بَیْتٌ فِیْهِ یَتِیْمٌ یُحْسَنُ اِلَیْهِ وَشَرُّ بَیْتٍ فِی الْمُسْلِمِیْنَ بَیْتٌ فِیْهِ یَتِیْمٌ یُسَاءُ اِلَیْهِ۔

(ابن ماجہ عن ابی ہریرۃ ابواب الادب مسند احمد مرویات ابی ہریرۃ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمانوں کے گھروں میں سے بہترین گھر وہ ہے جس میں یتیم ہو اور اس کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا جاتا ہو۔ اور مسلمانوں کے گھروں میں سے بُرا گھر وہ ہے جس میں یتیم ہو اور اس کے ساتھ بدسلوکی کی جاتی ہو۔

تشریح: باپ کی وفات سے بچّے عام طور پر احساس کہتری کا شکار ہو جاتے ہیں — اور ان کے دل غم و حسرت کی لہروں کی گزرگاہ بن جاتے ہیں۔ اگر سرپرست ذی فہم اور خدا ترس ہو تو اپنے بہترین اخلاق سے یتیم بچے کی دل جوئی میں کوئی کسر اٹھا کر نہیں رکھتا۔

گھر کے سب افراد خصوصاً گھر کے سرپرست کو یتیم کے ساتھ دوسرے بچّوں جیسا برتاؤ کرنا چاہیے۔

تاکہ اسے باپ کی شفقت سے محرومی کا احساس نہ ہو۔ یتیم کے ساتھ بدسلوکی کرنے کے معنی یہ ہیں کہ اس کے مقابلہ میں اپنے بچّوں کے ساتھ امتیازی برتاؤ کیا جائے، لباس اور کھانے پینے کے معاملہ میں اس کے جذبات کو مجروح کرنے کی کوشش کی جائے اور اس کی عزّتِ نفس کو بچوکے لگائے جائیں۔

تین یتیم بچوں کے سرپرست کا مرتبہ

(۹۷) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ عَالَ ثَلٰثَۃً مِّنَ الْاَیْتَامِ کَانَ کَمَنْ قَامَ لَیْلَہٗ وَصَامَ نَہَارَہٗ وَغَدَا وَرَاحَ شَاہِرًا سَیْفَہٗ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَکُنْتُ اَنَا وَھُوَ فِی الْجَنَّۃِ اَخَوَیْنِ کَھَاتَیْنِ اُخْتَانِ وَ وَاَلْصَقَ اِصْبَعَیْہِ السَّبَّابَۃِ وَالْوُسْطٰی۔

(ابن ماجہ عن ابن عباس ابواب الادب)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص تین یتیموں کی معاشی کفالت کرتا ہے وہ اس شخص کی مانند ہے جو رات کو قیام کرتا ہے اور دن میں روزے رکھتا ہے اور صبح و شام اللہ کی راہ میں تلوار سونتے رہتا ہے میں اور وہ جنت میں ان دو انگلیوں کی طرح ایک ساتھ ہوں گے۔ آپؐ نے اپنی دو انگلیوں ـــــــ شہادت کی انگلی اور بیچ کی انگلی کو ملا کر بتایا۔

تشریح: مفلس اور غریب یتیموں کی معاشی کفالت کرنے والے کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین باتوں کی خوش خبری دی ہے:

(۱) اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں وہ اس عابد کی طرح محبوب ہے جو ہمیشہ رات کو نوافل ادا کرتا ہے اور دن میں روزے رکھتا ہے۔

(۲) وہ اس مجاہد کے ہم مرتبہ ہے جو ہمیشہ اللہ کی راہ میں لڑنے کے لئے اپنی تلوار کو سونتے رہتا ہے۔

(۳) وہ جنت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب اور نگاہ کرم کا مستحق ہوگا۔

دل کی سختی کا علاج

(۹۸) اِنَّ رَجُلاً شَکَا اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَسْوَۃَ قَلْبِہٖ قَالَ اِمْسَحْ رَاْسَ الْیَتِیْمِ وَاَطْعِمِ الْمِسْکِیْنَ۔

(مشکوٰۃ عن ابی ہریرۃ بحوالہ احمد کتاب الآداب باب الشفقۃ)

ایک آدمی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ میرا دل سخت ہے۔ آپؐ نے فرمایا، یتیم کے سر پر ہاتھ پھیر اور مسکین کو کھانا کھلا۔

تشریح: کسی کو مصیبت میں مبتلا پا کر جس کا دل نرم نہ ہو اور جو شخص کمزور اور مظلوم پر رحم نہ کرے وہ سنگدل ہے۔

ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس روحانی بیماری کی شکایت کی تو آپؐ نے اس کا یہ علاج بتایا کہ:

"تم یتیم کے سر پر شفقت کا ہاتھ پھیرا کرو اور مسکینوں کو کھانا کھلایا کرو۔"

یہ کام مسلسل کرنے سے دل میں نرمی اور رحم پیدا ہو جائے گا اور سنگدلی دور ہو جائے گی۔

حضورؐ کے اس ارشاد گرامی سے معلوم ہوتا ہے کہ یتیم کے ساتھ محبت کرنے اور اس کے سر پر پیار کا ہاتھ پھیرنے سے دل کی سختی اور قساوت دور ہو جاتی ہے۔

غریبوں اور مسکینوں سے نہ تو قرابت کا تعلق ہوتا ہے اور نہ ان کی مالی وجاہت ایسی ہوتی ہے جس کی بنا پر آدمی انہیں کھانا کھلانے پر مجبور ہو۔ اس طرح کے لوگوں کو کھانا کھلانے سے آدمی میں فیاضی، وسعت قلبی اور رحم دلی کی صفات پیدا ہوتی ہیں۔

رشحات

اللہ تعالیٰ نے یتیموں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سلسلہ میں جو ہدایات دی ہیں ان کے اہم نکات یہ ہیں:

(۱) یتیم اور اس کے مال کی کفالت کسی رشتہ دار کو قبول کرنی چاہیے۔ اگر کوئی رشتہ دار موجود نہ ہو یا کسی رشتہ دار کو اس کی صلاحیت نہ ہو تو خاندان سے باہر کسی موزوں آدمی کو اس کی سرپرستی قبول کرنی چاہیے۔

(۲) سرپرست کو اس کے مال سے کچھ بھی نہ لینا چاہیے الّا یہ کہ اس کی معاشی حالت اچھی نہ ہو۔ اس صورت میں وہ اپنی خدمات کا معاوضہ معروف طریقے سے لے سکتا ہے۔

(۳) سرپرست کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اس کی تعلیم اور تربیت میں کوئی کسر اٹھا کر نہ رکھے اور اس کے لیے ضروریاتِ زندگی کی فراہمی کا انتظام کرے، اس کے مال کو ضائع ہونے دے، نہ تلف کرے اور نہ اس کے اچھے مال کو اپنے بُرے مال سے بدلے، بلکہ اس کی حفاظت کرے۔

(۴) جو شخص ناحق یتیم کا مال کھاتا ہے وہ اپنے پیٹ میں آگ بھرتا ہے۔

(۵) اگر یتیم صاحبِ مال نہ ہو تو اس کے قریبی اعزّہ ورنہ دُور کے رشتہ داروں کو اس کا کفیل ہونا چاہیے۔ اگر اس کے رشتہ داروں کو اس ذمّہ داری کے قبول کرنے کی استطاعت نہ ہو تو پھر اس محلہ یا شہر کے مسلمانوں کو اس کی سرپرستی کرنی چاہیے جس میں وہ رہتا ہے۔ اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو پھر اسلامی ریاست اس کی کفیل ہوگی۔

(۶) سرپرست اور اس کے گھر والوں کو یتیم کے ساتھ نہایت شفقت اور محبت کا برتاؤ کرنا چاہیے تاکہ اُسے باپ کی شفقت سے محرومی کا احساس نہ ہو۔

(۷) جو شخص اللہ کی رضا کے لیے یتیموں کی سرپرستی کرتا ہے اور ان کی خدمت گاری میں کوتاہی نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کا مرتبہ اس مجاہد سے کم نہیں ہے جو اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کے لیے ہر وقت مسلح رہتا ہے اور اس عابد سے بھی کم نہیں ہے جو ہمیشہ رات کو نوافل پڑھتا ہے اور دن کو روزے رکھتا ہے۔

(۸) یتیم کے سر پر شفقت کا ہاتھ پھیرنے سے دل کی قساوت دُور ہو جاتی ہے۔

باب اوّل

(۸)

مُلازم اور خادم کے حقوق

خادم کے حقوق

(۹۹) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِلْمَمْلُوْکِ طَعَامُہٗ وَکِسْوَتُہٗ بِالْمَعْرُوْفِ وَلَا یُکَلَّفُ مِنَ الْعَمَلِ اِلَّا مَا یُطِیْقُ۔

(مؤطا مالک عن ابی ہریرۃ مسلم کتاب الایمان)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: غلام کا یہ حق ہے کہ اسے معروف طریقے سے کھانا اور کپڑا دیا جائے اور اس کی استطاعت سے زیادہ اس سے کام نہ لیا جائے۔

تشریح: جاہلیت کے زمانہ میں غلاموں کے ساتھ جانوروں سے بھی بدتر سلوک کیا جاتا اور ان سے ناقابل برداشت کام لیا جاتا اور اس پر مزید ستم یہ ہوتا کہ نہ تو انہیں اچھی طرح کھانا کھلایا جاتا اور نہ انہیں ضرورت کے مطابق لباس پہنایا جاتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں یہ طبقہ موجود تھا، آپؐ نے ان سے حسن سلوک کرنے کی نہ صرف یہ کہ سخت تاکید کی، بلکہ آپؐ نے اسلامی معاشرے میں ان کی عزّتِ نفس اور معاشی کفالت کے لیے بھی اہم ہدایات دیں۔

معروف طریقے سے غلام کو کھانا اور کپڑا دینے کے معنی یہ ہیں کہ مالک اپنی حیثیت اور استطاعت کے مطابق اس کی ضروریات کی ایسی کفالت کرے جو ایک غیر جانبدار آدمی کی نگاہ میں معقول اور مناسب ہو۔

اس حدیث کے مضمون سے یہ بات بھی اخذ کی جا سکتی ہے کہ:

(۱) نوکر اور ملازم

—— چاہے وہ سرکاری ملازم ہو یا کسی نجی ادارے میں نوکری کرے یا وہ کسی شخص کے ہاں ملازمت کرے —— کو اس کے کام کا اتنا معاوضہ دیا جائے جس سے اس کی ضروریات زندگی کی کفالت ہو سکے۔"

ملازم کی تنخواہ کتنی ہونی چاہیے؟ اس سلسلہ میں یہ اصول پیش نظر رہنا چاہیے کہ کوئی شخص خوش دلی سے ملازمت کے پیشے کو پسند نہیں کرتا، وہ صرف اس لیے ملازمت اختیار کرتا ہے تاکہ وہ باعزّت طریقہ سے اپنا اور اپنے بال بچّوں کا پیٹ پال سکے۔

وہ شخص یا ادارہ خدا کے ہاں جوابدہ ہے جو اپنے ملازم کو طے شدہ تنخواہ نہیں دیتا یا اُسے اتنی تھوڑی تنخواہ دیتا ہے جس سے اس کی ضروریات پوری نہیں ہوسکتیں۔

افسوس ہے کہ عام طور پر بااثر مالدار اور بگڑے ہوئے صنعت کار نہ تو اپنے ملازمین کو ان کے کام کا معقول معاوضہ دیتے ہیں اور نہ انہیں ملازمت سے دستبردار ہونے کی اجازت دیتے ہیں تاکہ وہ کسی دوسری جگہ اچھی تنخواہ پر ملازمت کرکے اپنے بال بچوں کا پیٹ پال سکیں۔

اسی طرح جاہل زمیندار اپنے غریب پڑوسیوں اور مزارعین کو ڈرا دھمکا کر معمولی تنخواہ پر ملازم رکھ لیتے ہیں۔ وہ نہ تو ان کی تنخواہ میں اضافہ کرتے ہیں اور نہ اپنی غلامی کے قلادہ سے ان کی گردن کو آزاد کرتے ہیں۔ اگر کوئی ملازم اپنے بال بچوں کا پیٹ پالنے کے لیے کسی دوسری جگہ معقول تنخواہ پر ملازمت کرنے کی جسارت کرے تو اُسے تھانے میں بلوا کر سیدھا کر دیتے ہیں۔ اگر وہ گستاخ کچھ زیادہ ٹیڑھا ہو تو اس کے دماغ کی خرابی کو دُور کرنے کے لیے اُسے کسی مقدمہ میں پھنسا دیتے ہیں یا اس کے خلاف مقدمہ تیار کر لیتے ہیں تاکہ حوالات یا جیل خانہ میں اس کی "اصلاح" ہو سکے۔

(۲) نوکر سے اتنا کام لینا چاہیے جو اس کے بس میں ہو۔ اس کی استطاعت سے زیادہ اس پر بوجھ ڈالنا جائز نہیں ہے۔"

بعض کھاتے پیتے لوگ اپنے ملازموں سے ان کی استطاعت سے زیادہ کام لینے کے خوگر ہوتے ہیں خصوصًا ان بے بس ملازمین سے تو وہ حسبِ منشا بہت زیادہ کام لیتے ہیں جن کے متعلق انہیں معلوم ہو کہ کسی دوسری جگہ ان کو ملازمت نہیں ملتی۔

خادم کے ساتھ کیسا برتاؤ کرنا چاہیے

(۱۰۰) عَنِ الْمَعْرُوْرِ عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ رَأَیْتُ عَلَیْهِ بُرْدًا وَعَلٰی غُلَامِهٖ بُرْدًا فَقُلْتُ لَوْ اَخَذْتَ هٰذَا فَلَبِسْتَهٗ کَانَتْ حُلَّةً وَاَعْطَیْتَهٗ ثَوْبًا اٰخَرَ فَقَالَ کَانَ بَیْنِیْ وَبَیْنَ رَجُلٍ کَلَامٌ وَکَانَتْ اُمُّهٗ اَعْجَمِیَّةً فَنِلْتُ مِنْهَا فَذَکَرَنِیْ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ

لِیْ أَسَابَبْتَ فُلَانًا؟ قُلْتُ نَعَمْ، قَالَ اَفَنِلْتَ مِنْ اُمِّہٖ؟ قُلْتُ نَعَمْ، قَالَ اِنَّكَ امْرُؤٌ فِیْكَ جَاهِلِیَّةٌ قُلْتُ عَلٰی سَاعَتِیْ هٰذِهٖ مِنْ کِبَرِ السِّنِّ؟ قَالَ نَعَمْ هُمْ اِخْوَانُکُمْ جَعَلَهُمُ اللّٰهُ تَحْتَ اَیْدِیْکُمْ، فَمَنْ جَعَلَ اللّٰهُ اَخَاهُ تَحْتَ یَدِهٖ فَلْیُطْعِمْهُ مِمَّا یَأْکُلُ وَلْیُلْبِسْهُ مِمَّا یَلْبَسُ، وَلَا یُکَلِّفُهُ مِنَ الْعَمَلِ مَا یَغْلِبُهُ فَإِنْ کَلَّفَهُ مَا یَغْلِبُهُ فَلْیُعِنْهُ عَلَیْهِ۔

(بخاری کتاب الادب باب ما یُنہی عن اللعن والسباب مسلم کتاب الایمان باب صحبۃ الممالیک)

"معرور بن سُوید سے روایت ہے وہ کہتے ہیں میں نے دیکھا کہ ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے ایک چادر پہن رکھی تھی اور ان کے غلام نے بھی ایک چادر پہنی ہوئی تھی۔ میں نے ان سے کہا اگر آپ وہ چادر لے کر پہن لیتے تو آپ کے لیے حُلّہ ــــ جوڑا ــــ ہوتا اور غلام کو پہننے کے لیے کوئی اور کپڑا دے دیتے حضرت ابوذرؓ نے فرمایا:۔

میرے اور ایک آدمی کے درمیان تلخ کلامی ہوگئی ــــ جو غلام ہونے کے علاوہ عجمی عورت کا بیٹا تھا ــــ میں نے اس کی ماں پر طنز کیا (کہ تُو تو عجمی عورت کا بیٹا ہے) اُس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے میری شکایت کی۔ آپؐ نے مجھ سے فرمایا:

کیا تُو نے فلاں کو گالی دی ہے؟

میں نے عرض کیا جی، ہاں!

آپ نے فرمایا: کیا تُو نے اس کی ماں کو بُرا بھلا کہا ہے؟

میں نے عرض کیا: جی ہاں!

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم میں جاہلیت موجود ہے"۔ میں نے عرض کیا، کیا اس وقت بھی مجھ میں "جاہلیت" پائی جاتی ہے جبکہ میں بہت بوڑھا ہوں"

آپؐ نے فرمایا: ہاں (آخر غلام کے ساتھ اُلجھ کر تو نے کس چیز کا مظاہرہ کیا ہے؟) غلام تمہارے بھائی ہیں' اللہ تعالیٰ نے انہیں تمہارے تصرّف میں دے رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ جس شخص کے بھائی کو اس کے تصرّف میں دے تو وہ اسے وہ کھانا کھلائے جو وہ خود کھاتا ہے اور اسے وہ کپڑے پہنائے جو وہ خود پہنتا ہے اور اس پر ناقابل برداشت کام کا بوجھ نہ ڈالے اور اگر اس پر کسی ایسے کام کا بوجھ ڈالے جو اس کے بس میں نہ ہو تو اس کام میں اس کا ہاتھ بٹائے"۔

تشریح: (۱) عرب میں "حُلّہ" مرد کے اس لباس کو کہا جاتا ہے جو اوڑھنے کی چادر اور تہبند پر مشتمل ہو۔

جب معرور بن سُوید نے دیکھا کہ خوبصورت دھاریدار اور نفیس حُلّہ حضرت ابوذرؓ پر نہیں ہے' بلکہ اس کی ایک چادر ان کے زیب تن ہے اور دوسری چادر (تہبند) ان کے غلام نے پہن رکھی ہے تو انہوں نے عرض کیا حضرت یہ آپؐ نے کیا کیا؟ وہ نفیس تہبند بھی آپؐ ہی پہن لیتے تو آپ کے جسم پر ایک موزوں حُلّہ (جوڑا) اچھا لگتا اور کوئی دوسرا کپڑا لے کر غلام کو پہناتے۔ حضرت ابوذرؓ نے اسے وہ واقعہ سُنایا جو مندرجہ بالا حدیث میں مذکور ہے۔ حضور صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ارشادِ گرامی سے انہوں نے یہ بات اخذ کی کہ ہم اپنے زیرِ تصرّف بھائی کو وہ کھلائیں جو ہم خود کھائیں اور اسے وہ کپڑے پہنائیں جو ہم خود پہنیں۔ نفیس اور خوبصورت حُلّہ کو خود پہننے کی بجائے انہوں نے اس کی ایک چادر خود زیب تن کی اور دوسری چادر یعنی تہبند اپنے غلام کو پہنایا بلکہ اس واقعہ کے بعد ان کے تقویٰ اور احتیاط کا یہ حال تھا کہ وہ ہمیشہ اپنے اور غلام کے درمیان لباس اور خوراک میں کسی قسم کی تفریق اور امتیاز نہ کرتے جس درجے کا کھانا وہ خود کھاتے غلام کو بھی اس درجے کا کھانا کھلاتے اور جس طرح کا لباس وہ خود پہنتے اسی طرح کا لباس غلام کو بھی پہناتے۔

حضور صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی ابوذرؓ کو یہ نصیحت اور غلام کے ساتھ ان کا مساویانہ

برتاؤ "احتیاط اور فضیلت" پر مبنی ہے، اس کے افضل اور مستحب ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔

اس سے کسی کو یہ غلط فہمی نہ ہو کہ "اسلام، معاشی مساوات کا قائل ہے خصوصاً آقا اور غلام یا سردار اور نوکر کے لباس اور خوراک میں کسی قسم کے امتیاز اور تفریق کو پسند نہیں کرتا۔"

اسلام کے معاشی نظریہ پر تو ہم آگے چل کر بحث کریں گے، یہاں ہم صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اسلام کا مطالبہ صرف یہ ہے کہ "آقا اپنے غلام کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے، اپنی استطاعت کے مطابق اس کی خوراک اور لباس کا انتظام کرے" یہ تو نہ ہونا چاہیئے کہ وہ خود تو کئی قسم کے کھانوں سے لطف اندوز ہو اور اس کے غلام کو سارے دن میں ایک وقت کا کھانا بھی پیٹ بھر کر نہ ملے۔ اسی طرح اسلام اس بات کی اجازت بھی نہیں دیتا کہ ایک شخص کے دسترخوان پر تو انواع واقسام کے کھانے ہوں اور اس کے نوکر اور خادمین کو دن میں ٹھیک طرح سے ایک وقت کا کھانا بھی نہ ملے۔

اس رائے کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں حضور صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا ہے کہ "غلام کو معروف طریقے سے کھانا اور کپڑے دینا ہے۔"

(ملاحظہ ہو حدیث نمبر ۹۹)

یہ ایک اصولی ہدایت ہے جس کا صاف اور سیدھا مطلب یہ ہے کہ غلام کو دو وقت کا پیٹ بھر کر کھانا ملے اور موسم کے مطابق حسب ضرورت اسے لباس ملنا چاہیئے۔

"معروف طریقے" سے مراد یہ ہے کہ آقا اپنے دَور کی معاشرت کے مطابق غلام کی خوراک، لباس، اور ضروریاتِ زندگی کی ایسی کفالت کرے جسے ایک غیر جانبدار آدمی مناسب اور معقول قرار دے۔

(۲) حضور صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی تشریف آوری سے پہلے عرب کے لوگ جن بُرائیوں میں مبتلا تھے اسے "جاہلیت" کہتے ہیں۔

جاہلیت کے زمانہ میں اہلِ عرب کو اپنے عرب ہونے پر بہت ناز اور فخر تھا وہ

عجمیوں کو حقیر اور ذلیل سمجھتے تھے، کسی شخص کے معیوب اور حقیر ہونے کے لئے یہ بات کافی تھی کہ وہ عجمی عورت کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے۔ اسلام نے جاہلیت کے اس طرزِ فکر پر کاری ضرب لگائی اور یہ اصول دیا کہ:

"کسی عربی کو عجمی پر اور گورے کو کالے پر فضیلت نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں سب سے زیادہ قابلِ احترام صرف وہ ہے جو سب سے زیادہ خدا ترس ہو۔"

اسلامی معاشرت میں کسی کے نسب میں کیڑے نکالنا اور طعن کرنا جائز نہیں ہے۔

(۳) ایک غلام سے تلخ کلامی کے دوران حضرت ابوذرؓ کی رگِ عربیت پھڑک اٹھی تو انہوں نے اس پر طنز کا تیر چھوڑا کہ تمہاری ماں تو عجمی ہے حضور صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے ان کی اس بات کو ایک ایسی گالی قرار دیا جس کا جاہلیت کے زمانہ میں تو رواج تھا لیکن اسلام میں اس کی اجازت نہ تھی۔

حقیقت یہ ہے کہ ایک سیّد زادہ کو اس کی خاندانی شرافت فائدہ نہیں دے سکتی اگر وہ متقی نہ ہو اور ایک معمولی خاندان کا فرد اللہ تعالیٰ کا محبوب ہوسکتا ہے بشرطیکہ وہ اپنی زندگی میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے اجتناب کرے۔

فسق و فجور کا دلدادہ قریشی اللہ تعالیٰ کے عتاب اور غضب کی زد میں آسکتا ہے اور جُلاہا پرہیزگاری اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے کی وجہ سے رحمٰن کی نگاہ کرم اور رحمت کا مستحق ہوسکتا ہے۔

کسی شخص کی ماں کے عجمی ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ ذلیل اور حقیر ہے بشرطیکہ وہ خدا سے ڈرنے والا ہو اور اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار ہو۔

اور کسی شخص کی ماں کے عرب ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ بڑا باعزّت اور قابلِ احترام ہے چاہے وہ تقویٰ سے کوسوں دور ہو۔

اللہ تعالیٰ کے ہاں احترام اور عزّت کا مدار کسی کے عربی یا عجمی ہونے پر نہیں ہے بلکہ تقویٰ اور نیکی پر ہے۔

ایک غلام، خادم اور نوکر، اللہ تعالیٰ کا مقرّب ہے اور جنّت میں جائے گا اگر

وہ اپنی پوری زندگی میں خدا کا وفادار بندہ بن کر رہے اور فسق و فجور سے اجتناب کرے۔ اونچے خاندان کا سردار اور خوشحال آدمی اللہ تعالیٰ کے ہاں مغضوب ہے اور دوزخ میں جائے گا اگر وہ خدا کا باغی ہے اور مرتے دم تک اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا ارتکاب کرتا رہتا ہے کسی مسلمان کے نسب میں طعن کرنا اور اسے حقیر جاننا نہ صرف یہ کہ جائز نہیں ہے بلکہ جاہلیت کے مزاج کی حوصلہ افزائی ہے۔

(۴) اس حدیث کے مضمون پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ:

مسلمان کو ان سب لوگوں سے بھائیوں جیسا برتاؤ کرنا چاہیے جو اس کے قبضہ اور تصرّف میں ہوں، چاہے وہ غلام ہوں یا نوکر اور خادم۔

- مسلمان آقا کو چاہیے کہ وہ اپنے نوکر اور خادم کا بھائی بن کر رہے اور اس کے ساتھ وہ برتاؤ کرے جو ایک بھائی دوسرے بھائی کے ساتھ کرتا ہے۔ اسے گالی نہ دے اس کی پٹائی نہ کرے، اس کی عزّتِ نفس کو مجروح نہ کرے۔
- اور اس پر کام کا اتنا بوجھ ڈالے جسے وہ کر سکے۔ اس پر اس کی قوّت سے زیادہ بوجھ ڈالنا جائز نہیں ہے اگر کسی مجبوری کی وجہ سے اس پر کام کا ناقابل برداشت بوجھ ڈالے تو اس کام کو کرنے میں اس کی اعانت کرے، آقا اور نوکر دونوں مل کر اس مشکل کام کو کرنے کی کوشش کریں۔
- آقا کو یوں بھی سوچنا چاہیئے کہ میں اگر اس خادم کی جگہ ہوتا اور میرا یہ خادم میرا آقا ہوتا تو میں اس سے کس اخلاق اور برتاؤ کی توقع رکھتا اس لیے اب میں بھی اپنے اس خادم کے ساتھ وہ برتاؤ کروں اور ایسے اخلاق سے پیش آؤں جسے میں اپنے لیے پسند کرتا اگر میں اس کی جگہ ہوتا۔
- اسی طرح کھاتے پیتے خاندان کو چاہیے کہ وہ اپنی ملازمہ اور خادمہ کے ساتھ وہ برتاؤ کرے جو ایک بہن اپنی دوسری بہن کے ساتھ کرتی ہے۔ اس کی عزّتِ نفس کو مجروح نہ کرے، اسے گالی نہ دے اور اس سے اتنا کام لے جو اس کے بس میں ہو اگر اس پر کام کا اتنا بوجھ ڈالنے کی نوبت آئے جو اس کی طاقت سے زیادہ ہو تو مالکہ کو چاہیے کہ وہ اس کام میں اس

کی اعانت کرے۔

- خاتونِ خانہ، اپنی ملازمہ اور خادمہ کے ساتھ ایسا رویہّ اختیار کرے جو وہ اپنے لیے پسند کرتی اگر وہ خود اس کی جگہ خادمہ یا ملازمہ ہوتی۔

خادم کو اپنے ساتھ کھانا کھلانا چاہیے

(۱۰۱) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا صَنَعَ لِاَحَدِکُمْ خَادِمُہٗ طَعَامَہٗ ثُمَّ جَاءَہٗ بِہٖ وَقَدْ وَلِیَ حَرَّہٗ وَدُخَانَہٗ فَلْیُقْعِدْہُ مَعَہٗ فَلْیَاْکُلْ فَاِنْ کَانَ الطَّعَامُ مَشْفُوْھًا قَلِیْلًا فَلْیَضَعْ فِیْ یَدِہٖ مِنْہُ اُکْلَۃً اَوْ اُکْلَتَیْنِ۔

(مسلم عن ابی ہریرۃ کتاب الایمان باب صحبۃ الممالیک بخاری کتاب فی العتق کتاب الاطعمۃ)

"رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا جب تم میں سے کسی شخص کا خادم کھانا تیار کر کے اس کے پاس لائے ــــــ اور حال یہ ہے کہ اس نے گرمی اور دھوئیں کی زحمت برداشت کر کے یہ کھانا تیار کیا ہے ــــــ تو اسے پاس بٹھا کر اپنے ساتھ کھانا کھلائے، اگر کھانا تھوڑا ہو (اور کھانے والوں کی تعداد زیادہ ہو) تو اس میں سے ایک یا دو لقمے اس کے ہاتھ میں رکھ دے۔"

تشریح: (۱) اسلام کے اخلاقی نظام میں بہترین رویہ یہ ہے کہ آدمی اپنے خادم (یا ملازم) کو اپنے ساتھ کھانا کھلائے چاہے وہ اس کے باورچی خانہ میں کام کرتا ہو یا دوسری خدمات انجام دیتا ہو۔ اسی طرح گھر کی خواتین بھی اپنی ملازمہ اور خادمہ کو اپنے ساتھ کھانا کھلائیں۔

حسنِ اخلاق کا یہ اونچا درجہ ہے اس پر مسلسل عمل کرنے سے:

(الف) آدمی کے اخلاق کی تربیت ہوتی رہتی ہے۔

(ب) اور اسے تکبّر اور فخر کے جراثیم سے بھی نجات ملتی ہے، اس کے علاوہ

(ج) خادم اپنے سردار سے محبّت کرنے لگتا ہے اور

(د) محسوس کرتا ہے کہ سردار نے اس کی عزّت افزائی کی ہے اور اس کا احترام کیا ہے۔
(۲) لیکن جو شخص یہ رویّہ اختیار نہ کر سکے تو اسے چاہیے کہ اپنے خادم کو اس کھانے میں سے بھرپور کھانا دے۔
(۳) اگر کھانا تھوڑا ہو اور کھانے والوں کی تعداد زیادہ ہو تو وہ اس میں سے تھوڑا سا کھانا خادم کو ضرور دے خصوصاً اس خادم کو، جس کا تعلق کھانا پکانے اور اسے لانے سے ہے۔

اس سے بڑھ کر بے مروّتی اور کیا ہوگی کہ کھانا تیار کرنے والے خادم (یا خادمہ) کو اس کھانے کا ایک لقمہ بھی نہ دیا جائے جس نے گرمی اور دھوئیں کی زحمت برداشت کر کے اسے تیار کیا تھا۔

سنگدل اور بخیل آدمی گھر میں بچا ہوا کھانا اور فروٹ اپنے ملازم کو دینا پسند نہیں کرتا اگرچہ وہ خراب ہو کر ضائع ہو جائے یا گل سڑ جائے۔

(۴) مستحب اور افضل تو یہ ہے کہ آقا غلام کے ساتھ اور سردار خادم کے ساتھ کھانے اور لباس میں مساویانہ برتاؤ کرے جیسا کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے (ملاحظہ ہو حدیث نمبر ۱۰۰)
(۵) لیکن اگر سردار خادم کے لباس سے نفیس لباس پہنتا ہے اور اس کے کھانے سے بہترین کھانا کھاتا ہے تو یہ اس کے لیے جائز ہے۔
(۶) وہ سردار گناہ گار ہے جو ملک کے رواج کی رو سے اپنے غلام یا خادم کے لباس اور کھانے میں کمی یا کوتاہی کرتا ہے کیونکہ وہ شرعاً اپنے غلام یا خادم کو اس معیار کے کھانے اور لباس دینے کا پابند ہے جو عام طور پر معاشرے میں اس طرح کے لوگوں کو دیا جاتا ہے (ملاحظہ ہو حدیث نمبر ۹۹)

مالک اور ملازم دونوں جوابدہ ہیں

(۱۰۲) عَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ جَاءَ رَجُلٌ فَقَعَدَ بَیْنَ یَدَیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ ـــــــ

يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنَّ لِيْ مَمْلُوْكِيْنَ يَكْذِبُوْنَنِيْ وَيَخُوْنُوْنَنِيْ وَيَعْصُوْنَنِيْ وَأَشْتِمُهُمْ وَأَضْرِبُهُمْ فَكَيْفَ أَنَا مِنْهُمْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَانَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يُحْسَبُ مَا خَانُوْكَ وَعَصَوْكَ وَكَذَبُوْكَ وَعِقَابُكَ إِيَّاهُمْ فَإِنْ كَانَ عِقَابُكَ إِيَّاهُمْ بِقَدْرِ ذُنُوْبِهِمْ كَانَ كَفَافًا لَا لَكَ وَلَا عَلَيْكَ

وَإِنْ كَانَ عِقَابُكَ إِيَّاهُمْ دُوْنَ ذَنْبِهِمْ كَانَ فَضْلًا لَكَ وَإِنْ كَانَ عِقَابُكَ إِيَّاهُمْ فَوْقَ ذُنُوْبِهِمْ اُقْتُصَّ لَهُمْ مِنْكَ الْفَضْلُ.

فَتَنَحَّى الرَّجُلُ وَجَعَلَ يَهْتِفُ وَيَبْكِيْ

فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَا تَقْرَأُ قَوْلَ اللّٰهِ تَعَالٰى

وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَّإِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ أَتَيْنَا بِهَا وَكَفٰى بِنَا حَاسِبِيْنَ ○

فَقَالَ الرَّجُلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا أَجِدُ لِيْ وَلِهٰؤُلَاءِ شَيْئًا خَيْرًا مِّنْ مُفَارَقَتِهِمْ أُشْهِدُكَ إِنَّهُمْ كُلَّهُمْ أَحْرَارٌ۔

(مشکوٰۃ کتاب الفتن باب الحساب بحوالہ ترمذی)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں ایک آدمی آیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیٹھ کر اس نے عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) میرے کچھ غلام ہیں جو مجھ سے جھوٹ بولتے ہیں اور امانت میں خیانت کرتے ہیں اور میری نافرمانی کرتے ہیں میں انہیں گالی دیتا ہوں اور ان کی پٹائی کرتا ہوں۔ اس طرز عمل کی وجہ سے اللہ تعالیٰ

میرے ساتھ کیا برتاؤ کرے گا؟"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جب قیامت کا دن آئے گا، تیرے ساتھ انہوں نے جو خیانت کی ہے اور جھوٹ بولا ہے اور تیری نافرمانی کی ہے اس کا موازنہ کیا جائے گا اس سزا سے جو تو نے ان کو دی ہے"—— "تیری سزا اگر ان کے گناہوں کے برابر ہوئی تو برابر سرابر چھوٹ جائے گا اس پر نہ تو تجھے اجر ملے گا اور نہ سزا ملے گی"۔

"اور اگر تیری سزا ان کے گناہ سے کم ہوئی تو تیرے لیے نفع کا باعث ہے اور اگر تیری سزا ان کے گناہ سے زیادہ ہوئی تو بقدر زائد تجھ سے ان کے لیے بدلہ لیا جائے گا"۔

یہ بات سن کر وہ آدمی ایک طرف کو ہو گیا اور چلا چلا کر رونا شروع کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا، کیا تو نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نہیں پڑھا؟

وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَإِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ أَتَيْنَا بِهَا وَكَفَىٰ بِنَا حَاسِبِيْنَ ۝ (الانبیاء: آیت ۴۷)

ہم قیامت کے دن انصاف کی ترازو رکھ دیں گے کسی شخص پر ذرہ برابر ظلم نہ کیا جائے گا جس کا رائی کے دانے کے برابر بھی عمل ہو گا ہم اسے بھی لائیں گے حساب کرنے کے لیے ہم کافی ہیں"۔

اس آدمی نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) میری اور ان غلاموں کی بھلائی صرف اس بات میں ہے کہ میں ان سے علیحدگی اختیار کر لوں میں آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے ان سب کو آزاد کیا"۔

تشریح: (۱) اسلام کے معاشرتی عدل میں کسی شخص کو کسی پر ظلم کرنے کی اجازت نہیں ہے چاہے وہ مالک ہو یا ملازم۔

عام طور پر دونوں فریق ایک دوسرے کی حق تلفی کرتے ہیں۔ قیامت کے دن سردار کا اپنے غلام یا ملازم کے ساتھ برتاؤ زیرِ بحث آئے گا اور اسی طرح غلام یا ملازم کا اپنے آقا کے ساتھ طرزِ عمل بھی احتساب کی زد میں آئے گا اور زیادتی کرنے والے کو سزا ملے گی۔

دُنیا میں جس نے بھی کسی کی حق تلفی کی ہے یا اس پر ظلم کیا ہے وہ قیامت کے دن سزا پاکر رہے گا اور مظلوم کی دادرسی ہوگی۔

اس کی صورت یہ ہوگی کہ ظالم کی نیکیوں کا اجر اس کے ظلم کے تناسب سے مظلوم کو دیا جائے گا اور نیکی نہ ہونے کی صورت میں مظلوم کے گناہوں کی سزا ظلم کے تناسب سے ظالم کو دی جائے گی۔

(۲) مالک کو چاہیے کہ ملازم کی طے شدہ تنخواہ اسے بروقت دے، بلکہ ازراہ مروّت اور فیاضی اسے کچھ مزید بھی دے، اس سے بھائی جیسا سلوک کرے، اسے گالی نہ دے اور اس کی پٹائی نہ کرے۔

(۳) ملازم چاہے کسی ادارے میں ہو یا دُکان پر ہو یا گھر کے کام کاج کرنے کے لیے رکھا جائے، اسے جھُوٹ اور خیانت سے پرہیز کرنا چاہیے، وہ اپنے فرائض اور ذمہ داریوں کو دیانتداری سے ادا کرے، وہ اپنے مالک کی خدمت کرنے میں کوتاہی نہ کرے، اس کے ساتھ خیرخواہی کرے اور اس کی اطاعت کرے۔

(۴) جو ملازم اپنے مالک کی امانت میں خیانت کرتا ہے یا غلط بیانی کرکے اسے دھوکہ دیتا ہے وہ مجرم ہے اور قیامت کے دن سزا پاکر رہے گا۔

(۵) وہ خادمہ اور ملازمہ بھی گنہگار رہے جو اپنا حق خدمت وصول کرنے کے باوجود

(الف) مالکہ کی امانت میں خیانت کرتی ہے۔

(ب) یا اپنی غلط بیانی سے اسے دھوکہ دیتی ہے

(ج) یا مالکہ کے گھر سے سامان چرا کر لے جاتی ہے۔

(۶) اللہ تعالیٰ کی میزانِ عدل میں ہر شخص کے اعمال کی جانچ پڑتال ہوگی، چاہے مالک

کے سبب وشتم کے جواب میں ملازم اسے زک پہنچائے، اس کی نافرمانی کرے اور اس کی امانت میں خیانت کرے یا ملازم کے جھوٹ، نافرمانی، کام چوری اور خیانت کی وجہ سے مالک اس کی پٹائی کرے اور اسے بُرا بھلا کہے۔

ہر حال میں ان دونوں رویّوں کا موازنہ کیا جائے گا اور اس کی تین صورتیں ہوسکتی ہیں :

(الف) اگر مالک کی سزا (مثلاً برا بھلا کہنا اور پٹائی کرنا وغیرہ) ملازم کی بے اعتدالی (مثلاً خیانت، جھوٹ اور نافرمانی کرنا) کے ہم پلّہ اور ہم وزن ہوئی تو کسی فریق سے مواخذہ نہ ہوگا۔

(ب) اگر مالک کا ظلم، ملازم کے گناہ سے زیادہ نکلا تو مزید از مقدار کے تناسب سے اس کی نیکیوں کا اجر ملازم کو ملے گا اگر وہ مفلس ——— نیکیوں سے تہی دامن ——— نکلا تو پھر زائد مقدار کے تناسب سے اپنے ملازم کے گناہوں کی سزا بھگتے گا۔

(ج) ملازم کی زیادتیاں، مالک کے ظلم سے بڑھ کر نکلیں تو زائد مقدار کے تناسب سے اس کی نیکیوں کا اجر مالک کو ملے گا اگر وہ نیکیوں سے تہی دامن ہوا تو پھر زائد مقدار کے تناسب سے مالک کے گناہ کی سزا ملازم بھگتے گا۔

مالک کو خادم کے ساتھ کیا رویہ اختیار کرنا چاہیے؟ اس سلسلہ میں مندرجہ روایات کے ساتھ اگر حضرت انس رضی اللہ عنہ کی یہ رپورٹ بھی زیر مطالعہ رہے تو بات مکمل ہوجائے گی:

کہ میں نے دس برس تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی ہے۔ آپؐ نے کبھی اف تک نہیں کہا اور نہ آپؐ نے کسی کام کے بارے میں فرمایا کہ تو نے یہ کیوں کیا اور نہ کسی کام کے نہ کرنے پر یہ فرمایا کہ تو نے اسے کیوں انجام نہ دیا۔

(مزید تشریح کے لیے ملاحظہ ہو ترجمان الحدیث جلد اول نمبر ۱۵۷)

رشحات

آقا اور نوکر کے باہمی تعلقات کے سلسلہ میں حضور صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے بعض ارشادات کا خلاصہ یہ ہے :

(۱) فریقین کو سب سے پہلے تو یہ طے کرنا چاہیے کہ کام کے حدود اور اوقات کیا ہیں ؟ اور اس پر معاوضہ کتنا ہے ؟

(۲) ملازم پر سردار کا حق یہ ہے کہ وہ اس کا احترام کرے، اسے دھوکہ نہ دے، اس کے مال میں خیانت نہ کرے اور اس کی نافرمانی نہ کرے۔

(۳) ملازم اور خادم کا حق یہ ہے کہ اس کی عزتِ نفس کو مجروح نہ کیا جائے، اسے گالی نہ دی جائے، اس کی پٹائی نہ کی جائے، اس سے بھائی جیسا برتاؤ کیا جائے۔

(۴) اور اس کا دوسرا حق یہ ہے کہ اسے ملازمت یا خدمت کا اتنا معاوضہ ضرور ملنا چاہیے جس سے اس کی ضروریات پوری ہوسکیں۔

(۵) اور اس کا تیسرا حق یہ ہے کہ اس سے صرف وہ کام لیا جائے جس کے کرنے کی اسے صلاحیت اور استطاعت ہو۔ اگر کام اس کی استطاعت سے زیادہ ہو تو اس کی اعانت کی جائے۔

باب دوم

خاندان کی بربادی کے اسباب

(۱)

طلاق

طلاق سے ابلیس کی دلچسپی

(۱۰۳) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اِبْلِيْسَ يَضَعُ عَرْشَهٗ عَلَى الْمَاءِ ثُمَّ يَبْعَثُ سَرَايَاهُ يَفْتِنُوْنَ النَّاسَ فَاَدْنَاهُمْ مِنْهُ مَنْزِلَةً اَعْظَمُهُمْ فِتْنَةً. يَجِيْئُ اَحَدُهُمْ فَيَقُوْلُ فَعَلْتُ كَذَا وَكَذَا فَيَقُوْلُ مَا صَنَعْتَ شَيْئًا قَالَ ثُمَّ يَجِيْئُ اَحَدُهُمْ فَيَقُوْلُ مَا تَرَكْتُهٗ حَتّٰى فَرَّقْتُ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ اِمْرَأَتِهٖ قَالَ فَيُدْنِيْهِ مِنْهُ وَيَقُوْلُ نِعْمَ اَنْتَ .... فَيَلْتَزِمُهٗ.

(مسلم عن جابر کتاب صفۃ المنافقین باب تحریش الشیطان)

"رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا" ابلیس" اپنا تخت (سمندر کے) پانی پر رکھتا ہے پھر وہ لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے (زمین کے ہر گوشے میں) اپنے فوجی دستے بھیجتا ہے۔ اس کے ہاں سب سے زیادہ مقرب وہ شیطان ہوتا ہے جو بہت بڑا فتنہ پرداز ہو (وہ سب واپس آکر اسے اپنے کام کی رپورٹ دیتے ہیں) ان میں سے ایک کہتا ہے میں نے اس طرح اور اس طرح کیا ہے" ابلیس" کہتا ہے تو نے کچھ نہیں کیا، پھر ان میں سے ایک اور شیطان آکر کہتا ہے میں نے فلاں آدمی کو نہیں چھوڑا یہاں تک کہ میں نے اس کے اور اس کی بیوی کے درمیان تفرقہ ڈال دیا" ابلیس" اسے اپنے قریب کرتا ہے اور کہتا ہے اچھا ایجنٹ تو تو ہی ہے اور پھر اس سے معانقہ کرتا ہے"

تشریح: (۱) " ابلیس" آدم علیہ السلام کے زمانہ سے انسان کے خلاف سازش میں مصروف ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ انسان، اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ خلافت کے امتحان میں کامیاب نہ ہو۔ اس لیے اس نے نہایت ہوشیار اور چالاک جنوں کو اپنی فوج میں بھرتی کر رکھا ہے۔ خلق خدا کو بھٹکانے اور بہکانے کے لئے وہ اپنے مرکزِ ضلالت سے ایجنٹ بھیجتا رہتا ہے، وہ اپنی ڈیوٹی سے فارغ ہو کر آتے ہیں اور اسے اپنی کارکردگی کی رپورٹ

دیتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ میں نے فلاں کو زنا میں مبتلا کیا، کوئی کہتا ہے کہ میں نے فلاں فتنہ برپا کیا، کوئی کہتا ہے کہ میں نے فلاں کو قتل کرا دیا" ابلیس" ان کارروائیوں سے کچھ زیادہ خوش نہیں ہوتا، بلکہ وہ ہر کارکن سے کہتا جاتا ہے کہ تو نے کوئی بڑا اہم کام نہیں کیا، تو نے کوئی خاص کارنامہ انجام نہیں دیا۔

لیکن جو شیطان آکر یہ رپورٹ دیتا ہے کہ" ایک آدمی اور اس کی بیوی کے درمیان معمولی بات پر جھگڑا ہو گیا تھا، میں نے دونوں کو ایک دوسرے کے خلاف اُکسانے کی کوشش کی، بات بڑھتی گئی یہاں تک کہ اس آدمی نے بیوی کو طلاق دے دی"۔

ابلیس اسے اپنے قریب بٹھاتا ہے اور اپنے مقربین میں شامل کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اچھا کارکن تو تو ہی ہے، یہ تھا کرنے کا کام جو تُو نے کیا اور پھر اس سے معانقہ کر کے اس کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔

(۲) طلاق اگرچہ بظاہر مباح اور جائز ہے اور بعض اوقات اس میں خیر کا پہلو بھی ہوتا ہے لیکن عام طور پر اس سے بہت سی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں تمدّن کی ترقی اور فلاح کا سارا سسٹم میاں بیوی کی آپس میں محبّت، اتفاق اور تعاون سے وابستہ ہے یہ بات ہر شخص جانتا ہے کہ طلاق کے نتیجہ میں خاندان کا اجتماعی ڈھانچہ کیا شکل اختیار کرتا ہے اور کتنے مسائل پیدا ہوتے ہیں ؟

یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ ازدواجی زندگی کی کامیابی کا انحصار اس بات پر ہے کہ :

(الف) شوہر اور بیوی کے باہمی تعلقات خوشگوار ہوں۔

(ب) وہ ایک دوسرے پر اعتماد کرتے ہوں۔

(ج) وہ بدگمانی سے پرہیز کرتے ہوں — اور

(د) ایک دوسرے کے مددگار و معاون ہوں۔

لیکن اگر ان کے تعلقات کشیدہ ہونے لگیں اور ان کے باہمی تعاون، اعتماد اور حُسنِ ظن کی عمارت میں دراڑیں شروع ہو جائیں تو سمجھ لینا چاہیے کہ شیطان ان کی انتہائی

کر رہا ہے۔ یہ تلخی، طلاق کا پیش خیمہ ثابت ہوسکتی ہے۔ ایسی صورت حال کے آغاز میں معاملہ فہم آدمی کا کام یہ ہے کہ وہ شیطان کی اس چال کو کامیاب نہ ہونے دے، شیطان ایسے موقعہ کی تاک میں رہتا ہے اور فتنہ پردازی کے نقطۂ نگاہ سے اس کا بہت بڑا کارنامہ یہ ہے کہ وہ چھوٹی موٹی رنجش اور کدورت کی آڑ میں میاں بیوی کے درمیان ایک ایسی خلیج حائل کردے جو پاٹی نہ جاسکے اور بالآخر وہ دونوں ایک دوسرے سے ہمیشہ کے لیے جُدا ہوجائیں۔

(۳) وہ انسان بھی شیطان کا ایجنٹ ہے جو ایک بسے بسائے گھر کو اجاڑنے اور برباد کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ بد اخلاقی کا آخری درجہ یہ ہے کہ انسان، شوہر اور بیوی کو ایک دوسرے کے خلاف بھڑکائے، ان میں باہمی نفرت اور دشمنی کی تخم ریزی کرکے ان کے تعلقات کو اس حد تک خراب کرنے کی کوشش کرے کہ طلاق تک نوبت پہنچ جائے۔

اس شخص کے شیطان ہونے میں بھی کوئی شبہ نہیں ہے جو ایسے "عملیات اور تعویذات" سے دل چسپی رکھتا ہو جن سے میاں بیوی کو جُدا کیا جاسکے۔ جو شخص جادو اور عملیات کے ذریعہ یہ بے ہودگی کرتا یا کراتا ہے وہ اللہ کی نگاہ میں سخت مجرم ہے۔

اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ مبغوض، طلاق ہے:

(۱۰۴) عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَبْغَضُ الْحَلَالِ اِلَى اللهِ عَزَّ وَجَلَّ الطَّلَاقُ۔

(ابو داؤد عن ابن عمر کتاب الطلاق باب فی کراہیۃ الطلاق)

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام حلال چیزوں میں اگر کوئی چیز سب سے زیادہ قابلِ نفرت ہے تو وہ طلاق ہے"۔

تشریح: نکاح کے ذریعہ یہ چاہا جاتا ہے کہ عورت اور مرد ایک معاہدے کے تحت اجتماعی زندگی کی گاڑی میں بیٹھ کر سفرِ حیات طے کریں لیکن بعض اوقات ازدواجی زندگی ایک ایسے مرحلے میں بھی داخل ہوسکتی ہے جس میں طلاق دینا یا لینا ناگزیر ہوجاتا ہے۔

اگر ہر شوہر اپنی بیوی سے یا ہر بیوی اپنے شوہر سے اس طرح وابستہ ہو جائے کہ مرتے دم تک وہ ایک دوسرے سے علیٰحدہ نہ ہوسکیں اور شدید ضرورت کے باوجود بھی گلوخلاصی کا کوئی امکان نہ رہے تو زندگی اجیرن ہو جائے اور جہانِ آب وگل خزاں کی نذر ہو جائے اس لیے انتہائی مجبوری کی حالت میں طلاق کی اجازت دی گئی ہے۔

طلاق دینے میں جلد بازی سے کام لینا جائز نہیں ہے، بگڑی ہوئی فضا کو سنوارنے کے لیے بار بار اور مسلسل کوشش کی جائے۔ اصلاحِ احوال کی اگر کوئی صورت باقی نہ رہے اور افہام وتفہیم کی ساری کوششیں ناکام ہو جائیں تو پھر آدمی طلاق دینے پر غور کرسکتا ہے، یہ کوئی خوشگوار عمل نہیں ہے، جائز اور حلال ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں یہ بہت مبغوض اور مکروہ کام ہے۔

طلاق دینے میں جلد بازی سے کام لینے کی وجہ سے انسان بسا اوقات بہت سی مشکلات اور پریشانیوں میں مبتلا ہوسکتا ہے مثلاً:

الف۔ ایک بسا بسایا گھر اُجڑ جاتا ہے۔

ب ــ دو خاندانوں میں عداوت اور نفرت کا آغاز ہو جاتا ہے۔

ج ــ شوہر کو بیوی کے اور بیوی کو شوہر کے جدید انتخاب میں بڑی جدّ وجہد کرنا پڑتی ہے۔

د ــ طلاق کے بعد فریقین کو ندامت کا شدید احساس ہوتا ہے، وہ پھر دوبارہ گھر آباد کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں لیکن طلاق کے آخری مرحلہ میں اس کی گنجائش نہیں ہوتی۔

بیک وقت تین طلاقوں کا مسئلہ

(۱۰۵) أُخْبِرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ رَجُلٍ طَلَّقَ اِمْرَأَتَهٗ ثَلٰثَ تَطْلِيْقَاتٍ جَمِيْعًا فَقَامَ غَضْبَانًا ثُمَّ قَالَ اَيُلْعَبُ بِكِتَابِ اللّٰهِ وَاَنَا بَيْنَ اَظْهُرِكُمْ حَتّٰى قَامَ رَجُلٌ وَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَلَا اَقْتُلُهٗ۔ (نسائی عن محمود بن لبید کتاب الطلاق)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا گیا کہ ایک آدمی نے اپنی بیوی کو بیک وقت تین طلاقیں دی ہیں۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سخت ناراض ہو کر اُٹھ کھڑے ہوئے پھر ارشاد فرمایا کیا اللہ کی کتاب کے ساتھ کھیلا جا رہا ہے حالانکہ میں تمہارے درمیان ہوں یہاں تک کہ (آپ کے غصّہ کو دیکھ کر) ایک آدمی نے اُٹھ کر عرض کیا حضور! کیا میں اسے قتل نہ کر دوں؟"

تشریح: طلاق دینے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ آدمی بیوی کو طُہر میں ایک رجعی طلاق دے بشرطیکہ اس طُہر میں اُس نے اس سے مباشرت نہ کی ہو اور اسے اس کے حال پر چھوڑ دے یہاں تک کہ اس کی عدّت گزر جائے۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ پھر دوسرے طہر میں بھی اسے ایک اور رجعی طلاق دے، ان دونوں صورتوں میں شوہر کو عدت کے دوران رجوع کرنے کا حق ہے اور عدت گزرنے کے بعد شوہر اس عورت کی رضامندی سے اس سے نکاح بھی کر سکتا ہے لیکن اگر شوہر نے تیسرے طُہر میں اسے تیسری بار طلاق دی یا پھر زندگی میں اسے کبھی ایک اور طلاق دی تو یہ تیسری طلاق ایک آخری طلاق ہوگی اور وہ عورت اس پر حرام ہو جائے گی کیونکہ ایک رشتہٴ نکاح میں آدمی بیوی کو زندگی میں صرف تین طلاقیں دے سکتا ہے۔

جو شخص بیوی کو بیک وقت تین طلاقیں دیتا ہے وہ قرآن مجید کے بتائے ہوئے طریقے کی خلاف ورزی کرتا ہے اور اللہ کی اس پاک کتاب کے ساتھ مذاق کرتا ہے اور وہ اس حکمت اور مصلحت کو بھی مجروح کرتا ہے جسے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی شریعت نے ملحوظ رکھا ہے۔

رجعی طلاق میں شوہر کو عدّت گزرنے سے پہلے رجوع کرنے کا حق باقی رہتا ہے اور عدّت گزرنے کے بعد دونوں اگر چاہیں تو اپنی رضامندی سے نکاح کر سکتے ہیں لیکن تین طلاق دینے کے بعد نہ تو شوہر کو رجوع کرنے کا حق باقی رہتا ہے اور نہ وہ باہمی رضامندی سے نکاح کر سکتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ حضور صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے اس طرح طلاق دینے کو سخت

ناپسند کیا ہے۔ طلاق دینے کا یہ طریقہ نہ صرف یہ کہ جائز نہیں ہے بلکہ سخت گناہ بھی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے دورِ خلافت میں اس جرم کے مرتکب کو دُرّے مارتے تھے۔

شوہر جب غصّہ میں آکر بیوی کو بیک وقت تین طلاقیں دیتا ہے تو پھر متعدد وجوہ کی بنا پر شوہر اور بیوی کو یا ان میں سے کسی ایک کو سخت ندامت اور افسوس کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور وہ چاہتے ہیں کہ ان کے درمیان ملاپ کی کوئی صورت نکل آئے لیکن اس کے بعد نہ تو شوہر کو رجوع کرنے کا حق ہوتا ہے اور نہ اس بات کا موقع باقی رہتا ہے کہ وہ باہمی رضامندی سے نکاح کر سکیں۔

افسوس ہے کہ ہمارے معاشرے میں یہ وبا بہت عام ہے کہ جو شخص بھی بیوی سے ناراض ہو کر اسے علیحدہ کرنے کا ارادہ کرتا ہے وہ اسے بیک وقت تین طلاقیں ہی دے ڈالتا ہے، پھر طلاق نامہ لکھنے والوں کی ستم ظریفی یہ ہے کہ انہوں نے تین بار طلاق لکھنے کو اپنا معمول بنا لیا ہے۔ اَن پڑھ شوہر کہتا ہے کہ میں اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہوں عرضی نویس صاحب تین طلاقیں درج کر کے اس سے انگوٹھا لگوا لیتے ہیں حالانکہ یہ گناہ کا کام ہے۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ بیک وقت تین طلاقیں دینا ناجائز اور گناہ ہے لیکن اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو اس طریقہ سے طلاق دے تو شرعاً اس کی حیثیت کیا ہے؟ ائمہ اربعہؒ کے نزدیک یہ تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں۔ بیوی شوہر پر حرام ہے اِلّا یہ کہ مطلّقہ کسی دوسرے آدمی سے نکاح کرے پھر وہ وفات پائے یا اس عورت کو طلاق دے تو عدّت گزارنے کے بعد وہ اپنے پہلے شوہر سے نکاح کر سکتی ہے۔

طاؤس اور عکرمہ کے نزدیک بیک وقت تین طلاقیں دینے سے صرف ایک رجعی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ امام ابن تیمیہؒ نے بھی اس رائے کو پسند کیا ہے۔

سازشی نکاح

(۱۰۶) لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْمُحَلِّلَ وَالْمُحَلَّلَ لَہٗ۔

(ابن ماجہ ابن عباس ابواب النکاح)

"رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے حلالہ کرنے اور حلالہ کرانے والے پر لعنت کی ہے۔"

تشریح: بعض لوگ غصّہ میں بیوی کو بیک وقت تین طلاقیں دے ڈالتے ہیں جب ان کا غصّہ ٹھنڈا ہوتا ہے تو مطلقہ بیوی کی واپسی کے لیے حیلے پوچھتے پھرتے ہیں اور حلالہ کرا کرا سے اپنے گھر میں لا ڈالتے ہیں حالانکہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اس طرزِ عمل کو سخت ناپسند فرمایا ہے۔

"نکاح" دراصل مرد اور عورت کے درمیان ایک عمرانی معاہدہ ہوتا ہے کہ وہ ہمیشہ ایک دوسرے کے ساتھ وابستہ رہیں گے اور ایک دوسرے کے حقوق ادا کرتے رہیں گے۔ رہا وہ شخص جو کسی عورت کو بیوی کی حیثیت سے ہمیشہ اپنے گھر میں بسانے کا ارادہ نہیں رکھتا بلکہ اسے طلاق دینے کے لیے اس سے نکاح کرتا ہے، وہ ایک ایسا "سانڈ" ہے جو مستعار لیا گیا ہے اور نکاح کے نام پر بدکاری کرتا ہے۔ اس ذلیل اور شرمناک کردار کا محرک وہ شخص ہے جو کرا رہا ہے تاکہ اس سازشی نکاح اور طلاق کے بعد وہ اس عورت سے نکاح کر سکے جس کو اُس نے تین طلاقیں دے کر اپنے اوپر حرام کر لیا تھا ذوقِ سلیم ان دونوں سیاہ کارناموں سے نفرت کرتا ہے۔

منکوحہ عورت کی طلاق کا مطالبہ کرنا ممنوع ہے

(۱۰۷) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تَسْأَلِ الْمَرْأَۃُ طَلَاقَ اُخْتِہَا لِتَسْتَفْرِغَ صَحْفَتَہَا وَلِتَنْکِحَ فَاِنَّ لَہَا مَا قُدِّرَ لَہَا۔

(بخاری عن ابی ہریرۃ کتاب القدر، مسلم کتاب النکاح)

"رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: عورت اپنی بہن کی طلاق کا سوال نہ کرے۔ (وہ یہ مطالبہ اس لیے کرتی ہے) تاکہ وہ اس کے پیالہ کو (طعام سے) خالی کر دے اور وہ خود (اس کے شوہر سے) نکاح کر لے جو کچھ اس کی قسمت میں لکھا ہے اسے مل کر رہے گا۔"

تشریح: ملک کی بربادی اور تباہی کے اسباب میں سے ایک بہت بڑا سبب یہ بھی ہونا

ہے کہ کسی شخص کو معاشی لحاظ سے محروم کر دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ طرزِ معیشت یہ ہے کہ ہر شخص کو اپنی صلاحیت اور استطاعت کے مطابق روزی کمانے کا حق ہے، وہ اپنے وسائل اور ذرائع کو کام میں لاکر اپنی معاش کے لیے کوشش کرسکتا ہے لیکن کسی شخص کو یہ اجازت نہیں دی جاسکتی کہ وہ کسی دوسرے آدمی کو معاش سے محروم کر کے اپنی معیشت کو مستحکم کرتا پھرے۔ اس اصول کی روشنی میں کسی شادی شدہ عورت کی طلاق کا مطالبہ کرنا اس کی معیشت کو تباہ و برباد کرنے کی ایک گھناؤنی کوشش ہے جس کو خدا کے پیارے رسول صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے جائز قرار نہیں دیا۔

کسی شادی شدہ عورت کے پیالہ کو طعام سے خالی کر دینے سے مراد ہے اس کے ان معاشی اور معاشرتی حقوق پر قبضہ کرنا جو بیوی کی حیثیت سے اسے حاصل ہیں۔

کسی خداترس عورت کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ وہ کسی شادی شدہ آدمی کے پیغام نکاح کے جواب میں یہ مطالبہ کرے کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے کر ہی مجھ سے نکاح کرسکتے ہیں۔ جو عورت یہ طرزِ عمل اختیار کرتی ہے وہ دراصل اس کی پہلی بیوی کو اس کے معاشی اور معاشرتی حقوق سے محروم کر کے خود اس کی جگہ لینا چاہتی ہے۔ اس طرح کے مشروط نکاح کو حضور صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے پسند نہیں فرمایا کیونکہ اس کے نتیجہ میں ایک بے گناہ خاتون پر طلاق پڑتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں وہ شخص مجرم ہے جو اپنی بیوی کو کسی معقول عذر کے بغیر طلاق دیتا ہے اور اسی طرح وہ عورت بھی گناہ گار ہے جو اپنے نکاح کے شوق میں ایک شریف عورت کی طلاق کا باعث بنتی ہے۔

بعض اوقات شادی شدہ مرد عقد ثانی کے لیے جب کہیں نکاح کا پیغام بھیجتے ہیں تو دوسری طرف سے پیغام قبول کرنے کو "پہلی بیوی کی طلاق" سے مشروط کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ اگر شادی کرنا چاہتے ہو تو پہلی بیوی کو رخصت کرو۔ اس رویہ کی مذمت

فرماتے ہوئے یہ ہدایت دی گئی ہے کہ اگر کوئی خاندان یا کسی خاندان کی لڑکی کسی مرد کے عقد ثانی پر راضی ہو جائے تو بہتر ہے وہ اس کی دوسری بیوی بن جائے، اللہ نے جو کچھ اس کی قسمت میں لکھا ہے اسے مل کر رہے گا۔

یہ کوئی معقول اور شریفانہ طرز عمل نہیں ہے کہ محض اپنی ازدواجی زندگی کو پُر لطف بنانے کی غرض سے ایک بے گناہ خاتون کو شوہر سے محروم کر دیا جائے، پھر وہ مطلقہ خاتون معاشرے میں اس سوال کا نشانہ بن جائے کہ اس میں ضرور کوئی ایسی اخلاقی خرابی ہے جس سے تنگ آکر شوہر نے اسے طلاق دی ہے درآنحالیکہ اس بے چاری کا اس کے سوا اور کوئی جرم نہیں ہے کہ اس کے شوہر نے اپنی دوسری شادی کے شوق میں اسے طلاق دی ہے۔

ایک عورت کسی مرد سے اس شرط پر نکاح کرتی ہے کہ وہ اپنی پہلی بیوی کو طلاق دے اور وہ صاحب پہلی بیوی کو طلاق دے کر نئی شادی رچالیتے ہیں لیکن اگر اللہ تعالیٰ کا کرنا یہ ہو کہ شادی کے فوراً بعد شوہر کا انتقال ہو جائے یا وہ خاتون کسی ایسے حادثہ سے دوچار ہو جائے جو اس کی ازدواجی مسرّت کو خواب پریشان کر دے تو پھر اس کی شرط نے اسے کیا نفع دیا۔

اس حدیث کا ایک اور مفہوم یہ ہے کہ اگر عورت کسی مرد سے نکاح کرنے اور اس کی بیوی کے معاشرتی حقوق پر قبضہ کرنے کی غرض سے یہ مطالبہ کرے کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے تو یہ ایک ظالمانہ مطالبہ ہے کسی حیثیت سے بھی اسے جائز قرار نہیں دیا جا سکتا۔ مسلمان عورت کو ایسے غلط رویّہ سے پرہیز کرنا چاہیے، اس طرح کی حرکتوں سے اسے کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اس کی قسمت میں لکھ دیا ہے وہ اسے لازماً مل کر رہے گا چاہے وہ اس شادی شدہ مرد کی دوسری بیوی بن جائے یا کسی غیر شادی شدہ لڑکے سے نکاح کر لے، ہر حال میں اس کا مقدر اس کے ساتھ رہے گا۔

اس حدیث کے الفاظ سے یہ مسئلہ بھی اخذ کیا جا سکتا ہے کہ :

۱۔ ایک عورت کو اپنے بہنوئی سے یہ مطالبہ نہ کرنا چاہیے کہ وہ اس کی بہن کو طلاق دے کر اس سے شادی کر لے یہ بات شرافت اور اخلاق سے گری ہوئی ہے۔

۲۔ ایک شادی شدہ عورت اپنے شوہر کو دوسری بیوی کی طلاق پر آمادہ کرنے کی کوشش نہ کرے ہر بیوی کو اپنے مقدر پر قانع ہونا چاہیے۔

شدید ضرورت کے بغیر طلاق چاہنے والی

(۱۰۸) قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَیُّمَا امْرَأَةٍ سَأَلَتْ زَوْجَهَا طَلَاقًا فِیْ غَیْرِ مَا بَأْسٍ فَحَرَامٌ عَلَیْهَا رَائِحَةُ الْجَنَّةِ۔

(ابو داؤد عن ثوبان کتاب الطلاق۔ ترمذی ابواب الطلاق)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا جو عورت کسی شدید ضرورت کے بغیر اپنے شوہر سے طلاق چاہتی ہے اس پر جنّت کی خوشبو حرام ہے"

کسی شدید مجبوری اور تکلیف کے بغیر عورت کو اپنے شوہر سے طلاق کا مطالبہ نہ کرنا چاہیے کیونکہ اس سے گھر کا سارا انظام درہم برہم ہو جاتا ہے۔ اگر عورت صاحبِ اولاد ہے تو پھر طلاق لینے سے ایسی اُلجھنیں پیدا ہوں گی جن کا حل کرنا بہت مشکل ہو گا۔ شوہر کے علاوہ اس کے بچّے بھی ذہنی پریشانی کا شکار ہو جائیں گے۔ بچّے اگر ماں کے ساتھ رہیں گے تو باپ کی شفقت سے محروم ہونے کے علاوہ وہ ایک ایسے شخص کے زیرِ سایہ زندگی بسر کرنے پر مجبور ہوں گے جو ان کا باپ نہیں ہے اور اگر انہیں اپنے باپ کے گھر رہنا پڑا تو وہ ماں کی ممتا سے محروم ہونے کے ساتھ ساتھ ایک ایسی خاتون کے دست نگر ہو جائیں گے جو ان کی حقیقی ماں نہیں ہے۔

شدید ضرورت کی بنا پر عورت کچھ معاوضہ دے کر شوہر سے طلاق حاصل کرتی ہے شریعت میں اسے "خلع" کہتے ہیں کیونکہ بعض اوقات، شوہر کی بد اخلاقی اور سنگدلی بیوی کے لیے ناقابل برداشت ہوتی ہے۔ بعض لوگ نہ تو بیوی کے حقوق ادا کرتے ہیں اور نہ اسے طلاق دیتے ہیں اور اس کے علاوہ اور بھی بہت سے جائز اور معقول وجوہ

ہو سکتے ہیں جن کی بنا پر بیوی اپنے شوہر سے طلاق لینے پر مجبور ہوتی ہے لیکن جو بیوی اخلاقی کمزوریوں کی وجہ سے طلاق کا مطالبہ کرتی ہے یا عدالت میں فسخ نکاح کا مقدمہ دائر کرتی ہے وہ اللہ اور اس کے رسول صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی نگاہ میں سخت ناپسندیدہ عورت ہے، قیامت کے دن وہ خانہ بربادی کے گناہ کی سزا پاکر رہے گی۔

آج کل عدالتوں میں تنسیخ نکاح کے بیشتر مقدّمات کے محرّکات کا اگر جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ وہ اخلاقی بگاڑ کا نتیجہ ہیں۔

رشحات

بعض اوقات شوہر اور بیوی کے درمیان اختلافات ایسی شدّت اختیار کر لیتے ہیں کہ ہر طرح کی کوشش کے باوجود وہ ختم نہیں ہوتے اور اس کے سوا کوئی چارہ نہیں رہتا کہ ان کے درمیان تفریق ہو۔

اس سلسلہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے بعض ارشادات کا خلاصہ ذیل میں درج ہے:

شیطان کو سب سے زیادہ خوشی اس بات سے ہوتی ہے کہ شوہر بیوی کو طلاق دے کیونکہ اس سے ایک بسا بسایا گھر برباد ہو جاتا ہے، دو خاندانوں میں ایک دوسرے کے خلاف نفرت اور دشمنی پیدا ہو جاتی ہے، اگر میاں بیوی صاحبِ اولاد ہوں تو ان کے بچوّں کی تعلیم اور تربیت متأثر ہو سکتی ہے بلکہ ان کو سکون بھی نصیب نہیں ہوتا۔

وہ شخص بھی شیطان کا ایجنٹ ہے جو شوہر کو بیوی کے خلاف اُکسا کر اُسے طلاق دینے پر آمادہ کر لیتا ہے یا بیوی کو بہلا پھُسلا کر شوہر سے طلاق لینے پر مائل کرتا ہے۔

کسی شدید ضرورت کے بغیر شوہر سے طلاق چاہنے والی عورت جنّت میں نہ جائے گی، اللہ تعالیٰ طلاق کو سخت ناپسند کرتا ہے لیکن بعض اوقات اس کے سوا کوئی چارہ نہیں رہتا کہ شوہر بیوی کو طلاق دے یا بیوی شوہر سے طلاق لے، اس بنا پر شریعت نے اس کی اجازت دی ہے۔

بیوی کو بیک بار تین طلاقیں دینا جائز نہیں ہے لیکن اگر کوئی شخص اس طرح طلاق دے تو ائمۂ اربعہؒ کے نزدیک تین طلاقیں پڑ جاتی ہیں، امام ابن تیمیہؒ کے نزدیک اس سے صرف ایک رجعی طلاق واقع ہوتی ہے۔ علمائے اہل حدیث نے آخری رائے

کو پسند کیا ہے۔

شوہر بیوی کو زندگی میں صرف تین طلاقیں دے سکتا ہے، اسے طلاق مغلظ کہتے ہیں، اس کے بعد شوہر نہ تو اپنی بیوی سے رجوع کر سکتا ہے اور نہ اس سے دوبارہ نکاح کر سکتا ہے اِلّا یہ کہ وہ کسی دوسرے آدمی سے نکاح کرے اور اس دوسرے آدمی کی وفات ہو جائے یا وہ اسے طلاق دے دے تو عدّت گزرنے کے بعد وہ عورت پہلے شوہر سے نکاح کر سکتی ہے۔

لیکن یاد رہے کہ جو شخص اپنی بیوی کو تین طلاقوں کے بعد دوبارہ اپنے عقد میں لانے کے لیے حلالہ کراتا پھرتا ہے وہ اللہ کے رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم کی زبان میں ملعون ہے، طلاق دینے کا طریقہ یہ ہے کہ شوہر بیوی کو صرف ایک رجعی طلاق اس طہر میں دے جس طہر میں اس نے اس سے مباشرت نہ کی ہو، جب اس طریقہ سے بیوی کو طلاق پڑ سکتی ہے تو پھر بیک وقت تین طلاقیں دے کر گناہ گار بننے کا شوق کیوں ہو؟

باب دوم

(۲۔۳)

بے پردگی

اور

آزادانہ میل جول

پردے کا حکم

(عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ كُنْتُ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعِنْدَهُ مَيْمُوْنَةُ فَاَقْبَلَ ابْنُ اُمِّ مَكْتُوْمٍ ـــــ وَذٰلِكَ بَعْدَ اَنْ اُمِرْنَا بِالْحِجَابِ ـــــ فَقَالَ احْتَجِبَا مِنْهُ فَقُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَلَيْسَ اَعْمٰى لَا يُبْصِرُنَا وَلَا يَعْرِفُنَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَفَعَمْيَاوَانِ اَنْتُمَا اَلَسْتُمَا تُبْصِرَانِهِ۔

(ابوداؤد کتاب اللباس ترمذی کتاب الاستیذان)

"حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ وہ اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں، اس دوران حضرت عبد اللہ بن اُمِ مکتوم رض آئے ـــــ یہ اس زمانے سے بعد کا واقعہ ہے جبکہ ہمیں پردے کا حکم دیا گیا تھا ـــــ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (ان دونوں بیویوں سے) فرمایا: تم ان سے پردہ کرو۔ ہم نے عرض کیا حضور! کیا وہ نابینا نہیں؟ وہ نہ تو ہمیں دیکھیں گے اور نہ پہچانیں گے۔ آپؐ نے فرمایا: کیا تم دونوں بھی اندھی ہو؟ کیا تم انہیں نہیں دیکھو گی؟

تشریح: ۶ھ میں پردہ کے بارے میں جو آیات نازل ہوئی تھیں ان میں سے بعض یہ ہیں:

وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ؕ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ ؕ

(احزاب، آیت ۵۳)

"نبیؐ کی بیویوں سے جب تمہیں کچھ مانگنا ہو تو پردے کے پیچھے سے

مانگا کرو، یہ تمہارے اور ان کے دلوں کی پاکیزگی کے لیے زیادہ مناسب طریقہ ہے۔"

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُل لِّأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِن جَلَابِيبِهِنَّ،

(احزاب : آیت ۵۹)

"اے نبیؐ! اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور اہل ایمان کی عورتوں سے کہہ دو کہ اپنے اوپر اپنی چادر کے پلو لٹکا لیا کریں۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کی خدا ترسی، نیکی، پاکیزگی اور شرافت کی شہادت اللہ تعالیٰ نے قرآن میں دی ہے، وہ سب اہل ایمان کی مائیں ہیں، آپؐ کی وفات کے بعد کسی شخص کا بھی آپؐ کی کسی بیوی سے نکاح نہیں ہو سکتا لیکن اس کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی دونوں بیویوں کو حضرت ابن ام مکتومؓ سے پردہ کرنے کا حکم دیا، حالانکہ وہ نابینا ہونے کے باعث انہیں نہیں دیکھ سکتے تھے، اس کی وجہ آپؐ نے خود یہ بیان فرمائی" کہ "تم دونوں تو اندھی نہیں ہو، کیا تم انہیں نہیں دیکھو گی؟"

اسلام مرد و زن کے آزانہ میل جول اور تعلقات کی اجازت نہیں دیتا بلکہ عورت کو نامحرم سے پردہ کرنے کا حکم دیتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مرد اور عورت میں ایک دوسرے کی خواہش اور کشش رکھ دی ہے جیسا کہ مردوں کو عورتوں میں رغبت ہوتی ہے اسی طرح عورتوں کو بھی مردوں سے دلچسپی ہوتی ہے۔

حضرت ابن امّ مکتومؓ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پہلی بیوی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ماموں زاد بھائی تھے۔

قریبی اعزہ سے پردے کی نوعیت

(۱۱۰) إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِيَّاكُمْ وَالدُّخُولَ عَلَى النِّسَاءِ فَقَالَ رَجُلٌ مِّنَ الْأَنصَارِ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَفَرَأَيْتَ الْحَمْوَ؟ قَالَ الْحَمْوُ الْمَوْتُ۔

(مسلم عن عقبۃ بن عامر کتاب السلام۔ بخاری کتاب النکاح)

"رسول اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: تم عورتوں کے ہاں جانے سے پرہیز کرو،
ایک انصاری نے عرض کیا یا رسول اللہ! دیور کا (بھاوج کے ہاں تنہا) جانا کیسا ہے؟
آپؐ نے فرمایا: دیور تو موت (کی طرح مہلک اور تباہ کن) ہے۔"

تشریح: (۱) حضور صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے عورتوں اور مردوں کی مخلوط سوسائٹی اور آزادانہ میل جول کو سخت ناپسند فرمایا ہے۔

(۲) جو عورت گھر پر اکیلی ہو کسی نامحرم کا اس کے ہاں آنا اور بات چیت کرنا جائز نہیں ہے یہاں تک کہ دیور کو بھی اس کے ہاں جانے سے پرہیز کرنا چاہیئے کیونکہ دوسرے رشتہ داروں کے مقابلہ میں اس کا فتنہ میں مبتلا ہو جانا زیادہ آسان ہے۔

(۳) اس حدیث میں "حمو" کا ترجمہ ہم نے "دیور" سے کیا ہے عربی میں خاوند کی طرف سے عورت کے ان قریبی رشتہ داروں پر اس کا اطلاق ہوتا:

۱۔ شوہر کا بھائی
۲۔ بھتیجہ
۳۔ چچا
۴۔ چچازاد بھائی
۵۔ ماموں
۶۔ ماموں زاد بھائی
۷۔ خالہ زاد بھائی
۸۔ بھانجہ
۹۔ پھوپی زاد بھائی۔

(۴) اس طرح کے کسی قریبی رشتہ دار کا عورت سے تنہائی میں ملاقات کرنا یا اس کے ساتھ سفر کرنا ایک تباہ کن فتنہ ہے، ایسے رشتہ داروں کی گھر میں بہت زیادہ آمد و رفت رہتی ہے، وہ بڑی آسانی اور اطمینان سے عورت کو بہکا سکتے ہیں، اس کے نتیجہ میں عورت کو

طلاق بھی ہو سکتی ہے اور بسا بسایا گھر ویران و برباد ہو سکتا ہے۔ اسلامی حکومت زنا کے جُرم میں اسے سنگسار بھی کر سکتی ہے یہی وجہ ہے کہ اس فتنہ کو موت سے تعبیر کیا گیا ہے۔

(۵) ہاں اگر وہ گھر میں تنہا نہ ہو بلکہ :

۱۔ اپنے بال بچوں کے ساتھ رہتی ہو یا

۲۔ دوسری خواتین بھی وہاں موجود ہوں یا

۳۔ اس کا شوہر گھر پر ہو یا

۴۔ اس کا کوئی محرم رشتہ دار موجود ہو

تو پھر "دیور" یا شوہر کا کوئی قریبی رشتہ دار اس کے ہاں آ سکتے ہیں، وہ ان کے سامنے چہرے اور کلائیوں تک ہاتھ کے سوا اپنے دوسرے اعضاء اور جسم کو ان سے چھپائے، سینے پر دوپٹے کا پلّو ڈالے رکھے، ان سے مصافحہ نہ کرے، باریک لباس نہ پہنے، ان کی موجودگی میں ایسا باریک دوپٹہ بھی نہ اوڑھے جو سر کے بالوں اور گردن کو نہ چھپا سکے، ان سے لگاوٹ کی بات نہ کرے، آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ان سے گفتگو نہ کرے۔

(۶) یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ شوہر اور بیوی کے نامحرم قریبی رشتہ داروں سے عورت کے شرعاً پردے کی نوعیت اس سے زیادہ نہیں ہے جو ہم نے بیان کی ہے لیکن اگر کسی قریبی رشتہ دار کی اخلاقی شہرت اچھی نہ ہو یا گھر میں اس کے آنے جانے سے یہ اندیشہ ہو کہ خاندان کا کوئی فرد فتنہ میں مبتلا ہو جائے گا تو گھر میں اس کے آنے پر پابندی عائد کرنا اور اس سے پوری طرح پردہ کرنا نہ صرف یہ کہ جائز ہے بلکہ بہت ضروری ہے۔

گھر کے اندر کا پردہ

(۱۱۱) اِنَّ اَسْمَاءَ بِنْتَ اَبِیْ بَکْرٍ دَخَلَتْ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَ عَلَیْھَا ثِیَابٌ رِقَاقٌ فَاَعْرَضَ عَنْھَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَ قَالَ یَا اَسْمَاءُ اِنَّ الْمَرْاَۃَ اِذَا بَلَغَتِ الْمَحِیْضَ لَمْ یَصْلُحْ لَھَا اَنْ یُّرٰی مِنْھَا اِلَّا ھٰذَا وَ ھٰذَا وَ اَشَارَ اِلٰی وَجْھِہٖ

وَكَفَّيْهِ۔ (ابوداؤد عن عائشۃ کتاب اللباس)

"اسماء بنت ابی بکرؓ (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سالی) ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں، وہ نہایت باریک کپڑے پہنے ہوئے تھیں۔ آپؐ نے ان سے منہ پھیر لیا اور فرمایا: اے اسماء! عورت جب بالغ ہو جائے تو اس کے جسم کا کوئی حصہ نظر نہیں آنا چاہیے بجز اس کے اور اس کے (یہ کہہ کر) آپؐ نے اپنی ہتھیلیوں اور چہرے کی طرف اشارہ کیا۔"

تشریح: یہ حدیث بتاتی ہے کہ عورت کو گھر میں نامحرم قریبی رشتہ داروں سے کس طرح پردہ کرنا چاہیے؟

بہنوئی سے سالی کے پردہ کرنے کی نوعیت اس سے زیادہ نہیں ہے کہ وہ ہتھیلیوں اور چہرے کے سوا اپنے سارے جسم کو مستور رکھے، وہ ایسا باریک لباس پہن کر اس کے پاس نہ آئے جس سے اس کا جسم جھلکتا ہو یہاں تک کہ وہ ایسا دوپٹہ بھی نہ اوڑھے جس سے اس کے سر کے بال نمایاں اور صاف طور پر نظر آتے ہوں اور نہ ایسا چست لباس پہنے جس سے اس کے جسمانی اعضاء کی ساخت نمایاں ہوتی ہو، اپنے گریبان پر اپنے دوپٹے کا بکل مار لیا کرے، اپنی نگاہیں نیچی رکھے، اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنے کی کوشش نہ کرے اور اس سے مصافحہ نہ کرے۔

عورت کو گھر سے باہر کس طرح پردہ کرنا چاہیے

(۱۱۲) عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ لَمَّا نَزَلَتْ

"يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ"

خَرَجَ نِسَاءُ الْاَنْصَارِ كَاَنَّ عَلٰى رُؤُوْسِهِنَّ الْغِرْبَانَ مِنَ الْاَكْسِيَةِ۔ (ابوداؤد کتاب اللباس)

حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ

جب یہ آیت:

يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ۔ (احزاب: ۵۹)

عورتیں اپنے اوپر اپنی چادر کے پلّو لٹکا لیا کریں ،
نازل ہوئی تو انصار کی عورتیں اس طرح نکلیں گویا کہ چادروں کے لٹکانے کی وجہ
سے ان کے سروں پر کوّے بیٹھے ہوئے ہیں ۔"

تشریح : قرآن مجید کی اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ عورتیں جب کسی ضرورت سے اپنے گھر سے باہر نکلا کریں تو وہ اپنے چہروں پر اپنی بڑی چادر میں سے گھونگھٹ لٹکا لیا کریں۔ انصار کی عورتوں نے اس آیت پر عمل کیا، جب بھی اپنے گھر سے باہر نکلنے کی نوبت آتی وہ بڑی چادر اپنے اوپر ڈال لیا کرتیں اور اس کا کچھ حصّہ چہرے پر لٹکا لیا کرتیں۔

افسوس ہے کہ مغربی تہذیب کی یلغار نے ہمارے دور کی مسلمان خواتین کو "ترقی" کی جس راہ پر لا کھڑا کیا ہے اس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ صاحبزادیوں کے سروں سے دوپٹے کا بوجھ اُتر گیا ہے، بازو اور سینہ برہنہ رہتا ہے، ان کے باریک اور مختصر لباس سے جسم جھلکیاں دکھاتا رہتا ہے قرآن اور سُنّت کا ریکارڈ ان مہذّب خواتین سے پوچھتا ہے کہ نیم عریاں لباس پہن کر تم دین اسلام کا مذاق اُڑا رہی ہو؟ تم کھلے بندوں اسلام سے بیزار ہونے کا اعلان کر کے خلوص کے ساتھ الحاد کی گود میں جا بیٹھو اور اگر فی الواقع تم دین اسلام کو پسند کرتی ہو تو چُست، باریک اور نیم عریاں لباس پہننے سے پرہیز کرو۔ اور جب کسی ضرورت سے تم گھر سے باہر نکلو تو ایسی چادر یا برقعہ اوڑھ لیا کرو جو تمہارے جسم اور اس کی زینت کو چھپا دے البتہ راستہ کو دیکھنے کے لیے ایک یا دو آنکھیں کھلی رہیں۔

استیذان

(۱۱۳) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اسْتَأْذَنَ أَحَدُكُمْ ثَلَاثًا فَلَمْ يُؤْذَنْ لَهٗ فَلْيَرْجِعْ۔

(بخاری عن ابی موسیٰ کتاب الاستیذان ۔ مسلم کتاب الآداب)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص تین بار اجازت طلب کرے اور اسے اندر آنے کی اجازت نہ ملے تو وہ لوٹ جائے۔"

تشریح: حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد گرامی قرآن مجید کی ان آیات سے ماخوذ ہے:

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَدْخُلُوا۟ بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّىٰ تَسْتَأْنِسُوا۟ وَتُسَلِّمُوا۟ عَلَىٰٓ أَهْلِهَا ۚ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ۝ فَإِن لَّمْ تَجِدُوا۟ فِيهَآ أَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوهَا حَتَّىٰ يُؤْذَنَ لَكُمْ ۖ وَإِن قِيلَ لَكُمُ ٱرْجِعُوا۟ فَٱرْجِعُوا۟ ۖ هُوَ أَزْكَىٰ لَكُمْ ۚ وَٱللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ۝ لَّيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَن تَدْخُلُوا۟ بُيُوتًا غَيْرَ مَسْكُونَةٍ فِيهَا مَتَٰعٌ لَّكُمْ ۚ وَٱللَّهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا تَكْتُمُونَ ۝

(سورۃ النور، آیات ۲۷ تا ۲۹)

"اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں نہ جاؤ جب تک کہ تم کو ان سے انس حاصل نہ ہو اور ان کے گھر والوں پر سلام کر کے ان سے اجازت نہ لے لو۔ یہ تمہارے لیے بہتر ہے تا کہ تم یاد رکھو اگر تم ان میں کسی (اجازت دینے والے) کو نہ پاؤ تو ان میں نہ جاؤ جب تک کہ تمہیں اجازت نہ ملے۔ اور اگر تم سے کہا جائے کہ لوٹ جاؤ تو لوٹ جاؤ۔ یہ تمہارے لیے زیادہ پاکیزہ طریقہ ہے جو کچھ تم کرتے ہو اللہ کو اس کا خوب علم ہے۔ جن گھروں میں کوئی نہ رہتا ہو اور ان میں تمہارا سامان ہے ان گھروں میں تمہارے جانے پر کوئی گناہ نہیں ہے اللہ جانتا ہے جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ تم چھپاتے ہو۔"

"استیذان" کے معنیٰ ہیں کسی کے ہاں جانے کے لیے اس سے اجازت طلب کرنا۔ مطلب یہ ہے کہ جب تم کسی کام کے سلسلہ میں یا ملاقات کے لیے کسی شخص کے پاس جاؤ تو اس کی اجازت اور رضامندی کے بغیر اس کے مکان میں نہ جاؤ۔ اسے اپنی آمد سے مطلع کرو۔ اور کہو "السلام علیکم کیا میں اندر آ سکتا ہوں؟"، اور سنجیدگی سے اس کے جواب کا انتظار کرو۔ ہو سکتا ہے کہ وہ کسی ضروری کام میں مصروف ہونے کی وجہ سے آپ کو

جواب نہ دے سکیں اس لیے تھوڑے سے وقفہ کے بعد پھر ان کو یہ پیغام دو۔ جواب نہ آئے تو ذرا ٹھہر کر پھر آواز دو۔

اس کے بعد بھی جواب نہ آئے یا اجازت نہ ملے تو واپس لوٹ آنا چاہیے۔ ہاں اگر وہ اندر آنے کی اجازت دے دیں تو جاتے ہی السلام علیکم سے اپنی ملاقات کا آغاز کریں۔

۱۔ آدمی کو اس رشتہ دار کے گھر میں جس میں اس کی کوئی محرم عورت رہتی ہو مثلاً: ماں، بیٹی، بہن بھتیجی یا بھانجی وغیرہ سے اجازت لے کر جانا ہی مستحب ہے۔

۲۔ رہے وہ رشتہ دار جن کے گھر میں نامحرم عورتیں رہتی ہوں اور وہ ہمسائے یا دوست جن کے بال بچوں کے ہاں آنا جانا رہتا ہو ان کے گھر میں بھی اجازت کے بغیر جانا جائز نہیں ہے۔

۳۔ جو اہم شخصیتیں، علمی اور تدریسی فرائض انجام دے رہی ہوں یا تصنیف وتالیف میں منہمک ہوں یا دوسرے دینی کاموں میں ہمہ تن متوجہ اور مشغول ہوں ان سے ملاقات کرنے کے لیے ان کی رضامندی حاصل کرنا اور اجازت لینا ضروری ہے۔

۴۔ مالک مکان کسی علمی، دینی یا دُنیوی کام میں مشغول ہونے کی وجہ سے اگر کسی سے ملاقات کرنے سے انکار کر دے یا معذرت کر دے تو یہ اس کے لیے جائز ہے، اس صورت میں ملاقات کرنے کے لیے آنے والے کو نہ تو اس پر ناراض ہونا چاہیے اور نہ ملنے پر اصرار کرنا چاہیے۔

۵۔ بے تکلّف دوست اور پڑوسی کی قیام گاہ میں ——— جس میں ان کے بال بچے نہ رہتے ہوں ——— ان کی اجازت اور رضامندی کے بغیر جانا ممنوع اور ناجائز ہے۔

افسوس ہے کہ ہمارے اس دور میں حضور صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے اس حکم پر بالکل عمل نہیں ہو رہا ہے۔

محرم عورت کے گھر کے اندر بھی اجازت کے بغیر نہ جانا چاہیے

(۱۱۴) اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سَأَلَہٗ رَجُلٌ،

فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَسْتَأْذِنُ عَلٰى اُمِّيْ ؟ فَقَالَ نَعَمْ ، فَقَالَ الرَّجُلُ اِنِّيْ مَعَهَا فِي الْبَيْتِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِسْتَأْذِنْ عَلَيْهَا فَقَالَ الرَّجُلُ اِنِّيْ خَادِمُهَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِسْتَأْذِنْ عَلَيْهَا اَتُحِبُّ اَنْ تَرَاهَا عُرْيَانَةً ؟ قَالَ ، لَا قَالَ فَاسْتَأْذِنْ عَلَيْهَا۔ (مؤطا امام مالک عن عطاء بن یسار مرسلاً کتاب الجامع)

"ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا میں اپنی ماں کے پاس جاتے وقت اس سے اجازت طلب کروں ؟ آپؐ نے فرمایا ہاں، اس نے عرض کیا حضور! میں تو گھر میں اس کے ساتھ رہتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا: اس سے اجازت لے کر ہی اس کے پاس جاؤ۔ اس نے پھر عرض کیا حضور! میں اس کا خادم ہوں (مجھے بار بار اس کے پاس آنا جانا پڑتا ہے کیا مجھے ہر بار اس سے اجازت لینی چاہیے ؟) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان کے پاس اجازت لے کر ہی جاؤ۔ کیا تم اسے برہنہ دیکھنا پسند کرتے ہو ؟ وہ بولا نہیں! آپؐ نے فرمایا (یہی وجہ ہے کہ) جب بھی تم اس کے پاس جانا چاہو تو اس سے اجازت لے کر ہی جاؤ۔"

تشریح: اس سے ثابت ہوا کہ کسی محرم رشتہ دار ـــــــــ مثلاً: ماں، بیٹی۔ بہن، خالہ اور پھوپھی وغیرہ ـــــــــ کے گھر کے اندر اس کی اجازت کے بغیر جانا جائز نہیں ہے۔

جس کو بلایا جائے کیا وہ بھی اجازت طلب کرے ؟

(۱۱۵) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ دَخَلْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَجَدَ لَبَنًا فِيْ قَدَحٍ فَقَالَ اَبَا هِرٍّ اِلْحَقْ اَهْلَ الصُّفَّةِ فَادْعُهُمْ اِلَيَّ فَاَتَيْتُهُمْ فَدَعَوْتُهُمْ فَاَقْبَلُوْا فَاسْتَأْذَنُوْا فَاُذِنَ لَهُمْ

فَـدَ خَلُوْا۔ (بخاری کتاب الاستیذان باب اذا دعی الرجل)

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ (آپؐ کے گھر میں) داخل ہوا تو آپؐ کو دودھ کا ایک پیالہ ملا (جو کسی نے آپؐ کی خدمت میں تحفۃً بھیجا تھا) آپؐ نے فرمایا: ابو ہریرہ! ذرا جلدی سے جا کر اہل صُفّہ سے کہو کہ وہ میرے پاس آئیں میں نے جا کر ان سے کہا تمہیں حضورؐ بلاتے ہیں۔ وہ آئے اور انہوں نے اجازت طلب کی تو آپؐ کی طرف سے انہیں اجازت دے دی گئی، پھر وہ آپؐ کے گھر میں داخل ہوتے۔"

تشریح: ابو ہریرہؓ اہل صُفّہ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیغام دے کر لوٹ آئے تھے۔

جو شخص ایلچی بھیج کر کسی آدمی کو بلواتا ہے ظاہر بات ہے کہ وہ اس سے بات چیت کرنے اور ملاقات کرنے پر راضی ہے۔ اگر وہ آدمی پیغام سُن کر ایلچی کی معیت میں اس شخص کے پاس چلا آتا ہے تو وہ اجازت لیے بغیر اس سے مل سکتا ہے کیونکہ معنوی لحاظ سے اسے اجازت حاصل ہے۔

لیکن اگر وہ آدمی، ایلچی کے ہمراہ نہیں آتا، بلکہ ذرا تاخیر سے اس شخص کے پاس آتا ہے ـــــ جیسا کہ اہل صُفّہ ذرا تاخیر سے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے ـــــ تو اسے اجازت لے کر ہی اس کے مکان میں جانا چاہیے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اس وقفہ کے دوران وہ شخص کسی اہم کام میں مشغول ہونے کی وجہ سے کسی کی اچانک آمد کو پسند نہ کرے۔

اجازت طلب کرنے والوں کو اپنا نام بتانا چاہیے

(۱۱۶) عَنْ جَابِرٍ قَالَ اَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ دَيْنٍ كَانَ عَلٰى اَبِيْ فَدَقَقْتُ الْبَابَ فَقَالَ مَنْ ذَا؟ فَقُلْتُ أَنَا فَقَالَ أَنَا أَنَا كَاَنَّهٗ كَرِهَهَا۔

(بخاری کتاب الاستیذان مسلم کتاب الآداب)

"حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں اپنے والد کے قرض کے بارے میں نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کے پاس گیا میں نے دروازہ کھٹکھٹایا تو آپؐ نے پوچھا کون ہے یہ، میں نے کہا "میں ہوں"، آپؐ نے فرمایا "میں ہوں میں ہوں"، گویا کہ آپؐ نے اس طریقہ سے جواب دینے کو پسند نہ کیا۔"

تشریح: حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ غزوۂ احد ۳ھ میں شہید ہو چکے تھے اور مقروض تھے۔ قرض خواہوں نے ان کے صاحبزادے حضرت جابر رضی اللہ عنہ پر دباؤ ڈالا کہ وہ اپنے باپ کا قرض ادا کریں تو وہ نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ آپؐ ہمیں ان سے مہلت لے کر دیں ایک شخص دروازے پر آکر آواز دیتا ہے یا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے۔ صاحب خانہ اس سے پوچھتے ہیں کہ آپ کون ہیں؟ تو اسے صاف طور پر اپنا نام بتانا چاہیے، یہ نہ کہنا چاہیے کہ "میں ہوں"، اِلّا یہ کہ صاحبِ خانہ اس کی آواز اور لہجہ کو پہچانتے ہوں اور وہ سنتے ہی جان لیں کہ "میں ہوں" کہنے والا فلاں ہے۔ اس واقعہ سے دروازے کو کھٹکھٹانے کا جواز ثابت ہوتا ہے۔

دروازے کے عین سامنے کھڑے ہونا

(۱۱۷) كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَتَى بَابَ قَوْمٍ لَمْ يَسْتَقْبِلِ الْبَابَ مِنْ تِلْقَاءِ وَجْهِهِ وَلٰكِنْ مِنْ رُكْنِهِ الْأَيْمَنِ أَوِ الْأَيْسَرِ فَيَقُوْلُ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ، اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَذٰلِكَ إِنَّ الدُّوْرَ لَمْ تَكُنْ عَلَيْهَا يَوْمَئِذٍ سُتُوْرٌ۔

(ابوداؤد عن عبداللہ بن بسر کتاب الادب)

"رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم جب کسی شخص کے مکان کے دروازے پر تشریف لے جاتے تو دروازے کے سامنے کھڑے نہیں ہوتے تھے بلکہ اس کی دائیں جانب یا بائیں جانب کھڑے ہو کر فرماتے السلام علیکم، السّلام علیکم یہ اس وقت کی بات ہے جب کہ مکانوں کے دروازوں پر پردے نہیں ہوتے تھے۔"

تشریح: اس سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ آپ صاحبِ خانہ کو دوبار السلام علیکم کہتے بلکہ اس

کا مطلب یہ ہے کہ آپ متعدد بار السلام علیکم کہتے۔ اس کی وضاحت اور تعیین ان روایات سے ہوتی ہے جن میں بتایا گیا ہے کہ آپ ٹھہر ٹھہر کر تین بار السلام علیکم کہتے۔

جب آدمی کسی کے پاس جائے ـــــ چاہے وہ اس کے گھر میں جانا چاہتا ہو یا اس سے ملاقات کرنے کا ارادہ رکھتا ہو ـــــ تو اس کے دروازے کے عین سامنے کھڑے ہو کر اسے نہ بلائے بلکہ دروازے کے دائیں یا بائیں جانب کھڑے ہو کر دروازے کو کھٹکھٹائے یا آواز دے کر بلائے یا گھنٹی بجائے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر دروازے پر پردہ لٹکا ہوا ہو تو اس کے سامنے کھڑے ہو کر بلانا جائز ہے لیکن سنّت کے مزاج کی رعایت کا تقاضا ہے کہ پردہ ہونے کے باوجود دروازے کے دائیں یا بائیں طرف کھڑے ہو کر صاحب خانہ سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی جائے کیونکہ دروازہ کھلنے یا پردہ کو ایک طرف کرنے پر گھر کے بال بچّوں پر نگاہ پڑ سکتی ہے۔ بعض اوقات زنان خانہ سے کسی خاتون کو دروازے پر آنا پڑتا ہے۔

کسی شخص کے مکان کے اندر جھانکنا

(۱۱۸) قَالَ اَبُو الْقَاسِمِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ اَنَّ امْرَءًا اِطَّلَعَ عَلَيْكَ بِغَيْرِ اِذْنٍ فَخَذَفْتَهُ بِحَصَاةٍ فَفَقَأْتَ عَيْنَهُ لَمْ يَكُنْ عَلَيْكَ جُنَاحٌ۔ (بخاری عن ابی ہریرۃ کتاب الاستیذان)

"رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: اگر کوئی شخص اجازت کے بغیر تمہارے گھر کے اندر جھانکے اور تم کنکری مار کر اس کی آنکھ پھوڑ دو تو تم پر کوئی گناہ نہیں ہے۔"

(۱۱۹) اِنَّ رَجُلًا اِطَّلَعَ مِنْ حُجْرٍ فِيْ بَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِدْرًى يُرَجِّلُ بِهٖ رَأْسَهٗ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ اَعْلَمُ اَنَّكَ تَنْظُرُ طَعَنْتُ بِهٖ فِيْ عَيْنِكَ اِنَّمَا جَعَلَ اللّٰهُ الْاِذْنَ مِنْ اَجْلِ الْبَصَرِ۔

(مسلم عن سہل بن سعد الانصاری کتاب الآداب۔ بخاری کتاب الدیات)

"ایک آدمی باہر سے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے دروازے کے سوراخ سے جھانک رہا تھا۔ آپؐ کے پاس لوہے کی ایک چیز تھی جس سے آپؐ اپنے سر کے بالوں کو سلجھا رہے تھے جب آپؐ نے اسے دیکھا تو فرمایا: اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تم مجھے دیکھ رہے ہو تو میں اس سے تمہاری آنکھ پھوڑ دیتا اور اللہ تعالیٰ نے کسی کے مکان میں داخل ہونے کے لیے اجازت لینے کا حکم نگاہ ہی کی وجہ سے دیا ہے۔"

تشریح: ۱۔۔ اللہ تعالیٰ نے استیذان:

۔۔۔۔۔۔ "کسی کے گھر کے اندر جانے کے لیے صاحب خانہ سے اجازت طلب کرنے" ۔۔۔۔۔۔ کا اصول اس لیے مقرر فرمایا ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے کے گھر میں اطلاع اور اجازت کے بغیر نہ گھس جائے کیونکہ اچانک کسی کے گھر میں داخل ہونے سے اس کا امکان ہے کہ کسی اجنبی عورت کے چہرے پر نگاہ پڑے یا کوئی خاتون غسل کر رہی ہوں یا وہ گھر والوں کو ایک ایسی حالت میں دیکھے جس حالت میں ان کو دیکھنا مناسب نہ ہو۔

۲۔۔ جو شخص کسی کے مکان میں جھانکتا ہے وہ دل کی خرابی میں مبتلا ہونے کی وجہ سے نامحرم عورتوں کو دیکھنے کی خواہش رکھتا ہے۔ یہ ایک مکروہ اور سخت گناہ کا کام ہے۔

۳۔۔ اسلامی تہذیب کسی شخص کو بھی اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ وہ کسی آدمی کے مکان کے:

الف۔ بند دروازے کے سوراخ

ب۔ کھلے دروازے

ج۔ کھڑکی

د۔ اور روشندان

سے اس کے مکان کے اندر جھانکے۔

اسی طرح مکان کی چھت یا اس کی بالائی منزل پر کھڑے ہو کر کسی کے گھر میں جھانکنا

بھی ممنوع ہے۔

۴۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث سے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ جو شخص کسی دوسرے گھر میں جھانکے اور صاحب خانہ کسی چیز سے اس کی آنکھ پھوڑ دے تو اس کے ذمہ اس کی دیت لازم نہیں ہے۔

اگرچہ فقہاء نے اس مسئلہ میں اختلاف کا اظہار کیا ہے لیکن اس میں تو کوئی شبہ نہیں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی گھر کے اندر جھانکنے والے پر سخت غصہ اور عتاب کا اظہار فرمایا ہے۔

جس عورت کا شوہر موجود نہ ہو اس کے پاس نہ جاؤ

(۱۲۰) عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَلِجُوْا عَلَی الْمُغِیْبَاتِ فَاِنَّ الشَّیْطَانَ یَجْرِیْ مِنْ اَحَدِکُمْ مَجْرَی الدَّمِ۔

(ترمذی عن جابر ابواب الرضاع باب ماجاء فی کراہیۃ الدخول علی المغیبات)

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جن عورتوں کے شوہر گھر میں موجود نہ ہوں ـــــ اور وہ اکیلی ہوں، ان کا کوئی محرم بھی ان کے ساتھ نہ ہو ـــــ تم ان کے پاس نہ جاؤ کیونکہ شیطان تم میں سے ہر ایک شخص کے اندر خون کی طرح گردش کرتا ہے۔"

تشریح: جس گھر میں اجنبی، نامحرم عورت رہتی ہو، اس کا شوہر گھر سے باہر ہو اور کوئی محرم بھی اس کے ساتھ نہ ہو یا کوئی تیسرا آدمی بھی اس گھر میں ایسا موجود نہ ہو ـــــ جس کی موجودگی بدکاری میں مانع ہو اس گھر میں اس عورت سے کسی شخص کا (چاہے وہ اس کا رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو) تنہا ملنا یا اس کے پاس تنہا بیٹھنا جائز نہیں ہے ایک مرد کا اجنبی عورت کے ساتھ تخلیہ فتنہ سے خالی نہیں ہوتا، شیطان اس عورت کو مرد کی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کرے گا اور مرد کو اس کی طرف رغبت دلائے گا، وہ چاہے گا کہ شرم وحیا کی دیوار کو ڈھا کر وہ فحاشی کے گڑھے میں چھلانگ لگا دیں۔ اس میں تعجب

کی کوئی بات نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے انسان کے دل میں وسوسہ ڈالنے اور اسے برائی کی طرف رغبت دلانے کی قوت دے رکھی ہے۔ وہ اس مقصد کے لیے ہر شخص کے اندر گردش کرنے کے باوجود نظر نہیں آتا جیسا کہ انسانی جسم کی رگوں میں خون کی گردش نظر نہیں آتی حالانکہ یہ امر واقعہ ہے۔

یہ بات ذہن میں رہے کہ شیطان، انسان کو گمراہ کرنے کے لیے خوشنما آرزوں کا جال بچھا سکتا ہے، اسے سبز باغ دکھا سکتا ہے لیکن اسے کسی کام کے کرنے پر مجبور نہیں کرسکتا۔

نامحرم عورت سے تخلیہ

(۱۲۱) عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ إِلَّا كَانَ ثَالِثَهُمَا الشَّيْطَانُ۔

(مشکوٰۃ عن عمر کتاب النکاح باب النظر الی المخطوبۃ بحوالہ ترمذی)

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آدمی کسی عورت سے تنہائی میں نہیں ملتا مگر شیطان ان کے ساتھ تیسرا ہوتا ہے۔"

تشریح: مطلب یہ ہے کہ آدمی کو کسی اجنبی اور نامحرم عورت سے نہ تو تنہائی میں ملنا چاہیے اور نہ اس کے ساتھ سفر کرنا چاہیے جب ایک جوان جوڑے کو تنہائی میں رکاوٹ حائل نہ ہو تو وہ بہت جلد شیطان کی دعوتِ گناہ کو قبول کرلیتا ہے۔

ثیّب عورت کے یہاں رات گزارنا

(۱۲۲) قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَلَا لَا يَبِيتَنَّ رَجُلٌ عِنْدَ امْرَأَةٍ ثَيِّبٍ إِلَّا أَنْ يَكُونَ نَاكِحًا أَوْ ذَا مَحْرَمٍ۔

(مسلم عن جابر کتاب السلام باب تحریم الخلوۃ بالاجنبیۃ)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خبردار! کوئی شخص ثیب عورت کے پاس رات نہ گزارے اِلاّ یہ کہ وہ اس کا شوہر ہو یا اس کا محرم ہو۔"

تشریح: "ثیّب" اس عورت کو کہتے ہیں جو کنواری نہ ہو۔ اس کا اطلاق تین قسم کی عورتوں

پر ہوتا ہے:

۱۔ شادی شدہ

۲۔ بیوہ

۳۔ مطلّقہ

"رات گزارنے" کے معنیٰ ہیں تنہائی میں اس سے ملاقات کرنا، اس کے پاس بیٹھنا، رات کو اس کے گھر میں قیام کرنا۔

"محرم" سے مراد وہ رشتہ دار ہے جس سے عورت کا نکاح کرنا ہمیشہ کے لیے حرام ہو۔

شوہر کے سوا کوئی شخص بھی شادی شدہ عورت سے نہ تو تنہائی میں ملاقات کرے اور نہ اس کے ساتھ رات گزارے۔

اسی طرح اس کا وہ رشتہ دار بھی اس سے تنہائی میں نہیں مل سکتا جس سے اس کا نکاح کرنا ہمیشہ کے لیے حرام ہو۔

کوئی شخص بیوہ اور مطلقہ عورت سے نہ تو تنہائی میں ملے اور نہ تنہائی میں اس کے پاس بیٹھے نہ دن میں نہ رات کو اور نہ اس کے ساتھ ایک گھر میں رات گزارے اِلّا یہ کہ وہ اس کا محرم ہو۔

مطلب یہ ہے کہ وہ رشتہ دار جس سے اس کا نکاح کرنا ہمیشہ کے لیے حرام ہو ایک گھر میں اس کے ساتھ رات گزار سکتا ہے اور تنہائی میں اس سے ملاقات کرسکتا ہے۔

کیا عورت، نامحرم کے ساتھ سفر کرسکتی ہے۔

(۱۲۳) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ يَقُوْلُ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ يَقُوْلُ لَا يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ اِلَّا وَمَعَهَا ذُوْ مَحْرَمٍ وَلَا تُسَافِرُ الْمَرْأَةُ اِلَّا مَعَ ذِيْ مَحْرَمٍ فَقَامَ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ امْرَأَتِيْ خَرَجَتْ حَاجَّةً وَاِنِّيْ اُكْتُتِبْتُ فِيْ غَزْوَةِ كَذَا وَكَذَا

قَالَ اِنْطَلِقْ فَحُجَّ مَعَ اِمْرَأَتِكَ۔

(مسلم کتاب الحج باب سفر المرأۃ مع محرم الی حج۔ بخاری کتاب الحج باب النساء)

"حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سُنا آپؐ اپنے خطبہ میں فرما رہے تھے: کوئی مرد کسی عورت سے خلوت میں نہ ملے جب تک کہ اس کے ساتھ اس کا کوئی محرم نہ ہو اور عورت سفر نہ کرے جب تک کہ اس کے ساتھ اس کا کوئی محرم نہ ہو۔ ایک آدمی نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! صلی اللہ علیہ وسلم میری بیوی حج پر جا رہی ہے اور میرا نام فلاں غزوہ میں لکھ دیا گیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا: تو اپنی بیوی کے ساتھ حج پر جا۔"

تشریح: (۱) کوئی مرد، نامحرم عورت سے خلوت میں ملے یا اس کے ساتھ سفر کرے ہر حال میں اس جوڑے کا اجتماع فتنہ سے خالی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مرد اور عورت کے صنفی اعضاء، شہوانی جذبات اور طبعی میلانات کو کچھ ایسے انداز سے پیدا کیا ہے کہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کا طالب بھی ہے اور مطلوب بھی، اور اپنے جسمانی تقاضوں کے لیے محتاج بھی ہے، اس بنا پر شریعت کا مزاج کسی شخص کو نامحرم عورت سے خلوت کرنے اور اس کے پاس بیٹھنے کی اجازت نہیں دیتا۔

"کوئی مرد کسی عورت سے خلوت میں نہ ملے جب تک کہ اس کے ساتھ اس کا کوئی محرم نہ ہو۔"

اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر عورت کے ساتھ اس کا کوئی محرم موجود ہو تو مرد ضروری کام کے سلسلہ میں اس سے مل سکتا ہے۔

عورت کا بیٹا، بھائی، باپ، ماں اور بہن اس کے محرم ہیں۔

(۲) عورت سفر نہ کرے جب تک کہ اس کے ساتھ اس کا کوئی محرم نہ ہو۔ یہاں ایک اُلجھن پیدا ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ جس عورت پر حج فرض ہے کیا وہ شوہر اور محرم کے بغیر تنہا یا نامحرم کے ساتھ حج پر جا سکتی ہے؟ اس مسئلہ میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک سفر میں عورت کے ساتھ محرم کا ہونا شرط ہے عورت کے گھر سے مکہ تین دن یا اس سے زیادہ کی مسافت پر ہو تو وہ شوہر یا محرم کے بغیر حج پر نہیں جا سکتی، شوہر اور محرم کی عدم موجودگی کی وجہ سے حج کی فرضیت اس سے ساقط ہو جائے گی۔

امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک محرم اور شوہر کے بغیر بھی عورت حج پر جا سکتی ہے بشرطیکہ راستہ پُر امن ہو، اسے کوئی خطرہ نہ ہو اور قابل اعتماد نیک خواتین کی رفاقت بھی میسّر ہو۔ اصل بات یہ ہے کہ ان کے نزدیک عورت کی جان و مال اور عصمت کا تحفّظ شرط ہے۔ ظاہر بات ہے کہ جس طرح عورت کو سفر میں شوہر اور محرم کے ساتھ یہ تحفّظ حاصل ہوتا ہے اسی طرح وہ دوسری پرہیز گار اور شریف عورتوں کے ساتھ حج کے سفر میں امن اور حفاظت میں آجاتی ہے حج کے علاوہ اس کا محرم یا شوہر کے بغیر سفر کرنا بالکل جائز نہیں ہے۔

قرآن و سُنّت کا مزاج کسی عورت کو بھی نا محرم کے ساتھ سفر کرنے کی اجازت نہیں دیتا، سفر کے کم یا زیادہ ہونے پر اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

رہیں وہ احادیث جن میں متعیّن طور پر ایک خاص مسافت پر محرم کے بغیر عورت کو سفر کرنے سے منع کیا گیا ہے تو ان کا مقصد مسافت کی کم از کم ایسی مقدار بتانا نہیں ہے جس پر سفر کا اطلاق ہو سکے، بلکہ حضور صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم کے ان ارشادات گرامی کا حاصل یہ ہے کہ فاصلے کی جس مقدار پر بھی سفر کا اطلاق ہوتا ہو عورت کو شوہر یا محرم کے بغیر اس سے روک دیا جائے چاہے وہ فاصلہ تین دن کا ہو یا دو دن کا یا بارہ میل کا یا اس سے مختلف ہو۔ فاصلے کے اس اختلاف کا تعلق دراصل سوال کرنے والوں کے اختلاف سے ہے مثلاً: کسی نے پوچھا حضور! (صلّی اللہ علیہ وسلّم) کیا عورت محرم کے بغیر تین دن کے سفر پر جا سکتی ہے؟

آپؐ نے فرمایا:

لَا تُسَافِرُ الْمَرْأَةُ ثَلَاثَةَ اَیَّامٍ اِلَّا مَعَ

ذِیْ مَحْرَمٍ (بخاری عن ابن عمر ابواب تقصیر الصلوٰۃ مسلم کتاب الحج)

"عورت تین دن کا سفر نہ کرے جب تک کہ اس کے ساتھ اس کا محرم نہ ہو"

اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ محرم کے بغیر دو دن کے سفر پر تنہا یا اجنبی کے ساتھ جا سکتی ہے یا کسی نے حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے سوال کیا، عورت، شوہر یا محرم کے بغیر دو دن کے فاصلے پر جانا چاہے تو یہ کیسا ہے ؟

آپؐ نے فرمایا:

لَا تُسَافِرُ امْرَأَةٌ مَسِيْرَةَ يَوْمَيْنِ لَيْسَ مَعَهَا زَوْجُهَا أَوْ ذُوْ مَحْرَمٍ۔ (بخاری کتاب الحج مسلم کتاب الحج)

"جس عورت کا شوہر یا محرم اس کے ساتھ نہ ہو وہ دو دن کی مسافت پر بھی سفر نہ کرے"

اس سے یہ مطلب اخذ کرنا تو صحیح نہیں ہے کہ اگر وہ کسی ایسے شہر میں جانا چاہے جو اس کے گھر سے ایک دن کے فاصلے پر ہو تو وہ تنہا یا کسی اجنبی کے ساتھ بڑے اطمینان سے سفر کر سکتی ہے شریعت نے اسے کھلی چھٹی دے دی ہے یا ایک شخص نے سوال کیا حضور! عورت، محرم کے بغیر ایک رات دن کی مسافت پر سفر کر سکتی ہے ؟ آپؐ نے فرمایا:

لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ تُسَافِرَ مَسِيْرَةَ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ لَيْسَ مَعَهَا حُرْمَةٌ۔

(بخاری عن ابی ہریرۃ ابواب التقصیر الصلوٰت مسلم کتاب الحج)

"اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھنے والی کے لیے حلال نہیں ہے کہ وہ ایک رات دن کی مسافت پر محرم کے بغیر سفر کرے"

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس سے کم مسافت پر وہ تنہا یا کسی نامحرم کے ساتھ سفر کر سکتی ہے ؟

یا ایک اور سوال کے جواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَا تُسَافِرُ الْمَرْأَةُ بَرِيْدًا اِلَّا مَعَ زَوْجٍ اَوْ ذِيْ رَحِمٍ۔
(ابوداؤد عن ابی ہریرۃ کتاب المناسک)

"عورت بارہ میل کی مسافت پر سفر نہ کرے جب تک کہ اس کے ساتھ اس کا شوہر یا کوئی محرم نہ ہو"

اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا صحیح نہیں ہے کہ وہ بارہ میل سے کم فاصلے پر تنہا یا کسی اجنبی کے ساتھ جا سکتی ہے۔

(۳) عورت کا "محرم" وہ ہے جس سے اس کا نکاح کرنا ہمیشہ کے لیے حرام ہو شوہر کے علاوہ اپنے جن محرموں کے ساتھ وہ سفر کر سکتی ہے وہ یہ ہیں:

۱۔ اس کا بیٹا
۲۔ بھائی
۳۔ بھتیجہ
۴۔ بھانجہ
۵۔ ماموں
۶۔ چچا
۷۔ باپ
۸۔ رضاعی بھائی
۹۔ رضاعی بھتیجہ
۱۰۔ رضاعی بھانجہ
۱۱۔ خُسر
۱۲۔ شوہر کا بیٹا

جمہور فقہاء، امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک یہ محرم رشتہ دار خلوت میں اس سے مل سکتے ہیں اور کسی ضرورت کے بغیر اسے دیکھ بھی سکتے ہیں، لیکن ان میں سے کسی شخص کے لیے بھی جائز نہیں ہے کہ وہ اسے بُری نگاہ سے گھُور گھُور کر دیکھے۔

البتہ امام مالکؒ شوہر کے بیٹے کے ساتھ عورت کے سفر کرنے کو پسند نہیں کرتے۔ وہ کہتے ہیں کہ قرنِ اوّل کے بعد لوگوں میں بہت بگاڑ پیدا ہو گیا ہے۔

محدّثین نے اور فقہاء نے اگرچہ امام مالکؒ کی اس رائے کو رد کر دیا ہے لیکن اخلاقی گراوٹ کے اس دور میں ان کی رائے کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

نامحرم عورت کو ہاتھ سے چھونا

(۱۲۴) عَنْ عَائِشَةَ ـــــ وَاللّٰهِ مَا مَسَّتْ يَدُهُ يَدَ امْرَأَةٍ قَطُّ فِي الْمُبَايَعَةِ۔ مَا يُبَايِعُهُنَّ إِلَّا بِقَوْلِهِ قَدْ بَايَعْتُكِ عَلٰى ذَالِكَ۔ (بخاری کتاب التفسیر۔ کتاب الشروط۔ کتاب الطلاق مسلم کتاب الامارۃ)

"حضرت عائشہؓ سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں اللہ کی قسم! عورتوں سے بیعت لیتے وقت نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ہاتھ نے کبھی بھی کسی عورت کے ہاتھ کو نہیں چھوا۔ آپؐ انہیں بیعت کرتے وقت صرف یہ ارشاد فرماتے: جاؤ میں نے تمہیں اس پر بیعت کیا۔"

تشریح: کسی شخص کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ نامحرم عورت کے جسم کو ہاتھ لگائے یا اس سے مصافحہ کرے، ہمارے دَور میں بعض خاندان اسلامی احکام کی پرواہ نہیں کرتے، مرد نامحرم عورتوں سے مصافحہ کرتے ہیں، بلکہ بعض نادان مرد، نامحرم عورتوں سے معانقہ کرنے کو بھی معیوب نہیں سمجھتے۔

یہ بات اچھی طرح ذہن نشین ہونی چاہیئے کہ نہ تو مرد، نامحرم عورت کے جسم کے کسی حصّہ کو ہاتھ لگائے اور نہ عورت، نامحرم مرد کے جسم کے کسی حصّہ کو ہاتھ لگائے اور نہ عورت، نامحرم مرد کے جسم کے کسی حصّہ کو مس کرے۔

بعض جاہل پیر عورتوں کو بیعت کرتے وقت ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیتے ہیں اور بگڑے ہوئے پیروں کا حال یہ ہے کہ وہ "عقیدت مند" عورتوں سے اپنے پاؤں دبواتے ہیں حالانکہ "محمد عربی" صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی شریعت میں یہ بالکل ناجائز اور گناہ ہے۔

بعض اوقات ناگزیر یہ حالات میں نہ صرف یہ کہ مردوں کے لیے نامحرم عورتوں کو ہاتھ لگانا جائز ہے بلکہ ضروری بھی ہے مثلاً:

۱۔ عورت کسی ایسے حادثہ کا شکار ہو رہی ہو کہ اسے بچانے کے لیے نامحرم مرد اس کو اٹھانے یا ہاتھ سے چھُونے پر مجبور ہو۔

۲۔ ڈاکٹر یا حکیم عورت کے جسم کے ہر اس حصّے کو دیکھ اور چھُو سکتا ہے جس کا علاج کے سلسلہ میں چھُونا اور دیکھنا بالکل ناگزیر ہو یہاں تک کہ وہ اس کا آپریشن بھی کر سکتا ہے بشرطیکہ لیڈی ڈاکٹر موجود نہ ہو یا موجود تو ہو لیکن وہ مریضہ کے علاج اور آپریشن کرنے کی صلاحیت نہ رکھتی ہو۔

مسلمان عورت اور بازار

(۱۲۵) عَنْ عَلِیٍّ، اَلَا تَسْتَحْیُوْنَ اَوْ تَغَارُوْنَ؟ فَاِنَّہٗ بَلَغَنِیْ اَنَّ نِسَاءَکُمْ یَخْرُجْنَ اِلَی الْاَسْوَاقِ یُزَاحِمْنَ الْعُلُوْجَ۔

(مسند احمد ص ۱۱۸)

"حضرت علی رضی اللہ عنہ نے — اہل کوفہ سے — فرمایا: تمہیں حیا نہیں آتی؟ یا (آپؓ نے فرمایا) تمہاری غیرت کہاں گئی؟ یہ بات میرے علم میں آئی ہے کہ تمہاری عورتیں بازاروں میں غیر مسلم ہٹّے کٹّے جوانوں سے ٹکراتی پھرتی ہیں۔"

تشریح: مسلمان عورت کا بازار میں بن ٹھن کر آنا جائز نہیں ہے، اسلامی غیرت اس بے حیائی کو گوارا نہیں کرتی کہ اسلام کی بیٹیاں پردے سے بے نیاز، بلکہ نیم عریاں لباس پہن کر بازاروں میں خرید و فروخت کرتی پھریں۔ صحیح بات تو یہ ہے کہ بازار میں عورت کا آنا ہی مناسب نہیں ہے۔ اگر سودا سلف لینے کے لیے اسے آنا ہی پڑے تو وہ نہایت سادہ لباس پہن کر آئے، چادر یا برقعہ کا نقاب اوڑھے دُکاندار سے گفتگو کرنے میں لگاوٹ اور لوچ سے پرہیز کرے، چہرہ نہ کھولے لیکن اگر کسی چیز کو خریدنے کے لیے چہرے کو کھولے بغیر چارہ نہ ہو تو سنجیدگی اور متانت سے گفتگو کرے، دکاندار یا کسی

راہ گیر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مُسکرا کر بات نہ کرے۔

عورتوں کا فتنہ

(۱۲۶) عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا تَرَکْتُ بَعْدِیْ فِتْنَۃً اَضَرَّ عَلَی الرِّجَالِ مِنَ النِّسَآءِ۔

(بخاری عن اسامۃ بن زید کتاب النکاح مسلم کتاب الذکر والدعا)

"نبی صلّی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اپنے بعد مردوں کے لیے عورتوں سے زیادہ ضرر رساں کوئی اور فتنہ چھوڑ کر نہیں جا رہا ہوں۔"

تشریح: دُنیا کی زندگی فتنہ و فساد سے پُر ہے انسان کو قدم قدم پر اس سے دوچار ہونا پڑتا ہے لیکن مردوں کے لیے سب فتنوں سے زیادہ خطرناک اور تباہ کن عورتوں کا فتنہ ہے ان کی وجہ سے عداوت اور لڑائی بلکہ قتل و غارتگری کے ہنگامے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

عورتوں کے فتنہ سے مراد یہ ہے کہ آدمی کو بیوی کی محبّت بسا اوقات نہایت اونچا معیارِ زندگی اختیار کرنے پر مجبور کرتی ہے اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ آدمی زیادہ سے زیادہ پیسہ کمانے کے جنون میں مبتلا ہو جاتا ہے اسے حرام اور حلال کی تمیز کا ہوش بھی نہیں رہتا یہ "معاشی حیوان"، بال بچوں کی ناز برداری کے لیے ایسی غلط کاریوں میں مبتلا ہو جاتا ہے جو سراسر غیر معقول ہوتی ہیں اور دین کے اصول سے بھی ٹکراتی ہیں۔

عورتوں کے فتنہ کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اچھّے خاصے معقول مرد آوارہ مزاج عورتوں کی طرف مائل ہو کر اپنے دین اور دُنیا کو تباہ کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں، حسین و جمیل آبرو باختہ عورتوں کی جلوہ آرائیاں ان کے عقل و خرد کے خرمن پر برق بن کر گرتی ہیں، ان کا ذوق بے حجابی بے راہ روی کو فروغ دیتا ہے اور معاشرے کو فساد اور بگاڑ کی راہ پر لگا دیتا ہے،

مومن کو اپنے اخلاق و کردار پر کڑی نگاہ رکھنی چاہیے تاکہ اس کا دل کسی خوشنما دام میں نہ پھنس جائے اور اسے چاہیے کہ وہ اس فتنہ سے بچنے کے لیے برابر اللہ تعالیٰ سے بھی پناہ طلب کرتا رہے۔

مسلمان عورت کو چاہیے کہ وہ اپنے سرپرستوں اور عزیزوں کے لیے آزمائش

بن کر نہ رہے اگر وہ "بیوی" ہے تو مسلمان بیوی کا کردار ادا کرے۔ اگر وہ "بیٹی" ہے تو شرافت و حیا کا پیکر بن کر اپنے باپ کا سر بلند رکھے، اگر وہ کسی کی "بہن" ہے تو اسے اپنے بھائی کی لاج رکھنی چاہیے۔ اگر وہ کسی کی "ماں" ہے تو اسے اپنے بچوں کے سر پر ابرِ رحمت کی طرح سایہ فگن رہنا چاہیے۔

مومن عورت کو کوئی ایسا رویہ اختیار نہ کرنا چاہیے جو اس کے سرپرست کو کسی ذلت اور گناہ میں مبتلا کر دے یا اسے اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے منہ موڑنے پر مجبور کر دے۔ وہ عورت بڑی شر پسند اور فتنہ پرداز ہے جس کی غلط روی کا بُرا اثر اس کے خاندان کے دین و اخلاق پر شبخون مار رہا ہو۔

عورت کا خوشبو لگا کر مردوں کے پاس جانا

(۱۲۷) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَیُّمَا امْرَأَۃٍ اِسْتَعْطَرَتْ فَمَرَّتْ عَلٰی قَوْمٍ لِیَجِدُوْا مِنْ رِیْحِھَا فَھِیَ زَانِیَۃٌ۔ (نسائی عن ابی موسیٰ کتاب الزانیۃ۔ ابوداؤد کتاب الترجل)

"رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: جو عورت خوشبو لگا کر مردوں کے پاس سے گزرتی ہے تاکہ وہ اس کی خوشبو سے لطف اندوز ہوں وہ زانی ہے۔"

تشریح: اس طرح کی خوشبو سے محظوظ ہونے والے کے صنفی جذبات متحرک ہو سکتے ہیں اور وہ کم از کم اسے بُری نگاہ سے دیکھ سکتا ہے۔ اس گناہ کا محرک اور بنیادی سبب وہ عورت ہے جس نے پھیلنے والی خوشبو سے اپنے جسم اور لباس کو معطّر بنا رکھا ہے اس لیے اسے زانی قرار دیا گیا ہے حضور صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم نے اس عورت کے خلاف سخت غم و غصّہ کا اظہار فرمایا ہے جو اجنبی مردوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے خوشبو لگا کر ان کی مجلس میں شریک ہوتی ہے یا ان کے پاس سے گزرتی ہے اس لیے عورت گھر سے باہر نکلتے وقت ایسی خوشبو نہ لگائے جو پھیلنے والی ہو۔

عورت چراغِ خانہ ہے

(۱۲۸) عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمَرْأَۃُ عَوْرَۃٌ فَاِذَا

خَرَجَتْ اِسْتَشْرَفَهَا الشَّيْطَانُ۔

(ترمذی عن ابن مسعود ابواب الرضاع)

"نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا عورت قابل اخفاء چیز ہے جب وہ (گھر سے باہر) نکلتی ہے تو شیطان اسے تاکتا ہے۔"

تشریح: عورت شمعِ محفل نہیں، چراغ خانہ ہے کسی شدید ضرورت کے بغیر اسے گھر سے باہر نہ نکلنا چاہیے۔ جب وہ بازار یا سڑک سے گزرتی ہے تو آوارہ مزاج اور اوباش لوگ اس کے حسن اور شباب پر نگاہیں گاڑ دیتے ہیں۔

اجنبی عورت کے فتنہ کا علاج

(۱۲۹) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْمَرْأَۃَ تُقْبِلُ فِیْ صُوْرَۃِ شَیْطَانٍ وَتُدْبِرُ فِیْ صُوْرَۃِ شَیْطَانٍ اِذَا اَحَدَکُمْ اَعْجَبَتْہُ الْمَرْأَۃُ فَوَقَعَتْ فِیْ قَلْبِہٖ فَلْیَعْمِدْ اِلٰی اِمْرَأَتِہٖ فَلْیُوَاقِعْھَا فَاِنَّ ذَالِکَ یَرُدُّ مَا فِیْ نَفْسِہٖ۔ (مشکوٰۃ عن جابر کتاب النکاح باب النظر الی المخطوبۃ بحوالہ مسلم)

"رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا عورت شیطان کی شکل میں سامنے آتی ہے اور شیطان کی شکل میں پیٹھ پھیر کر جاتی ہے جب عورت تم میں سے کسی کو پسند آئے اور اس کی محبت اس کے دل میں اُتر جائے تو وہ اپنی بیوی کے پاس جائے اور اس سے جسمانی رابطہ قائم کرے، اس سے اس کی آتشِ شوق بجھ جائے گی۔"

تشریح: عورت کو شیطان اس معنیٰ میں کہا گیا ہے کہ جس طرح شیطان انسان کے دل میں وسوسہ ڈال کر اسے بُرائی کی طرف بُلاتا ہے اسی طرح بنی سنوری عورت بھی دیکھنے والوں کو اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ وہ نہ صرف یہ کہ اس کے حُسن و جمال سے اپنی آنکھیں سینکتے ہیں بلکہ بعض اوقات تو اس کے فتنہ میں بھی مبتلا ہو جاتے ہیں —— عورت جب بن ٹھن کر لوگوں کو دعوتِ نظارہ دیتی ہے تو وہ شیطان کی طرح ان کے دلوں میں بُرائی

کی لہر دوڑا دیتی ہے اور ہوس کو نہایت خوبصورت اور پرکشش انداز میں پیش کر کے ان کی عقل و شعور کو حیرت میں ڈال دیتی ہے، اس طرح کے کسی حادثہ کے نتیجہ میں ایک شخص اچانک کسی اجنبی عورت کی طرف مائل ہو سکتا ہے اور دل میں اسے بہت پسند بھی کر سکتا ہے، یہ ایک فطری بات ہے جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا، اگر کوئی شخص اس اُلجھن سے دوچار ہو جائے تو اسے چاہیے کہ وہ اپنے گھر کا رُخ کرے اور اپنی بیوی سے جسمانی رابطہ قائم کرے۔ انشاء اللہ تعالیٰ اس طریقہ سے اس کا جوشِ ہوس فرو ہو جائے گا اور اس آفتِ جان کی کشش بھی ختم ہو جائے گی جس نے اس کو پریشان کر دیا تھا۔

اس حدیث پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ:

۱ــــ عورت کا میدانِ عمل اس کا گھر ہے، وہ کسی شدید ضرورت کے بغیر گھر سے باہر نہ جائے، کسی معاشی یا معاشرتی ضرورت کی بنا پر اگر اسے گھر سے باہر جانا پڑے تو وہ لباس، رفتار اور طرزِ عمل میں ایسا رویہ اختیار نہ کرے جس سے مردوں کے صنفی جذبات بھڑک اُٹھیں، وہ نقاب اوڑھ لے، بھڑکیلا اور جاذبِ نظر لباس نہ پہنے اور پھیلنے والی خوشبو بھی استعمال نہ کرے۔

۲ــــ اگر شوہر کو کسی جسمانی رابطہ قائم کرنے کی شدید خواہش ہو تو بیوی کو اس کی اطاعت کرنی چاہیے، چاہے وہ کسی کام میں مشغول ہو۔

رشحات

اسلام مرد و زن کے اختلاط اور عورتوں کے بے پردہ پھرنے کی اجازت نہیں دیتا، اس موضوع پر حضور صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی بعض احادیث سے جو راہنمائی ملتی ہے وہ یہ ہے :

عورت چراغِ خانہ ہے، شمعِ محفل نہیں، وہ گھر میں ٹک کر رہے اور اس کا انتظام سنبھالے، شدید ضرورت کے بغیر گھر سے باہر نہ جائے، جب کسی شدید ضرورت کی بنا پر اسے گھر سے باہر جانے کی نوبت آئے تو وہ بڑی چادر یا برقعہ کو اپنے اوپر ڈال لے، اس کا کچھ حصّہ چہرے پر لٹکا لیا کرے، دکاندار یا کسی دوسرے شخص کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر یا مسکرا کر گفتگو نہ کرے۔

گھر سے باہر جاتے وقت عورت کو بھڑکیلا اور جاذب توجہ لباس اور برقعہ نہ اوڑھنا چاہیے اور نہ پھیلنے والی خوشبو استعمال کرنی چاہیے۔ جو عورت معطّر ہو کر سڑک یا بازار میں مردوں کے پاس سے گزرتی ہے وہ بدکار ہے، عورت تمدّن کی گاڑی کا دوسرا پہیہ ہے لیکن وہ اجنبی مردوں سے الگ رہے، ان سے پردہ کرے۔

"قریبی اعزّہ" سے پردہ کرنے کے معنٰی یہ ہیں کہ ان میں سے کوئی شخص، تنہا نامحرم عورت کے ساتھ سفر کرے اور نہ اس سے ملاقات کرے جبکہ وہ گھر پر اکیلی ہو۔

جو عورت گھر پر اکیلی نہ ہو، بلکہ اپنے بال بچّوں کے ساتھ رہتی ہو یا اس کا شوہر گھر پر ہو تو نامحرم رشتہ دار اس کے پاس آسکتا ہے لیکن وہ چہرے اور کلائی تک ہاتھ کے سوا سارے جسم کو اس سے چھپائے، اس سے مصافحہ نہ کرے، اس سے لگاوٹ کی بات نہ کرے اور سینے پر دوپٹے کا پلّو ڈالے رکھّے۔

لڑکی بالغ ہونے کے بعد چہرے اور ہتھیلیوں کے سوا اپنے سارے جسم کو نامحرم

رشتہ داروں سے مستور رکھے۔ باریک اور چست لباس پہن کر اس کے سامنے آئے اور نہ ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرے۔

جس عورت کا شوہر گھر میں موجود نہ ہو کسی نامحرم کو اس کے پاس نہ جانا چاہیے۔

اجنبی آدمی کو کسی نامحرم عورت سے تنہائی میں ملاقات کرنی چاہیے اور نہ اس کے ساتھ سفر کرنا چاہیے اور نہ اس کے جسم کے کسی حصّہ کو چھونا چاہیے۔

کسی شخص کے گھر میں ——— یہاں تک کہ ماں، بہن اور بیٹی کے گھر میں بھی ——— اجازت کے بغیر نہ جانا چاہیے۔

جو شخص ملاقات کے لیے کسی کے گھر جانا چاہے تو وہ "تین بار" اجازت طلب کرے۔

اجازت ملے تو السّلام علیکم سے ملاقات کا آغاز کرے ورنہ لوٹ جائے اگر صاحب خانہ کسی علمی یا دنیوی کام میں مشغول ہونے کی بنا پر ملاقات کرنے سے انکار یا معذرت کر دے تو یہ اس کے لیے جائز ہے، ملاقات کے لیے آنے والے کو اس پر ناراض ہونا چاہیے اور نہ ملنے پر اصرار کرنا چاہیے۔

اجازت طلب کرنے والے کو اپنا نام بتانا چاہیے۔

جو شخص کسی کے پاس ملاقات کے لیے آئے یا اس کے گھر جانا چاہے تو دروازے کے سامنے کھڑا نہ ہو، بلکہ اس کے دائیں یا بائیں طرف کھڑے ہو کر صاحبِ خانہ کو آواز دے یا دروازہ کھٹکھٹائے یا گھنٹی بجائے۔

کسی دوسرے کے گھر میں دروازے، دیوار کے سوراخ، روشندان یا بالاخانہ سے جھانکنا جائز نہیں ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک صاحب خانہ اگر جھانکنے والے کی آنکھ پھوڑ دے تو اس کے ذمہ اس کی دیت نہیں ہے۔

باب دوم

(۴)

بدنگاہی

نگاہ کی حفاظت

(۱۳۰) عَنْ جَرِيْرِبْنِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ نَظْرَةِ الْفَجْأَةِ فَأَمَرَنِيْ اَنْ اُصْرِفَ بَصَرِيْ۔ (مسلم کتاب الآداب باب نظر الفجأۃ)

"حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اچانک نگاہ پڑ جانے کے بارے میں سوال کیا تو آپؐ نے مجھے حکم دیا کہ تم اپنی نگاہ پھیر لو۔"

تشریح: مطلب یہ ہے کہ کسی اجنبی عورت سے آمنا سامنا ہو جائے اور خواہش اور ارادے کے بغیر اس پر اچانک نگاہ پڑ جائے تو فوراً نگاہ پھیر لینی چاہیے۔ اچانک نگاہ پڑ جانے کے بعد اسے برابر دیکھتے رہنا اور اس کے حسن سے دلچسپی لینا گناہ ہے۔

اسی طرح اگر عورت کی کسی نامحرم پر اچانک نگاہ پڑ جائے تو وہ فوراً اپنی نگاہ پھیر لے لیکن اگر وہ ٹکٹکی باندھے اسے دیکھتی رہے اور اس میں دلچسپی لیتی رہے تو گناہ گار ہوگی۔

پہلی نگاہ معاف، دوسری نہیں

(۱۳۱) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعَلِيٍّ يَا عَلِيُّ لَا تُتْبِعِ النَّظْرَةَ النَّظْرَةَ فَاِنَّ لَكَ الْاُوْلٰى وَلَيْسَتْ لَكَ الْاٰخِرَةُ۔

(ابوداؤد عن بریدۃ کتاب النکاح۔ ترمذی کتاب الاستیذان مسند احمد ۱۳۶۹)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے فرمایا: علی! پہلی کے بعد دوسری نگاہ نہ ڈال، پہلی نگاہ معاف ہے اور دوسری بار دیکھنا تیرے لیے جائز نہیں ہے۔"

تشریح: بدکاری کی پہلی سیڑھی آنکھوں کی آوارگی ہے، اس بنا پر اسلام نے سب سے زیادہ زور نظر کی پاکیزگی اور عفت پر دیا ہے۔

شوق اور ارادے سے نامحرم عورت پر نگاہ ڈالنا ممنوع ہے چاہے پہلی بار ہو یا دوسری بار۔ اچانک پہلی نگاہ کے بارے میں تو کہا جا سکتا ہے کہ اس میں دیکھنے والے کے شوق اور ارادے کا دخل نہیں ہے لیکن آدمی دوسری بار تو شوق اور ارادے سے ہی نگاہ ڈالتا ہے اس لیے وہ گناہ گار ہے۔

جو شخص نامحرم پر اچانک نگاہ پڑ جانے کے بعد اللہ کی رضا کے لیے اس پر دوسری بار نگاہ نہیں ڈالتا وہ نہ صرف یہ کہ گناہ گار نہیں ہے بلکہ اس ضبطِ نفس پر اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ اجر و ثواب کا مستحق بھی ہے۔

نگاہ کی پاکیزگی کا صلہ

(۱۳۲) عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ یَنْظُرُ اِلٰی مَحَاسِنِ امْرَأَۃٍ اَوَّلَ مَرَّۃٍ ثُمَّ یَغُضُّ بَصَرَہٗ اِلَّا اَحْدَثَ اللّٰہُ لَہٗ عِبَادَۃً یَجِدُ حَلَاوَتَہَا۔

(مشکوٰۃ عن ابی امامۃ کتاب النکاح بحوالہ احمد)

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مسلمان پہلی بار کسی عورت کے حُسن کو دیکھ کر فوراً اپنی نگاہ پھیرلے اللہ تعالیٰ اسے ایک ایسی عبادت کی توفیق دیتا ہے جس کے لطف و لذّت کو وہ محسوس کرتا ہے۔"

تشریح: جو مسلمان کسی حسین عورت کو دیکھ کر اس کے حُسن سے لطف اندوز نہیں ہوتا، بلکہ فوراً اپنی نگاہیں اس سے پھیر لیتا ہے وہ اپنے مالک و معبود کے اس حکم کی اطاعت کرتا ہے کہ:

"اہل ایمان اپنی نگاہیں نیچی کرلیں۔" (سورۃ النور)

اور فی الواقع مسلمان ہونے کی حیثیت سے یہ اس کا فرض بھی ہے۔ لیکن رحیم و کریم آقا اپنے بندے کے اس رویہ پر خوش ہو کر اسے ایک ایسی عبادت کی توفیق عنایت فرماتا ہے جس کی لذّت و شیرینی کو قلب و رُوح کی گہرائیوں سے محسوس تو کیا جا سکتا ہے لیکن زبان اور قلم سے اس کا اظہار ناممکن ہے۔

آنکھ کی زنا

(۱۳۳) عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ ...... فَالْعَیْنَانِ زِنَاھُمَا النَّظْرُ وَالْاُذُنَانِ زِنَاھُمَا الْاِسْتِمَاعُ وَاللِّسَانُ زِنَاہُ الْکَلَامُ وَالْیَدُ زِنَاھَا الْبَطْشُ وَالرِّجْلُ زِنَاھَا الْخُطٰی وَالْقَلْبُ یَھْوٰی وَیَتَمَنّٰی وَیُصَدِّقُ ذٰلِکَ الْفَرْجُ وَیُکَذِّبُہٗ۔

(مسلم عن ابی ہریرۃ کتاب البر والصلۃ)

"نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ـــــ آنکھوں کی زنا دیکھنا ہے، کانوں کی زنا سُننا ہے اور زبان کی زنا بات کرنا ہے اور ہاتھ کی زنا پکڑنا ہے اور پاؤں کی زنا چل کر جانا ہے دل (بدکاری کی) خواہش اور تمنّا کرتا ہے اس کے بعد شرمگاہیں اس منصوبہ کو عملی جامہ پہنا دیتی ہیں یا ترک کر دیتی ہیں۔

تشریح: "زنا" کے معنیٰ ہیں نکاح کے بغیر مرد کا کسی عورت سے جسمانی رابطہ قائم کرنا۔ لیکن مجازاً ان محرکات اور عوامل پر بھی زنا کا اطلاق ہوتا ہے جو "حقیقی زنا" کا باعث اور ذریعہ بن سکتے ہیں۔

ان عوامل میں نگاہ کا فتنہ سرِفہرست ہے حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے:

کُلُّ عَیْنٍ زَانِیَۃٌ۔ (ترمذی ابواب الاستیذان)

"ہر بُری آنکھ ـــــ چاہے مرد کی ہو یا عورت کی ـــــ زانی ہے"

کسی مرد یا عورت کو شہوت کی نگاہ سے دیکھنا آنکھوں کی زنا ہے کیونکہ آنکھیں نامحرم کے حُسن و شباب سے لطف و سرور حاصل کرتی ہیں فحش مناظر کو دلچسپی سے دیکھنا بھی آنکھوں کی زنا ہے۔

شہوانی جذبہ سے نامحرم کی باتوں کو غور سے سُننا اور بے حیائی کی باتوں اور فحش گانوں سے محظوظ ہونا کانوں کی زنا ہے۔

لگاوٹ کی باتیں کرنا زبان کی زنا ہے مطلب یہ ہے کہ نامحرم سے براہ راست یاکسی ذریعہ سے اس موضوع پر باتیں کرنا یا اسے رُومانی غزلیں اور اشعار سُنانا زبان کی زنا ہے۔

نامحرم کو پکڑنا یا چھُونا بلکہ اسے خط لکھنا اور اس کی طرف کنکری پھینکنا ہاتھ کی زنا ہے، اس مقصد کے لیے چلنا پاؤں کی زنا ہے چاہے آدمی پیدل چل کر جائے یا کسی سواری پر جائے، اس مقصد کو اپنے دل میں جگہ دینا اور اس کو عملی جامہ پہنانے کے منصوبے اور اسکیمیں تیار کرنا دل اور ذہن کی زنا ہے۔

غرضیکہ انسانی جسم کا ہر وہ حصّہ زانی ہے جو بُری نیت سے دوسری صنف کے جسم سے مَس کرتا ہے۔

مومن کا کردار یہ ہے کہ وہ بدکاری کے کسی سبب اور محرک کے بھی قریب نہیں پھٹکتا۔

رشحات

نگاہ کو قابو میں رکھنے کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ہدایات دی ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے:

نکاح کے بغیر مرد اور عورت کے صنفی تعلق کو زنا کہتے ہیں لیکن مجازاً اس بات اور عمل پر بھی زنا کا اطلاق ہوتا ہے جو اس کا سبب اور محرک ہو۔ اللہ تعالیٰ نے نہ صرف یہ کہ "زنا"، کو حرام کیا ہے، بلکہ ان تمام باتوں اور کاموں کو بھی ممنوع قرار دیا ہے جو زنا کے اسباب اور محرکات ہیں، ان میں سرفہرست نگاہ کا فتنہ ہے کسی مرد کے لیے نامحرم عورت کو بُری نگاہ سے دیکھنا جائز ہے اور نہ کسی عورت کے لیے نامحرم مرد کو بُری نگاہ سے دیکھنا جائز ہے، اگر کسی نامحرم پر اچانک نگاہ پڑ جائے تو فوراً نگاہ پھیر لینی چاہیے جو شخص کسی نامحرم پر نگاہ ڈالتا ہے وہ آنکھ کی زنا کا مرتکب ہونے کی بنا پر مجرم ہے۔

شوق اور ارادے سے کسی نامحرم کو بُری نگاہ سے دیکھتے رہنا آنکھ کی زنا ہے، بے حیائی کی باتوں اور فحش گانوں سے محظوظ ہونا کان کی زنا ہے، اس سے لگاوٹ کی باتیں کرنا زبان کی زنا ہے۔

اسے پکڑنا، چھونا، عشقیہ اشعار، غزلیں اور خطوط لکھنا ہاتھ کی زنا ہے۔ بُری نیت سے اس کے پاس چل کر جانا پاؤں کی زنا ہے، اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے اسکیم اور منصوبہ بنانا دل کی زنا ہے۔

باب دوم

(۵)

عُریانی و فحاشی

مردوں اور عورتوں کا ایک دوسرے کے مشابہ بننا

(۱۳۴) لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْمُتَشَبِّہِیْنَ مِنَ الرِّجَالِ بِالنِّسَآءِ وَ الْمُتَشَبِّہَاتِ مِنَ النِّسَآءِ بِالرِّجَالِ۔

(بخاری عن ابن عباس کتاب اللباس۔ ابوداؤد کتاب اللباس)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کی مشابہت اختیار کرنے والے مردوں اور مردوں کی مشابہت اختیار کرنے والی عورتوں پر لعنت کی ہے۔"

تشریح: شکل وصورت اور لباس و وضع میں نہ تو عورتوں کو مردوں کے مشابہ بننا چاہیے اور نہ مردوں کو عورتوں کی نقل اڑانی چاہیے۔ جو لباس اور زینت خواتین کے ساتھ مخصوص ہے مردوں کو اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ:

لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الرَّجُلَ یَلْبَسُ لِبْسَۃَ الْمَرْأَۃِ تَلْبَسُ لِبْسَۃَ الرَّجُلِ۔ (ابوداؤد کتاب اللباس)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت کی ہے اس مرد پر جو عورتوں کا سا لباس پہنے اور اس عورت پر جو مردوں کا سا لباس پہنے۔"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے عرض کیا گیا کہ ایک عورت مردوں کے سے جوتے پہنتی ہے۔ یہ سُن کر انھوں نے فرمایا:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان عورتوں پر لعنت کی ہے جو لباس میں مردوں کی نقل اُڑاتی ہیں۔" (ابوداؤد کتاب اللباس)

عُریانی سے پرہیز کرو

(۱۳۵) اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِیَّاکُمْ وَالتَّعَرِّیَ فَاِنَّ مَعَکُمْ مَنْ لَا یُفَارِقُکُمْ اِلَّا عِنْدَ الْغَائِطِ وَحِیْنَ یُفْضِی الرَّجُلُ اِلٰی اَھْلِہٖ فَاسْتَحْیُوْھُمْ

وَ اَکْرِمُوْ هُمْ۔ (ترمذی عن ابن عمر ابواب الاستیذان)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم عریانی سے پرہیز کرو۔ تمہارے ساتھ وہ ہیں جو تم سے جُدا نہیں ہوتے مگر صرف اس وقت جب تم قضاء حاجت کے لیے جاتے ہو یا اپنی بیویوں سے جسمانی رابطہ قائم کرتے ہو پس تم ان سے حیا کرو اور ان کا احترام کرو۔"

تشریح: کسی انسان کو عریاں ہونا جائز نہیں ہے اِلّا یہ کہ اسے کوئی شدید مجبوری لاحق ہو مثلاً: رفع حاجت کے وقت، بیوی کے پاس جانے کی حالت میں، یا علاج اور آپریشن کے دوران۔

اعمالنامہ لکھنے والے اور حفاظت کرنے والے فرشتے ہمیشہ اور ہر وقت انسان کے ساتھ ہوتے ہیں اور اس سے کبھی بھی جُدا نہیں ہوتے لیکن جب وہ ننگا ہوتا ہے تو یہ اس سے الگ ہو جاتے ہیں، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان کے ننگا ہونے سے انہیں بے حد تکلیف ہوتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے احترام کرنے کا حکم دیا ہے، ان کا احترام صرف اس صورت میں ملحوظ رہ سکتا ہے کہ انسان اپنی شرمگاہ کو مستور رکھے۔

بعض علمائے کرام کی رائے یہ ہے کہ اس حدیث میں صرف ان فرشتوں کا ذکر ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے انسان کو زمین اور آسمان کی آفتوں اور بلاؤں سے محفوظ کرنے کے لیے مقرر کر رکھا ہے۔

رہے وہ فرشتے، جو انسان کے قول اور عمل، سیرت و کردار اور اس کی ساری زندگی کو ریکارڈ پر لانے کا کام کرتے ہیں تو وہ کسی وقت اور کسی حال میں بھی انسان سے علیحدہ نہیں ہوتے رفع حاجت اور مباشرت کے وقت سارے جسم سے کپڑے اُتار پھینکنا غیر مہذب فعل ہے، اس مقصد کے لیے جسم کا صرف وہ حصّہ برہنہ کرنا چاہیے جو بالکل ناگزیر ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِذَا اَتٰی اَحَدُکُمْ اَھْلَہٗ فَلْیَسْتَتِرْ وَ لَا یَتَجَرَّدُ تَجَرُّدَ

الْعَيْرَيْنِ۔ (ابن ماجہ۔ ابواب النکاح)

"جب تم میں سے کوئی شخص اپنی بیوی کے پاس جائے تو ستر کو چھپائے اور ان دو گدھوں کی طرح سارا لباس نہ اُتار پھینکے جو مباشرت کے وقت بالکل ننگے ہوتے ہیں۔"

ستر کو چھپانا حیا کا تقاضا ہے

(۱۳۶) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِحْفَظْ عَوْرَتَكَ اِلَّا مِنْ زَوْجَتِكَ اَوْ مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَفَرَأَيْتَ اِذَا كَانَ الرَّجُلُ خَالِيًا ؟ قَالَ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ يُّسْتَحْيٰ مِنْهُ۔

(مشکوٰۃ عن معاویہ بن حیدہ کتاب النکاح بحوالہ ترمذی و ابوداؤد)

"رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: تو اپنی بیوی یا لونڈی کے سوا ہر ایک سے اپنے ستر کو محفوظ رکھ (اس حدیث کے راوی معاویہ بن حیدہ رضؓ کہتے ہیں) میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم جب آدمی بالکل تنہا ہو تو کیا وہ اپنا ستر کھول سکتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: پس اللہ تعالیٰ زیادہ حقدار ہے اس بات کا کہ اس سے شرم کی جائے۔"

تشریح: ا۔ عربی میں "عورۃ" کے معنیٰ ہیں جسم کا وہ حصہ جس کا کسی کے سامنے کھولنا یا دکھانا شرم اور عار کا باعث ہو۔ انسانی فطرت اس کے کھولنے اور دیکھنے میں شرم اور جھجک محسوس کرے۔ ہم نے اس کا ترجمہ "ستر" سے کیا ہے یعنی جسم کا وہ حصہ جس کا چھپانا ضروری ہے۔

۲۔ انسان کو خلوت میں بھی عریاں ہونے اور اپنا ستر کھولنے سے پرہیز کرنا چاہیے۔ بلاوجہ ستر کا کھولنا امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک حرام ہے اور دوسرے ائمہ کے نزدیک مکروہ ہے کسی شدید ضرورت کی بنا پر ستر کا کھولنا جائز ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مرد کے ستر کے حدود ناف کے نیچے سے گھٹنے تک ہیں۔

حضرت جرہد رضی اللہ عنہ ـــــ جو کہ اصحابِ صُفّہ میں سے تھے ـــــ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ان سے فرمایا:

اَمَا عَلِمْتَ اَنَّ الْفَخِذَ عَوْرَۃٌ۔ (ابو داؤد کتاب الحمام)

"کیا تم جانتے نہیں کہ ران ستر ہے"

آپ (صلّی اللہ علیہ وسلّم) نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

لَا تَکْشِفْ فَخِذَكَ وَلَا تَنْظُرْ اِلٰی فَخِذِ حَیٍّ وَلَا مَیِّتٍ۔

(ابو داؤد کتاب الحمام - ابن ماجہ)

"تم اپنی ران نہ کھولو اور کسی زندہ اور مُردہ کی ران پر نگاہ نہ ڈالو"

ناف ستر نہیں ہے۔ گھٹنے کے ستر ہونے میں اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اس کو ستر قرار دیتے ہیں لیکن باقی تینوں ائمہ کے نزدیک یہ ستر کے حدود میں شامل نہیں ہے۔ بلکہ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک تو ران بھی ستر نہیں ہے۔ اس اختلاف کا نتیجہ یہ نکلا کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ایسا لباس پہننا جائز نہیں ہے جو گھٹنے سے اوپر ہو یا جس سے ران کا کچھ حصّہ کھلا ہوا ہو۔ اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک وہ کچّھا اور نیکر بھی جائز ہے جو نصف ران تک ہو۔ ہمارے نزدیک امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی رائے محتاط ہونے کی وجہ سے قابلِ ترجیح ہے۔

۴ ـــ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ تم اپنی بیوی اور لونڈی کے سوا نہ تو کسی سے مباشرت کر سکتے ہو اور نہ ان کے سوا کسی اور کے سامنے اپنا ستر کھول سکتے ہو، شوہر، بیوی سے مباشرت کر سکتا ہے اور وہ دونوں ایک دوسرے کا ستر دیکھ سکتے ہیں۔

مالک اپنی لونڈی سے جسمانی رابطہ قائم کر سکتا ہے اور وہ دونوں ایک دوسرے کا ستر بھی دیکھ سکتے ہیں۔

جنگی قیدیوں کو غلام لونڈی بنانے کا دستور قدیم زمانے سے چلا آرہا ہے۔ حضور صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے عہد میں بھی یہ طریقہ رائج تھا۔ جنگ میں گرفتار ہو کر آنے والی عورتوں کے بارے میں اسلامی حکومت حسبِ ذیل صورتوں میں سے کوئی ایک

صورت اختیار کر سکتی ہے :

۱۔ ان سے فدیہ لے کر یا

۲۔ ان پر احسان کر کے ان کو رہا کر دے۔

۳۔ ان کا تبادلہ ان مسلمان قیدیوں سے کرے جو دشمن کے قبضہ میں ہوں۔

۴۔ ان صورتوں میں سے اگر کسی صورت کو بھی اختیار کرنا حکمتِ عملی کے خلاف ہو تو انہیں فوجی سپاہیوں میں تقسیم کر دے۔

حکومت گرفتار ہو کر آنے والی جس عورت کو جس آدمی کے حوالہ کرے وہ اس کا مالک ہے اور نکاح کے بغیر اس سے جسمانی رابطہ قائم کر سکتا ہے اِلّا یہ کہ وہ اس کا نکاح کسی اور آدمی سے کر دے۔ اس صورت میں مالک تمام کاموں میں اس کی خدمات سے استفادہ کر سکتا ہے لیکن اس سے مباشرت نہیں کر سکتا۔ مطلب یہ ہے کہ لونڈیوں کا اطلاق صرف ان عورتوں پر ہوتا ہے جو جنگ میں گرفتار ہو کر آئیں اور حکومت انہیں لوگوں میں تقسیم کر دے۔ ہمارے عہد میں اس کا کوئی وجود نہیں ہے۔ غلامی کے مسئلہ پر علمائے کرام نے بڑی مفید اور وقیع تحقیق کی ہے۔ مغربی قوموں نے اس مسئلہ میں اسلام کو بہت زیادہ مطعون کرنے کی کوشش کی ہے حالانکہ اس ترقی یافتہ دَور میں بھی ان دانایانِ فرنگ نے کروڑوں انسانوں کو اپنی غلامی کی زنجیر میں جکڑ بند کرنے کی مشق کی ہے ـــــــ

ہمارے معاشرے میں جو اخلاقی خرابیاں ملّت کی کشتی کو ڈانواڈول کر رہی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے :

کہ بردہ فروش اور خرکار لڑکیوں کو اغوا کر کے کسی کے پاس فروخت کرتے ہیں اور وہ شخص اسے لونڈی کی حیثیت سے اپنے پاس رکھتا ہے اور نکاح کے بغیر اس سے جسمانی رابطہ قائم کرتا ہے۔

ایک آزاد لڑکی کی خرید و فروخت میں حصّہ لینے کی وجہ سے دونوں آدمی سخت گناہ گار ہیں، اس کے علاوہ بردہ فروش نے اسے بیچ کر جو قیمت وصول کی ہے وہ

خالص مالِ حرام ہے اور دوسرا آدمی علانیہ بدکاری کا مجرم ہے۔ شریعت میں آزاد عورت کی خرید و فروخت ناجائز ہے۔ جس شخص نے کسی لڑکی کو خرید کر اس سے نکاح کیا ہے اگرچہ اس کا نکاح جائز ہے لیکن اس نے ایک آزاد لڑکی کو خریدنے کا گناہ کیا ہے۔ شوہر اور اس کے خاندان کی نگاہ میں وہ لڑکی بیوی کی طرح قابلِ احترام نہیں ہوتی بلکہ اس بے نوا لڑکی کے ساتھ خریدے ہوئے جانور کا سا برتاؤ کیا جاتا ہے۔

ہمارے ملک کے بعض خاندان اور قبیلے رسوم و خرافات میں ایسے جکڑے ہوتے ہیں کہ ان میں سے کوئی شخص بھی کسی لڑکی کے ساتھ شادی نہیں کر سکتا جب تک کہ وہ اس کے والدین کو اس کی منہ مانگی قیمت نہ ادا کرے چاہے وہ لڑکی اس کی چچازاد اور خالہ زاد ہو۔ اسلام میں اس طرح کی شادی کا کوئی تصوّر نہیں ہے۔ آزاد عورت کی اس خرید و فروخت پر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی عدالت میں نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کی طرف سے مقدمہ دائر ہوگا اور اس جُرم میں ملوّث افراد کو سزا ملے گی۔

کوئی شخص کسی کے ستر پر نگاہ نہ ڈالے

(۱۳۷) اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا یَنْظُرُ الرَّجُلُ اِلٰی عَوْرَۃِ الرَّجُلِ، وَلَا الْمَرْأَۃُ اِلٰی عَوْرَۃِ الْمَرْأَۃِ وَلَا یُفْضِی الرَّجُلُ اِلَی الرَّجُلِ فِیْ ثَوْبٍ وَّاحِدٍ وَلَا تُفْضِی الْمَرْأَۃُ اِلَی الْمَرْأَۃِ فِی الثَّوْبِ الْوَاحِدِ۔

(مسلم عن ابی سعید الخدری کتاب الحیض)

"رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: کوئی مرد کسی مرد کے ستر کو نہ دیکھے اور کوئی عورت کسی عورت کے ستر کو نہ دیکھے۔ دو مرد ننگے ہو کر ایک بستر میں نہ لیٹیں اور دو عورتوں کو ننگی ہو کر ایک بستر میں نہ لیٹنا چاہیے۔"

تشریح: ۱۔ ستر کا چُھپانا تمدّن کا قدیم اور متفق علیہ اصول رہا ہے۔ اجتماعی زندگی میں اسے بنیادی اور مسلمہ قانون کی حیثیت حاصل ہے۔

۲ — مرد کے لیے مرد کا ستر اور عورت کے لیے عورت کا ستر ناف اور گھٹنوں کے درمیان کا حصّہ ہے۔

۳ — مرد کے لیے عورت کا ستر اس کا سارا بدن ہے سوائے اس کے چہرے اور ہاتھوں کے۔

۴ — کوئی شخص —— چاہے وہ عورت ہو یا مرد —— کسی دوسرے —— چاہے وہ عورت ہو یا مرد —— کے ستر پر نگاہ نہ ڈالے اِلاّ یہ کہ وہ دونوں میاں بیوی ہوں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ستر کو دیکھنے سے شہوت رانی کے جذبات بھڑک اُٹھتے ہیں۔

مثلاً: اگر دو مرد ایک دوسرے کا ستر دیکھیں یا برہنہ ہو کر ایک پلنگ پر لیٹ جائیں تو وہ عملِ قومِ لوط کے فتنہ میں مبتلا ہو سکتے ہیں۔

اسی طرح اگر دو عورتیں ایک دوسرے کے ستر پر نگاہ ڈالیں یا ننگی ہو کر ایک بستر میں لیٹ جائیں تو وہ ایک دوسرے کے عشق میں مبتلا ہو کر ہمجنسی کے گناہ میں مبتلا ہو سکتی ہیں۔

۵ — امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اجنبی عورت کے بدن کے کسی حصّہ پر مرد کا نگاہ ڈالنا یا عورت کا اجنبی مرد کو دیکھنا حرام ہے چاہے شہوت کے ساتھ ہو یا بغیر شہوت کے۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر شہوت کے ساتھ ہو تو حرام ہے اور بغیر شہوت کے نگاہ ڈالنا مکروہ ہے۔

اجنبی مرد کے لیے عورت کا سارا بدن ستر ہے، البتہ ضرورت کی بنا پر وہ اس کے چہرے اور ہاتھوں کو دیکھ سکتا ہے۔

۶ — امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک خوبصورت بے ریش لڑکے پر نگاہ ڈالنا بھی حرام ہے چاہے شہوت کے ساتھ ہو یا بغیر شہوت کے۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ اس کو صرف شہوت کی نگاہ سے دیکھنا حرام ہے۔

۷ ۔ شوہر اور بیوی کا ایک دوسرے کی شرمگاہ کو دیکھنا حرام نہیں ہے لیکن مکروہ ہے۔ اگر وہ ایک دوسرے کی شرمگاہ پر نگاہ نہ ڈالیں تو حرج ہی کیا ہے۔

غیر عورت کے حسن کی تعریف کرنا فتنہ ہے

(۱۳۸) قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تُبَاشِرُ الْمَرْأَۃُ الْمَرْأَۃَ فَتَنْعَتُھَا لِزَوْجِھَا کَاَنَّہٗ یَنْظُرُ اِلَیْھَا۔

(بخاری عن ابن مسعود کتاب النکاح۔ ابو داؤد کتاب النکاح)

"نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: یہ جائز نہیں ہے کہ کوئی عورت کسی عورت سے "مباشرت" کرے اور پھر اپنے شوہر کو (ایسے انداز سے) اس کے حسن و جمال کا تعارف کرائے گویا کہ وہ اسے دیکھ رہا ہے"

تشریح: "مباشرت" کے معنیٰ ہیں دو آدمیوں کا ایک دوسرے کے بدن کو مس کرنا بغیر اس کے کہ ان کے درمیان کوئی کپڑا حائل ہو۔ اور یہ لفظ جماع کرنے کے معنیٰ میں بھی آتا ہے۔

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو عورت کسی خوبصورت عورت پر نگاہ ڈالتی ہے اور اس کے بدن کو اپنے ہاتھ سے ٹٹول ٹٹول کر اس کے حسن کا جائزہ لیتی ہے اور پھر اس کے حسن و جمال اور اعضاء کی خوبصورتی اور لطافت اور اس کے جسم کی نزاکت کی اپنے شوہر کے سامنے تصویر کھینچتی ہے وہ مجرم اور بہت بڑی فتنہ پرداز ہے کیونکہ اس کا شوہر اس رودادِ حسن کو سن کر ایک غیر عورت کے عشق میں مبتلا ہو سکتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اس غیر عورت کو اپنے گھر لا ڈالنے کی خاطر کئی قسم کی بے ہودگیوں اور بے حیائیوں کا ارتکاب کر بیٹھے اور اپنی بیوی کو بھی طلاق دے دے۔ اگر وہ اس میں کامیاب نہ ہو تو چوری چھپے اس غیر عورت کو بہکانے اور اس سے ناجائز تعلق قائم کرنے کی کوشش کرے۔

بعض نادان خواتین دوسری عورتوں کے سراپا کی نقشہ کشی کر کے اپنے شوہر اور عزیزوں کو غلط راہ پر ڈالنے کا باعث بنتی ہیں اس لیے حضور صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم

نے خواتین کو اس اخلاقی گراوٹ سے بڑی سختی سے روکا ہے۔ اس سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ شوہر اپنی بیوی کے سامنے کسی غیر مرد کی جسمانی قوت اور خوبصورتی کی تعریف نہ کرے۔

بے حیا عورت

(۱۳۹) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَا مِنِ امْرَأَةٍ تَضَعُ ثِيَابَهَا فِيْ غَيْرِ بَيْتِ زَوْجِهَا اِلَّا هَتَكَتِ السِّتْرَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ رَبِّهَا۔

(ترمذی کتاب الآداب باب ماجاء فی دخول الحمام ابوداؤد کتاب الحمام)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا ہے جو عورت اپنے شوہر کے گھر کے سوا کسی اور جگہ اپنے کپڑے اُتارتی ہے وہ حیا کے اس پردے کو چاک کرتی ہے جو اس کے اور اس کے رب کے درمیان ہے۔"

تشریح: اس عورت کے بے شرم ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے جو کسی دوسری عورت یا شوہر کے سوا کسی اور مرد کے سامنے بالکل عُریاں ہو جاتی ہے غسل خانے یا نہانے کے تالاب میں دو یا دو سے زیادہ عورتوں کا برہنہ ہو کر غسل کرنا گُناہ ہے۔

مردوں اور عورتوں کا برہنہ ہو کر یا نیم عُریاں لباس پہن کر غسل کرنا بھی سخت گُناہ ہے۔

جو عورت کلب میں برہنہ ہو کر یا نیم عُریاں لباس پہن کر جاتی ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ایسی بے حیا اور فحاشی پسند کو لوگوں کے سامنے رُسوا کرے گا اور اسے سزا دے گا۔

ناز و ادا سے چلنے والی عورت

(۱۴۰) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَثَلُ الرَّافِلَةِ فِي الزِّيْنَةِ فِيْ غَيْرِ اَهْلِهَا كَمَثَلِ ظُلْمَةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَا نُوْرَ لَهَا۔

(ترمذی عن میمونہ بنت سعد ابواب الرضاع)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو عورت بن ٹھن کر دوسرے مردوں میں ناز و نخرے سے چل رہی ہے اس کی مثال قیامت کے دن کی تاریکی ہے جس کے لیے کوئی روشنی نہیں۔"

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جو عورت بن ٹھن کر سڑکوں اور بازاروں میں ناز و ادا سے چلتی ہے اور لوگوں کو دعوتِ نظارہ دیتی پھرتی ہے وہ قیامت کے دن ایک ایسی تاریکی کی شکل میں نمودار ہوگی جس میں روشنی کی ایک کرن بھی نہ ہوگی۔

مصنوعی بال کا چوٹا

(۱۴۱) اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَعَنَ الْوَاصِلَۃَ وَالْمُسْتَوْصِلَۃَ وَالْوَاشِمَۃَ وَالْمُسْتَوْشِمَۃَ۔

(مسلم عن ابن عمر کتاب اللباس۔ ترمذی ابواب الآداب۔ ابو داؤد کتاب الترجل)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت کی ہے مصنوعی بال لگانے والی اور لگوانے والی اور گودنے والی اور گودوانے والی پر۔"

تشریح: اصلی یا مصنوعی بالوں کا چوٹا لے کر کسی عورت کی چوٹی میں شامل کرنا سخت گناہ ہے، البتہ اُون، ریشم یا کسی دوسرے جنس کا پراندہ استعمال کرنا جائز ہے۔ ان خواتین اور مردوں پر بھی اللہ کی لعنت ہے جو حسن کی افزائش کے لیے اپنے ہاتھ، گردن بازو یا کلائی اور چہرہ پر گود کر نیل وغیرہ رنگ بھرتے یا بھرواتے ہیں، اگر طبیب کسی جلدی مرض کا علاج گودنا تجویز کردے تو جائز ہے۔

فیشن ایبل عورت

(۱۴۲) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نِسَآءٌ کَاسِیَاتٌ عَارِیَاتٌ مُمِیْلَاتٌ مَائِلَاتٌ رُءُوْسُھُنَّ کَاَسْنِمَۃِ الْبُخْتِ الْمَائِلَۃِ لَا یَدْخُلْنَ الْجَنَّۃَ وَلَا یَجِدْنَ رِیْحَھَا۔

(مسلم عن ابی ہریرۃ کتاب اللباس کتاب التوبہ)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو عورتیں کپڑے پہن کر بھی ننگی رہتی ہیں،

لوگوں کو اپنی طرف متوجّہ کرتی ہیں اور مردوں کی طرف متوجہ رہتی ہیں، ان کے سر بُختی اونٹ کے ٹیڑھے کوہان کی طرح ہیں، وہ نہ تو جنّت میں جائیں گی اور نہ اس کی خوشبو پائیں گی۔"

تشریح: حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ان بے لگام عورتوں کی نشانیاں بتائی ہیں جو دوزخ کا ایندھن بنیں گی:

(۱) کَاسِیَاتٌ عَارِیَاتٌ

"وہ کپڑے پہن کر بھی ننگی رہتی ہیں"

اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ستر چھپانے کے لیے کپڑے نہیں پہنتیں، بلکہ وہ ایسا باریک یا چست لباس پہنتی ہیں جس سے ان کے حسن و جمال کی چمک دمک نمایاں ہو اور ان کے بدن کی جھلکیاں دیکھنے والوں کو مقناطیس کی طرح کھینچ لیں۔ ظاہر بات ہے کہ جو عورت ایسا لباس پہنے جس سے اس کا سارا بدن عُریاں یا نیم عُریاں ہو جائے وہ فی الواقع ننگی ہے۔

حضور صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے ایسی عورتوں کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے کہ:

رُبَّ کَاسِیَۃٍ فِی الدُّنْیَا عَارِیَۃٌ فِی الْاٰخِرَۃِ۔

(بخاری عن ام سلمۃ کتاب اللباس وکتاب الفتن)

"بہت سی عورتیں ایسی ہیں جو دُنیا میں کپڑے پہنتی ہیں آخرت میں ننگی ہوں گی۔"

اس کا مفہوم یہ ہے کہ باریک یا نیم عریاں لباس پہننے والی عورتوں کو قیامت کے دن ذلیل اور رُسوا کیا جائے گا اور ان کو بہت سخت سزا ملے گی۔

(۲) مُمِیْلَاتٌ

"لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرتی ہیں۔"

اپنے حُسن و جمال اور زینت و آرائش کی نمائش کر کے وہ لوگوں کو اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔

اس لفظ کا دوسرا ترجمہ یہ ہے، کہ وہ دوسری عورتوں کو بُری راہ پر ڈالتی ہیں۔" مطلب یہ ہے کہ وہ دوسری عورتوں کو فسق و فجور کا خوگر بناتی ہیں اور ان میں بے حیائی اور فحاشی پھیلاتی رہتی ہیں۔

(۳) مَائِلَاتٌ

"وہ مردوں کی طرف متوجہ رہتی ہیں۔"

مطلب یہ ہے کہ ذوّاقہ ہونے کی وجہ سے وہ نامحرموں کی تاک میں رہتی ہیں، اس لفظ کا دوسرا ترجمہ یہ ہے کہ "وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے رُوگردانی کرتی رہتی ہیں۔"

اس کا مفہوم یہ ہے کہ گناہ پسند ہونے کی وجہ سے وہ بڑی بے شرم اور آوازہ مزاج ہوتی ہیں۔

(۴) رُؤُسُهُنَّ كَاَسْنِمَةِ الْبُخْتِ الْمَائِلَةِ۔

"ان کے سر بختی اونٹ کے ٹیڑھے کوہان کی طرح ہیں۔"

اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ نسوانی حیا کے جذبہ سے عاری ہو جاتی ہیں، آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر مردوں کو گھورتی رہتی ہیں اور ان کی گردنیں ناز سے ایک طرف کو جھکی ہوئی ہوتی ہیں۔

عُریانی پسند صاحبزادیوں کی نگاہ میں پاکدامنی اور شرم، دقیانوسی نظام کا وہم ہے اس لیے وہ بے حیائی، بدکاری اور عیّاشی کے مشغلوں کو پسند کرتی ہیں، بلکہ "ترقی اور ثقافت" کے اس مشن کو وہ سادہ لوح خواتین میں رواج دینے کی کوشش کرتی ہیں تاکہ "آزادی"، کی اس نعمت سے حوّا کی کوئی بیٹی محروم نہ رہے۔

بڑے رنج اور افسوس کے ساتھ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ ہماری خواتین چُست اور باریک لباس پہننے میں کسی بگڑی ہوئی قوم سے پیچھے نہیں ہیں۔ مسلمان عورت کو ایسا باریک لباس نہ پہننا چاہیے جس سے اس کے بدن کا رنگ صاف طور پر نظر آئے۔ ایسے باریک کپڑے کا دوپٹہ اوڑھنا بھی جائز نہیں ہے جس کے نیچے سے سر کے بال نظر آ رہے ہوں۔

حضرت حفصہؓ اپنی پھوپھی اُمُّ المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں جب باریک دوپٹہ اوڑھے ہوئے حاضر ہوئیں تو انہوں نے اس دوپٹہ کو چاک کر کے اسے موٹا دوپٹہ اوڑھنے کے لیے دیا۔ (مؤطا امام مالک)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: اللہ تعالیٰ پہلی مُہاجر خواتین پر رحم فرمائے جب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت:

وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ۔ (سورۃ النور)

"اور اپنے سینوں پر اپنی اوڑھنیوں کے آنچل ڈالے رہیں۔"

نازل فرمائی تو انہوں نے اپنی موٹی چادروں کو پھاڑ کر دوپٹے بنائے اور اوڑھ لیے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے انصار کی عورتوں کی بھی تعریف کی اور فرمایا کہ جب سورۃ النّور کی مندرجہ بالا آیت نازل ہوئی تو انہوں نے اپنے کمر پٹے پھاڑ کر ان کی اوڑھنیاں بنالیں۔ (ابوداؤد کتاب اللباس)

رشحات

جاہلیت ـــــ چاہے قدیمہ ہو یا جدیدہ ـــــ ایک ایسی تہذیب کی علمبردار ہے جس میں بے حیائی، فیشن کی حیثیت سے فروغ پاتی ہے اور بدکاری و بے راہ روی نہ صرف یہ کہ معیوب نہیں ہوتی، بلکہ اس کے خلاف بلند ہونے والی آواز کو رجعت پسندی کی علامت قرار دیا جاتا ہے، حالانکہ شرم وحیا ایمان کا اہم شعبہ ہے اور اسلام میں بے حیائی اور بے شرمی کے کاموں کی اجازت ہے اور نہ گنجائش ہے۔ اس سلسلہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے اُمّت کو جو "اصولی تعلیمات" پہنچی ہیں اس کے اہم نکات یہ ہیں:

(۱) لباس اور وضع میں عورتوں اور مردوں کو ایک دوسرے کی مشابہت اختیار کرنا جائز نہیں ہے۔

(۲) عریاں ہونا جائز نہیں ہے اِلاّ یہ کہ آدمی رفعِ حاجت کے لیے جائے یا بیوی کے پاس جائے، اس صورت میں بھی آدمی کو صرف ضرورت کی حد تک عریاں ہونے کی اجازت ہے، ضرورت سے زیادہ یا بغیر کسی وجہ کے عریاں ہونا ممنوع ہے۔

(۳) جسم کے جس حصّہ کا کھولنا یا دکھانا باعثِ شرم وعار ہو وہ "ستر" ہے، جَلوت اور خَلوت میں ستر کھولنا جائز نہیں ہے۔

مرد کے لیے مرد کا ستر اور عورت کے لیے عورت کا ستر، ناف اور گھٹنوں کے درمیان کا حصّہ ہے۔ مرد کے لیے عورت کا ستر اس کا سارا بدن ہے سوائے اس کے چہرے اور ہاتھوں کے۔

کوئی شخص ـــــ چاہے وہ مرد ہو یا عورت ـــــ کسی دوسرے مرد یا عورت کے ستر پر نگاہ نہ ڈالے اِلاّ یہ کہ وہ دونوں میاں بیوی ہوں۔

(۴) دو مرد عریاں ہو کر، یا دو عورتیں ننگی ہو کر ایک بستر میں نہ لیٹیں۔

(۵) مغویہ لڑکیوں کی خرید و فروخت حرام ہے، جو شخص کسی مغویہ لڑکی کو خرید کر لونڈی کی

حیثیت سے اسے اپنے پاس رکھتا ہے اور اس سے صنفی تعلق قائم کرتا ہے وہ زانی ہے۔
جو شخص کسی لڑکی کو خرید کر اس سے نکاح کرتا ہے وہ سخت گنہ گار ہے کیونکہ اس نے ایک آزاد لڑکی کو خریدنے کا جرم کیا ہے۔
ہمارے معاشرے میں بعض لوگ، کسی لڑکی سے شادی کرنے کا تصوّر بھی نہیں کر سکتے جب تک وہ اس کے والدین یا سرپرست کو اس کی منہ مانگی قیمت ادا نہ کر دیں، اسلام کی معاشرت اس بے ہودہ خرافات کا تصوّر بھی نہیں کر سکتی کجا کہ وہ اس کی اجازت دے۔

(۶) عورت کا اجنبی مرد پر اور مرد کا نامحرم عورت پر بری نیت سے نگاہ ڈالنا حرام ہے۔
(۷) شوہر کے سامنے غیر عورت کے حسن و جمال کی تعریف کرنا فتنہ سے خالی نہیں ہے۔
(۸) جو عورت اپنے شوہر کے گھر کے سوا کسی اور جگہ اپنا لباس اُتار کر رکھ دیتی ہے وہ بہت بے حیا ہے۔
(۹) مردوں کا برہنہ ہوکر یا عورتوں کا عریاں ہوکر یا مردوں اور عورتوں کا برہنہ ہوکر ایک جگہ غسل کرنا حرام ہے۔
(۱۰) بن ٹھن کر مردوں کا دل لُبھانے والی اور ناز و نخرے سے چلنے والی عورت قیامت کے دن سراپا تاریکی کی شکل میں نمودار ہوگی۔
(۱۱) فیشن کی دلدادہ، مصنوعی بال لگانے والی اور لگوانے والی عورت خدا کے رسول کی زبان میں ملعون ہے۔
(۱۲) چُست یا نیم عریاں یا باریک لباس پہننے والی عورتوں کے لیے قیامت کے دن جنّت میں کوئی جگہ نہیں ہے۔ اسی طرح جو عورتیں اپنے حسن و جمال کی نمائش کر کے لوگوں کو اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کرتی ہیں اور نامحرموں کی تاک میں رہتی ہیں اور غیر مردوں کو گھورتی رہتی ہیں وہ جنّت میں نہ جائیں گی۔ مسلمان عورت کو چُست اور باریک لباس پہننے سے اجتناب کرنا چاہیے یہاں تک کہ وہ سر پر ایسا دوپٹہ بھی نہ اوڑھے جس کے نیچے سے اس کے سر کے بال نظر آرہے ہوں۔

باب دوم

(۶)

زنا اور اِغوا

زنا حرام ہے

(۱۴۳) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا اَحَدَ اَغْیَرُ مِنَ اللّٰہِ وَلِذَالِکَ حَرَّمَ الْفَوَاحِشَ مَاظَھَرَ مِنْھَا وَمَا بَطَنَ وَلَا اَحَدَ اَحَبُّ اِلَیْہِ الْمَدْحُ مِنَ اللّٰہِ وَلِذَالِکَ مَدَحَ نَفْسَہٗ۔

(مسلم عن ابن مسعود کتاب التوبۃ۔ بخاری کتاب التفسیر)

"رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: اللہ سے زیادہ کوئی غیرت کھانے والا نہیں ہے، اس بنا پر اُس نے بے حیائی کی باتوں کو حرام کیا ہے چاہے وہ کھلی ہوں یا چھپی۔ اور اللہ کے سوا کوئی ایسا نہیں ہے جس کو اپنی تعریف سب سے زیادہ پسند ہو، اِس بنا پر اُس نے اپنی تعریف کی ہے۔"

تشریح: "اللہ تعالیٰ کے غیرت کھانے" کا مطلب یہ ہے کہ اُس نے بے حیائی کی باتوں کو حرام قرار دیا ہے اور اپنے بندوں کو اس سے روکا ہے۔ بے حیائی کی باتوں (فواحش) کا اطلاق اگرچہ:

۱۔ زبان درازی
۲۔ طعن و تشنیع
۳۔ عُریانی
۴۔ عملِ قومِ لوط
۵۔ سوتیلی ماں سے نکاح کرنے
۶۔ بدکاری کے جھوٹے الزام پھیلانے
۷۔ بُخل اور کنجوسی

پر ہوتا ہے لیکن یہ زیادہ تر "زنا" کے مفہوم میں مستعمل ہے جو شخص علانیہ بدکاری کرتا ہے یا چھُپ کر زنا کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی غیرت کو چیلنج کرتا ہے، اس کے علاوہ جو شخص ان بُرائیوں کا ارتکاب کرتا ہے جو "فواحش" کی تعریف میں آتی ہیں وہ ربِّ ذوالجلال

کی غیرت کو للکارتا ہے اور اپنے آپ کو اس سزا کا مستحق بناتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے ایسے بے ہودہ مجرم کے لیے تیار کر رکھی ہیں۔

"بے حیائی کی کھلی باتوں" سے مراد وہ گناہ ہیں جو علانیہ کیے جائیں اور "بے حیائی کی چھپی باتوں" کا اطلاق صرف ان گناہوں پر ہوتا ہے جو چھپ کر کیے جائیں اور لوگوں کے علم میں نہ آسکیں۔

یہ بات ذہن میں رہے کہ اللہ تعالیٰ کی غیرت صرف بے حیائی کی باتوں سے روکنے تک محدود نہیں ہے، بلکہ اس کا اطلاق ہر اس بات یا کام پر ہوتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

غَیْرَۃُ اللہِ اَنْ یَّأْتِیَ الْمُؤْمِنُ مَا حَرَّمَ اللہُ۔

(بخاری کتاب النکاح۔ مسلم کتاب التوبۃ)

"اللہ تعالیٰ کی غیرت یہ ہے کہ مومن اس چیز کے قریب نہ پھٹکے جسے اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے۔"

اللہ تعالیٰ اس بات کو زیادہ پسند کرتا ہے کہ بندے اس کی تعریف کریں۔

"بندے اللہ تعالیٰ کی تعریف کریں" کے معنیٰ یہ ہیں کہ وہ اس کی اطاعت کریں اور اس کی طرف ان باتوں کو منسوب نہ کریں جو اس کی شانِ اُلوہیت کے منافی ہوں، بلکہ ایسی بُری باتوں سے اس کو پاک قرار دیں، اس کی بے شمار نعمتوں کا اعتراف کریں اور شکر کریں۔

اللہ تعالیٰ اپنی نگاہِ کرم سے ان بندوں کو محروم نہیں کرتا جو اس کی تعریف کرتے ہیں، بلکہ انہیں بہترین جزا دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کو بدکاری سے سخت نفرت ہے

(۱۴۳) قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنْ مِنْ اَحَدٍ اَغْیَرُ مِنَ اللہِ اَنْ یَزْنِیَ عَبْدُہٗ اَوْ تَزْنِیَ اَمَتُہٗ۔

(مسلم عن عائشۃ کتاب الکسوف۔ بخاری ابواب الکسوف)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کی اُمّت! اللہ سے زیادہ کوئی غیوّر نہیں ہے اس بات پر کہ اس کا بندہ یا لونڈی زنا کرے۔"

تشریح: زنا سے روکنے والا اور اس سے نفرت کرنے والا اللہ سے زیادہ کوئی نہیں ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی مرد یا عورت کے زنا میں مبتلا ہونے کو اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ نفرت اور بُغض کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور اس پر سنگین سزا دے گا۔

زنا کرنے کے معنی یہ ہیں کہ اس کی شدید نفرت کو للکارا جائے۔

بدکاری سے حاملہ عورت

(۱۴۵) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّهٗ سَمِعَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ لَمَّا نَزَلَتْ اٰیَةُ الْمُلَاعَنَةِ اَیُّمَا امْرَأَةٍ اَدْخَلَتْ عَلٰی قَوْمٍ مَنْ لَیْسَ مِنْهُمْ فَلَیْسَتْ مِنَ اللّٰهِ فِیْ شَیْءٍ وَ لَنْ یُّدْخِلَهَا اللّٰهُ جَنَّتَهٗ۔

وَاَیُّمَا رَجُلٍ جَحَدَ وَلَدَهٗ وَهُوَ یَنْظُرُ اِلَیْهِ اِحْتَجَبَ اللّٰهُ مِنْهُ وَفَضَحَهٗ عَلٰی رُءُوْسِ الْخَلَائِقِ فِی الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ۔

(مشکوٰۃ کتاب النکاح باب اللعان)

"آیت لعان (سورۃ النور ۶) کے نزول کے وقت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کو فرماتے سُنا:

(۱) جو عورت ناجائز بچے کو اپنے خاندان میں داخل کرے (بدکاری کے حمل کو شوہر کے کھاتے میں ڈالے) اللہ کے دین سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے اللہ تعالیٰ اسے کبھی بھی اپنی جنّت میں داخل نہ کرے گا۔"

(۲) جو شخص اپنے بیٹے کے نسب سے انکار کردے حالانکہ وہ اسے دیکھ رہا ہے (اور اچھی طرح جانتا ہے کہ یہ اس کے نطفہ سے ہے۔) اللہ اُسے اپنی رحمت سے دُور کردے گا اور (قیامت کے دن) اسے ساری مخلوق کی آنکھوں

کے سامنے ذلیل اور رُسوا کرے گا۔"

تشریح: ا۔۔۔ بدکاری کے حمل کو اپنے شوہر کے کھاتہ میں ڈالنے والی عورت دین سے بہت دُور ہو جاتی ہے اور اللہ کی نگاہ رحمت سے بھی محروم ہوتی ہے، اس بنا پر کہ:

الف۔ اس نے زنا جیسا بڑا گناہ کیا اور

ب۔ ناجائز حمل کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے بچّے کو ایک ایسے شخص کا بیٹا باور کرایا جو فی الواقع اس کا باپ نہیں ہے، اگرچہ قانون کی نگاہ میں یہ بچّہ اپنے اس غیر حقیقی والد کا بیٹا قرار پائے گا، اس کی تعلیم و تربیت اور ضروریاتِ زندگی کی کفالت کا بوجھ اس کے غیر حقیقی باپ پر ہوگا، اور اس کی وفات کے بعد اس کے ترکہ کا وارث بھی قرار پائے گا، اسی طرح وہ شخص بھی حضور صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی بتائی ہوئی سزا کا مستحق ہو سکتا ہے جس کی بے حیائی کے باعث کسی دوسرے شخص کی بیوی حاملہ ہو کر بچّہ جنتی ہے۔ یہ ایک ایسے بچّے کی پیدائش کا سبب بنا ہے جس کی کوئی ذمّہ داری اس پر نہیں ہے۔

۲۔۔۔ حقیقت یہ ہے کہ ایک بے رحم اور سنگدل آدمی ہی اپنے بیٹے کے نسب سے انکار کر سکتا ہے، اس سے لازم آتا ہے کہ وہ اپنے لڑکے کے ان تمام حقوق کے ادا کرنے سے انکار کر دے جو باپ ہونے کی حیثیت سے اس پر عائد ہوتے ہیں۔

اس گناہ کی سزا یہ ہے اور ہونی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس باپ کو اپنی رحمت اور مہربانی سے محروم کر دے گا جیسا کہ اس نے دُنیا میں اپنے بیٹے کو اپنی شفقت اور محبّت سے محروم کر رکھا تھا اور حشر کے میدان میں اگلے پچھلے سب لوگوں کے سامنے اسے رُسوا اور ذلیل کرے گا جیسا کہ اس نے اپنے بیٹے کے نسب سے انکار کر کے اپنے عہد کے لوگوں کے سامنے ماں، بیٹے کو رُسوا اور بدنام کیا تھا کیونکہ اس کی غلط روش کی وجہ سے عام لوگ اس کی بیوی کو بدچلن اور اس کے بیٹے کو حرامی سمجھتے تھے۔

بوڑھا زانی

(۱۴۶) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ثَلٰثَۃٌ لَا یُکَلِّمُھُمُ

اللّٰہُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ وَلَا یُزَکِّیْھِمْ وَلَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ
شَیْخٌ زَانٍ وَمَلِکٌ کَذَّابٌ وَعَائِلٌ مُسْتَکْبِرٌ۔

(مسلم عن ابی ہریرہ کتاب الایمان)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تین آدمیوں سے نہ تو بات کرے گا اور نہ انہیں پاک کرے گا اور نہ ان پر نگاہِ کرم ڈالے گا اور ان کے لیے دردناک سزا ہے:

(۱) بوڑھا زانی

(۲) بہت جھوٹا حکمراں

(۳) تکبر کرنے والا مفلس۔"

تشریح: زنا کرنا، جھوٹ بولنا اور تکبر کرنا بڑے سخت گناہ ہیں لیکن ضرورت کے بغیر ان میں سے کسی گناہ میں مبتلا ہو جانا اس کی سنگینی اور شدت کو بہت زیادہ بڑھا دیتا ہے۔

زنا کے محرکات حسب ذیل ہو سکتے ہیں:

۱ — جوانی کا جوش

۲ — حرارتِ غریزی

۳ — عورتوں کی طرف شدید رغبت

۴ — عقل و شعور کی خامی اور ناتجربہ کاری

۵ — کم سنی کی بنا پر شہوت کا غلبہ

اگر بوڑھا آدمی عقل و شعور کی پختگی، زندگی بھر کے تجربات اور اعصاب کی کمزوری کے باوجود زنا کرتا ہے تو وہ خدا کے غضب کو دعوت دیتا ہے۔

۲ — جھوٹ بولنا گناہ ہے لیکن عام آدمی کے جھوٹ کے مقابلہ میں حکمراں کی غلط بیانی اور جھوٹ کا دائرہ بہت وسیع ہوتا ہے۔ وہ ملک کی بہت بڑی اکثریت کو غلط فہمی میں ڈال سکتا ہے۔ ایسا مکّار اور عیّار شخص اللہ کی نگاہ میں سخت مغضوب ہوگا جس نے جھوٹ

بول بول کر اپنے ملک کے سادہ لوح عوام کو دھوکہ اور فریب میں مبتلا کرنے کی کوشش کی تھی۔

۳۔ کسی شخص کے صاحبِ مال ہونے کے معنیٰ یہ تو نہیں ہیں کہ وہ اپنی دولت پر اترائے اور گھمنڈ کرے لیکن کم ظرف مالدار اپنی برتری اور بڑائی پر یقین رکھتے ہیں، مسکینوں اور ناداروں کو حقیر جانتے ہیں، اس بنا پر اگر وہ تکبّر میں مبتلا ہو جائیں تو بظاہر اس کا سبب موجود ہے لیکن کسی غریب اور کثیر العیال آدمی کا ــــــــــ دُنیا کے مال و متاع سے محروم ہونے کے باوجود ــــــــــ تکبّر کرنا، کسی سبب اور محرک کے بغیر بہت ہی غیر معقول ہے، اس طرح کے مجرموں کو قیامت کے دن یہ سزا ملے گی کہ:

- اللہ تعالیٰ ان سے محبّت اور رحمت سے بات نہ کرے گا، بلکہ غضب آلود لب ولہجہ میں ان سے خطاب کیا جائے گا۔
- ان کو گناہوں سے پاک کر کے جنّت میں داخل ہونے کا مستحق نہ بنایا جائے گا۔
- رحیم وکریم خدا کی نگاہِ کرم کا دریا جوش میں ہوگا لیکن یہ ذلیل افراد اس سے محروم ہوں گے۔
- ان سنگین جرموں کی حوصلہ شکن سزا کا اعلان کر کے انہیں دوزخ کی آگ میں پھینک دیا جائے گا تاکہ یہ بدبخت اپنی بدعملی اور سیاہ کاری کا مزہ چکھیں۔

عالمِ برزخ میں بدکاری کی سزا

(۱۴۷) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ــــــــــ فَاَتَيْنَا عَلٰى مِثْلِ التَّنُّوْرِ فَاِذَا فِيْهِ لَغَطٌ وَّاَصْوَاتٌ قَالَ فَاطَّلَعْنَا فِيْهِ فَاِذَا فِيْهِ رِجَالٌ وَنِسَآءٌ عُرَاةٌ وَاِذَا هُمْ يَاْتِيْهِمْ لَهَبٌ مِّنْ اَسْفَلَ مِنْهُمْ فَاِذَا اَتَاهُمْ ذٰلِكَ اللَّهَبُ ضَوْضَوْا قَالَ قُلْتُ لَهُمَا مَا هٰؤُلَآءِ؟

وَاَمَّا الرِّجَالُ وَالنِّسَآءُ الْعُرَاةُ الَّذِيْنَ فِيْ مِثْلِ بِنَاءِ التَّنُّوْرِ

فَاِنَّهُمُ الزُّنَاةُ وَالزَّوَانِیْ۔ (بخاری عن سمرۃ بن جندب کتاب التعبیر)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے اپنے ایک طویل خواب کی روداد سناتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ہم (یعنی حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم، حضرت جبرئیل علیہ السّلام اور حضرت میکائیل علیہ السّلام کے ساتھ) ایک ایسی عمارت پر آئے جو تنور کے مانند تھی۔ اس میں ملی جلی آوازوں کا بہت شور تھا۔ ہم نے اس میں جھانکا تو پتہ چلا کہ اس میں ننگے مرد اور ننگی عورتیں ہیں۔ اس عمارت کی نچلی سطح سے آگ کے شعلے اُٹھ اُٹھ کر انہیں اپنی لپیٹ میں لے لیتے تھے اور وہ جب بھی ان شعلوں کی زد میں آتے تو بہت زور سے چیختے چلّاتے اور شور مچاتے۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا (یہ منظر دیکھ کر) میں نے ان سے پوچھا یہ کون ہیں؟

انہوں نے جواب دیا کہ آپؐ نے تنور نما عمارت میں جن ننگے مردوں اور عورتوں کو دیکھا ہے وہ زنا اور بدکاری کے جُرم میں مبتلا تھے۔

تشریح: ایک دوسری روایت میں ہے کہ:

"اس تنور نما عمارت کا بالائی حصّہ تنگ تھا اور اس کے نچلے حصہ میں —— جو کہ بہت وسیع اور کشادہ تھا —— آگ جوش مار رہی تھی۔ (اس میں ننگے مرد اور عورتوں کا ہجوم تھا) جب وہ ان سے ذرا قریب ہوتی تو وہ لوگ اس حد تک بلندی پر آجاتے کہ ان کا اس سے باہر نکلنے کا امکان پیدا ہو جاتا لیکن جوں ہی آگ کا جوش ذرا کم ہوتا وہ پھر آگ میں لوٹ آتے۔" (بخاری کتاب الجنائز باب قیل فی اولاد المشرکین)

اس سے معلوم ہوا کہ عالمِ برزخ میں بدکار عورتوں اور مردوں کو آگ کی ایک تنور نما حوالات میں بند کر دیا جاتا ہے جب آگ جوش مارتی ہے اور اس کے شعلے ان کا تعاقب کرتے ہیں تو وہ چیختے چلّاتے اور دھاڑیں مارتے ہوئے حوالات کے بالائی دروازے تک پہنچ جاتے ہیں اور جب وہ ذرا دھیمی ہوتی ہے تو یہ اس کی نچلی سطح میں لوٹ جاتے ہیں۔ عذاب کا یہ سلسلہ حشرِ اجساد تک برقرار رہے گا۔

پڑوسی کی بیوی سے زنا کرنا

(۱۴۸) عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَیُّ الذَّنْبِ اَعْظَمُ؟ قَالَ اَنْ تَجْعَلَ لِلّٰہِ نِدًّا وَّھُوَ خَلَقَكَ قُلْتُ ثُمَّ اَیٌّ؟ قَالَ اَنْ تَقْتُلَ وَلَدَكَ مِنْ اَجْلِ اَنْ یَّطْعَمَ مَعَكَ قُلْتُ ثُمَّ اَیٌّ؟ قَالَ اَنْ تُزَانِیَ حَلِیْلَةَ جَارِكَ۔ (بخاری کتاب المحاربین باب اثم الزناۃ، مسلم کتاب الایمان)

"حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں ہیں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) کون سا گناہ زیادہ بڑا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: یہ کہ تو کسی کو اللہ کا مدّمقابل اور ہمسر بنائے حالانکہ تجھے اللہ نے پیدا کیا ہے: میں نے عرض کیا پھر کون سا گناہ سب سے بڑا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: یہ کہ تو اپنے بیٹے کو قتل کرے اس اندیشہ سے کہ وہ تیرے ساتھ کھانا کھائے گا۔ میں نے عرض کیا (اس کے بعد) پھر کون سا گناہ زیادہ بڑا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: یہ کہ تو اپنے ہمسائے کی بیوی سے زنا کرے۔"

تشریح: کسی کو اللہ تعالیٰ کا مدّمقابل اور ہمسر بنانے کے معنیٰ یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور سے دُعائیں مانگی جائیں، اس کی بندگی کی جائے، اس کے سامنے نذریں پیش کی جائیں — مصیبت دُور کرنے اور حاجت روائی کے لیے اسے پکارا جائے حالانکہ ساری کائنات کا خالق، مالک، رازق اور حاکم صرف اللہ تعالیٰ ہے کسی کو اللہ تعالیٰ کا ہمسر بنانا یا اس کی ذات صفات، حقوق اور اختیارات میں شریک ماننا ایک ایسا سنگین جرم ہے جس کو اللہ تعالیٰ معاف نہیں کرے گا اور مجرم کو ہمیشہ کے لیے دوزخ میں پھینک دے گا چاہے وہ حج کرے، روزے رکھے اور روزانہ پانچ وقتوں کی نماز ادا کرتا رہے۔

(۲) مفلسی کے اندیشہ سے اپنے بچّے کو قتل کرنا شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ ہے، اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ شاید کسی انسان کو ناحق قتل کرنا چھوٹا اور معمولی گناہ ہے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اسلام میں کسی انسان کو بھی ناحق قتل کرنا حرام ہے اور بہت بڑا جرم ہے

لیکن جو شخص افلاس کے خوف سے اپنی اولاد کو قتل کرتا ہے وہ دو وجوہ کی بنا پر نہایت سنگین مجرم ہے:

ایک تو یہ ہے کہ اس کے رویّہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ شاید اسے اللہ تعالیٰ کے رازق ہونے پر یقین نہیں ہے۔

دوسری یہ ہے کہ اپنے ہی لختِ جگر کے خون سے اپنے ہاتھ کو رنگین کرنا انتہا درجہ کی سنگدلی اور درندگی ہے اس لیے شرک کے بعد اسے سب سے بڑا گناہ قرار دیا گیا ہے۔ جاہلیت کے زمانہ میں تنگدستی اور ناداری کے خوف سے لوگ اپنے بچوّں کو قتل کر دیتے تھے جو شخص تنگدستی کے خوف سے اپنے بچےّ کو قتل کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی شانِ رزّاقی پر بے اعتمادی کا اعلان کرتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

"تم اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے قتل نہ کرو ہم تمہیں بھی رزق دیتے ہیں اور ان کو بھی دیں گے۔"

رزق اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، وہ اپنی خاص حکمت اور مصلحت کے تحت اپنی خلق کے ایک ایک فرد کا رزق مقرر کرتا ہے اور پھر اسے اس کا حصّہ عطا فرماتا ہے۔ ایک کثیر العیال آدمی خوشحال اور دولت مند ہو سکتا ہے اور ایک قلیل العیال شخص نادار اور مفلس ہو سکتا ہے۔

یہ جاہلی نظریہ

اگر زیادہ بچےّ پیدا ہو گئے تو کھائیں گے کہاں سے ؟

قدیم زمانے سے لوگوں کو قتلِ اولاد اور اسقاطِ حمل کا درس دیتا رہا ہے لیکن آج کل منع حمل (برتھ کنٹرول) کی تحریک، خاندانی منصوبہ بندی کے دلفریب عنوان سے عوام کو فریب میں مبتلا کر رہی ہے، بظاہر یہ پُرکشش نظریہ بے ضرر محسوس ہوتا ہے، لیکن اگر اس کے مضمرات پر غور کیا جائے تو اس کے سایہ میں عیّاشی اور بدکاری کا وسیع جال نظر آئے گا۔ اس تحریک کے نتیجہ میں نسل انسانی کی افزائش تو رُکی نہیں، البتّہ بے حیائی اور فحاشی کو بہت فروغ حاصل ہوا ہے۔ استقرار حمل کا خوف بے راہ روی میں رکاوٹ

بنتا رہا ہے لیکن ترقی یافتہ جاہلیت کی اس تحریک نے مانع حمل آلات اور ادویہ ایجاد کرکے اخلاقی مریضوں کو اس خوف سے نجات دلادی ہے۔

۳۔ پڑوسی کی بیوی سے زنا کرنا ــــــ شرک اور قتل اولاد کے بعد ــــــ سب سے بڑا گناہ ہے مسلمان کو مسلمان ہونے کی حیثیت سے اپنے پڑوسی کی عزّت و آبرو کا نگہبان ہونا چاہیے۔ اگر کوئی شخص اس کے پڑوسی کی آبرو کو میلی آنکھ سے دیکھے تو یہ اس کی آنکھ ہی پھوڑ دے لیکن اگر وہ خود ہی اس کی آبرو کا دشمن بن جائے تو وہ نہ صرف یہ کہ گناہ گار ہے بلکہ حسبِ ذیل وجوہ کی بنا پر بہت بڑا گناہ گار ہے:

۱۔ اس نے زنا کی ہے۔

۲۔ اس نے اس اعتماد کو سخت مجروح کیا ہے جو پڑوسی نے اس پر کیا تھا۔

۳۔ پڑوسی کے گھر میں اپنی آمد و رفت اور کثرتِ میل جول سے ناجائز فائدہ اُٹھاتے ہوئے اپنے بھائی کی بیوی کو بہلا پھُسلا کر یا خود اس کی دعوتِ گناہ کو قبول کرکے خیانت کی ہے۔

زنا بہت بڑا گناہ ہے لیکن پڑوسی کی بیوی سے زنا کرنا بڑا گھناؤنا اور مکروہ جرم ہے اس بنا پر رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرنے کو دوسری دس عورتوں سے زنا کرنے سے بھی زیادہ سنگین قرار دیا ہے۔ (مسند احمد عن المقداد بن الاسود)

کسی عورت کو بہکانا اور اغوا کرنا

(۱۴۹) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَیْسَ مِنَّا مَنْ خَبَّبَ اِمْرَأَۃً عَلٰی زَوْجِھَا اَوْعَبْدًا عَلٰی سَیِّدِہٖ۔

(ابوداؤد عن ابی ہریرۃ کتاب الطلاق باب من خبّب امرأۃً علیٰ زوجہا)

"رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: جس نے کسی عورت کو فریب دے کر اس کے شوہر سے دُور کر دیا یا غلام کو دھوکہ دے کر اس کے آقا کے خلاف بھڑکایا وہ ہمارے پیرو کاروں میں سے نہیں ہے۔"

تشریح: حضور صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے اس شخص سے بے زاری کا اعلان کیا ہے

جو کسی عورت کے تعلقات اس کے شوہر سے خراب کرنے کی کوشش کرتا ہے اس کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں مثلاً :

(۱) کسی عورت کے ذہن اور اخلاق میں ایسی خرابی پیدا کر دینا جس کے نتیجہ میں اس کا شوہر اسے طلاق دینے پر مجبور ہو جائے۔

(۲) شوہر کی واقعی غلطیوں یا فرضی بُرائیوں کے افسانے سُنا سُنا کر بیوی کو اس حد تک متنفّر کر دینا کہ وہ شوہر سے طلاق لینے یا خودکشی کرنے یا میکے جا کر بیٹھنے کا اقدام کر ڈالے۔

(۳) سازش کر کے ایک ایسا منصوبہ تیار کرنا کہ بیوی اپنے شوہر کے ساتھ ازدواجی زندگی بسر کرنے سے قطعاً انکار کر دے۔

(۴) کسی عورت کے سامنے اجنبی مرد کے شباب، حُسن یا اس کی خوشحالی کا ایسا نقشہ کھینچنا کہ وہ عورت اپنے شوہر کو چھوڑ کر اس اجنبی مرد کے ساتھ رہنے کا فیصلہ کر لے۔

(۵) کسی عورت کو دولت، خوشحالی یا شادی کا جھانسہ دے کر اغوا کرنا غرضیکہ کسی عورت کو بہلا پھُسلا کر اس کے شوہر سے متنفر کرنا، جُدا کرنا اور بسے بسائے گھر کو ویران کرنا بڑا سخت گناہ ہے۔

اسی طرح وہ شخص بھی یقیناً مجرم ہے جو شوہر کو بیوی سے متنفّر کرنے کی کوشش کرے تا کہ وہ اسے طلاق دے کر کسی اور لڑکی سے شادی کر لے۔

کسی نوکر یا خادم کو اس کے سردار کے خلاف اُکسانا اور غلط فہمی میں مبتلا کر کے نوکری یا خدمت گزاری سے دستبردار کرا دینا بھی جائز نہیں ہے۔

مومن زنا نہیں کرتا

(۱۵۰) اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا یَزْنِی الزَّانِیْ حِیْنَ یَزْنِیْ وَھُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا یَسْرِقُ السَّارِقُ حِیْنَ یَسْرِقُ وَھُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا یَشْرَبُ الْخَمْرَ حِیْنَ یَشْرَبُھَا وَھُوَ مُؤْمِنٌ۔

(مسلم عن ابی ہریرۃ کتاب الایمان)

"رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: بدکار آدمی زنا کرتے وقت مؤمن نہیں ہوتا اور چور سرقہ کرتے وقت مومن نہیں ہوتا اور شرابی شراب پیتے وقت مومن نہیں ہوتا۔"

تشریح: کمال ایمان کی علامت یہ ہے کہ آدمی نہ تو زنا کرے اور نہ چوری کرے اور نہ شراب پیے۔

اللہ تعالیٰ پر ایمان کا مطلب یہ ہے کہ آدمی اپنے رب کا غلام اور وفادار بندہ بن کر رہے اور اس کی اطاعت کرے۔

اللہ تعالیٰ نے زنا کو حرام کیا ہے، جو شخص زنا کرتا ہے وہ اپنے اس رب کی اطاعت نہیں کرتا جس پر ایمان لانے کا وہ مدّعی ہے۔

غلامی اور بندگی کا یہ تصوّر بھی دُنیا کے عجائبات میں سے ہے کہ غلام ایک ایسے کام کے کرنے کی جسارت کرے جس کے بارے میں اس کا مالک کہے کہ میں نے اس کام کو حرام کیا ہے تم اس کے قریب نہ پھٹکو۔ سچّی بات یہ ہے کہ مومنِ کامل زنا نہیں کرتا کسی شخص کے زانی ہونے کے معنیٰ یہ ہیں کہ اس کا ایمان بہت کمزور اور ناقص ہے، اسی طرح اس شخص کے ایمان میں بھی نقص اور کمزوری پائی جاتی ہے جو شراب پینے یا چوری کرنے سے دستبردار نہیں ہوتا۔

زنا خاندانی زندگی کو تباہ کرکے رکھ دیتا ہے، اس سے معاشرے میں فساد، بدامنی اور بے اطمینانی کے جراثیم پرورش پاتے ہیں، اس کے علاوہ زنا پسند لوگوں کے دل سے غیرت و حمیّت کا جذبہ کافور ہوجاتا ہے اور ایمان کا نُور بھی ان سے سلب ہوجاتا ہے۔

رشحات

خاندان کی بربادی کے اسباب میں سے ایک اہم سبب زنا اور اغوا ہے حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اس کے متعلق جو کچھ ارشاد فرمایا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے:

اللہ تعالیٰ نے بے شرمی کے جن کاموں کو حرام کیا ہے ان میں سے ایک زنا بھی ہے۔ زنا کرنے کا مطلب ہے اللہ تعالیٰ کی غیرت کو للکارنا اور اس کے غضب کو دعوت دینا۔

جب مومن عورت یا مرد زنا کا ارتکاب کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کو اس کی بہت غیرت آتی ہے۔ قیامت کے دن وہ عورت جنّت میں نہ جائے گی جو بدکاری کے حمل کو اپنے شوہر کی طرف منسوب کرتی ہے۔

قیامت کے دن وہ شخص بہت رُسوا اور ذلیل ہوگا جو اپنے بیٹے کے نسب سے انکار کرتا ہے۔ قیامت کے دن یہ تین آدمی نہ صرف یہ کہ دردناک عذاب میں گرفتار ہوں گے بلکہ اللہ تعالیٰ ان سے بات کرے گا اور نہ ان پر نگاہِ کرم ڈالے گا:

۱۔ بوڑھا زانی۔ ۲۔ جھوٹا حکمراں۔ ۳۔ تکبّر کرنے والا مفلس۔

عالم برزخ میں بدکار مردوں اور عورتوں کو آگ کے ایک بہت بڑے تنور میں رہنا پڑتا ہے۔

پڑوسی کی بیوی سے زنا کرنا بہت بڑا گناہ ہے یہاں تک کہ دس عورتوں سے زنا کرنے سے بھی زیادہ سنگین ہے۔

حضور صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے اس آدمی سے بیزاری کا اعلان فرمایا ہے جو کسی عورت کو بہکا کر یا فریب دے کر اس کے شوہر سے جُدا کر دیتا ہے۔ آدمی جب زنا کرتا ہے تو اس سے ایمان کا نور سلب ہو جاتا ہے۔

باب دوم

(۷)

عصمت فروشی

بے غیرت

(۱۵۱) قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ثَلٰثَةٌ لَا یَنْظُرُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ اِلَیْهِمْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ اَلْعَاقُ لِوَالِدَیْهِ وَالْمَرْأَةُ الْمُتَرَجِّلَةُ وَالدَّیُّوْثُ۔

(نسائی عن ابن عمر کتاب الزکوٰۃ باب المنان بما اعطیٰ)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تین آدمیوں پر رحمت کی نگاہ نہ ڈالے گا:

۱۔ اپنے والدین کا نافرمان۔

۲۔ لباس اور فیشن میں مردانہ روش اختیار کرنے والی عورت۔

۳۔ بے غیرت۔

تشریح: اسلامی تہذیب نے حیا اور عفّت کا ایسا بلند معیار قائم کیا ہے جس کی رو سے کسی مسلمان کے بے غیرت ہونے کا تصوّر ہی نہیں کیا جا سکتا۔ عربی میں دیوث (بے غیرت) اس آدمی کو کہتے ہیں:

۱۔ جو اپنی بدکار بیوی کی جان بوجھ کر حوصلہ افزائی کرے اور اس کا شوہر بنا رہے۔

۲۔ جو اپنی بیٹی، بہن یا کسی عزیزہ کی بے راہ روی کو جاننے کے باوجود اس سے خوش ہو۔

۳۔ جو عصمت فروش عورتوں کی آمدنی کو معاش کا ذریعہ بنالے یا ان کی سرپرستی کرے۔

۴۔ جو اپنی خواتین کی شرم و حیا کے خلاف سرگرمیوں پر مطمئن اور مسرور ہو۔

۵۔ جو مالی مفاد اور دوسرے مادّی اغراض کے لیے اپنی بہو، بیٹی کو حکمرانوں اور دولت مندوں کے عشرت کدوں کی زینت بناتا ہے۔

قیامت کے دن بے غیرت آدمی اللہ تعالیٰ کے غضب کی زد میں ہوگا اور بڑی سوکن سزا پائے گا۔ اونچے طبقے کے وہ مہذّب افراد بھی دیّوث اور بے غیرت ہیں جو نائٹ کلبوں میں بے شرمی کا مظاہرہ کرتے ہیں اور ایک دوسرے کی بہن، بیٹی اور بیوی کی باہوں میں باہیں ڈال کر رقص کرتے ہیں۔

عصمت فروشی

(۱۵۲) اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَھٰی عَنْ ثَمَنِ الْکَلْبِ وَمَھْرِ الْبَغِیِّ وَحُلْوَانِ الْکَاھِنِ۔

(مسلم عن ابی مسعود الانصاری کتاب المساقاۃ۔ بخاری کتاب البیوع)

"رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے کتّے کی قیمت، بدکار عورت کے معاوضہ اور کاہن کی اُجرت سے منع فرمایا ہے"۔

تشریح: بعض روایات میں ہے کہ حضور صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے بدکار عورت کی کمائی سے روکا ہے۔ (بخاری کتاب اللباس باب من لعن المصور)

آپؐ نے فرمایا:

"بدکار عورت کا معاوضہ بُری کمائی ہے،

زانی عورت کی زنا کی آمدنی ناپاک ہے"۔ (مسلم کتاب المساقاۃ)

اسلام، معاشرے میں زنا کو بالکل برداشت نہیں کرتا چاہے وہ چوری چھپے ہو یا علانیہ، عصمت فروشی اور قحبہ گری اسلامی ریاست میں ممنوع ہے اور اس کی آمدنی قطعاً حرام ہے۔

اس طرح کی خبیث آمدنی سے مسجد تعمیر کرنا اور صدقہ خیرات کرنا جائز نہیں ہے، بلکہ جس فرد کا ذریعہ معاش زنا کاری ہو اس کے گھر سے کھانا کھانا یا اس سے تحفہ اور ہدیہ قبول کرنا بھی جائز نہیں ہے، البتّہ تاجر اپنے سامان کی قیمت اور مزدور اپنے کام کی اجرت اس سے لے سکتا ہے۔

"بغی" کا اطلاق گانے والی پر بھی ہوتا ہے، اس بنا پر حضور صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے گانے والی کی آمدنی سے روکا ہے، اس سے یہ بھی اخذ کیا جا سکتا ہے کہ گلوکارائیں فلمی اور غیر فلمی گانوں کا جو معاوضہ وصول کرتی ہیں وہ بدکاری کے معاوضہ کی طرح حرام ہے۔

قحبہ گری

(۱۵۳) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا مُسَاعَاةَ فِي الْإِسْلَامِ

(ابوداؤد عن ابن عباس کتاب الطلاق باب فی ادعاء ولد الزنا)

"رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: اسلام میں عصمت کی خرید و فروخت کا کاروبار جائز نہیں ہے۔"

تشریح: اسلام نہ صرف یہ کہ زنا کو برداشت نہیں کرتا بلکہ بدکاری کے اسباب اور محرکات کو بھی ممنوع قرار دیتا ہے۔ اس بات کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ اسلامی ریاست اپنے حدود میں بدکاری کے کاروبار کی اجازت دے یا اس کا نوٹس نہ لے بلکہ غیر شادی شدہ فرد سے زنا ثابت ہو تو اسلامی ریاست میں اس کی سزا سو کوڑے ہے اور اگر شادی شدہ فرد سے یہ گناہ ثابت ہو تو اس کی سزا سنگسار کرنا ہے، اسلامی ریاست میں قحبہ گری ممنوع اور خلافِ قانون ہے۔

رشحات

اسلام میں عصمت فروشی کی اجازت نہیں ہے۔

معاشرے میں اس سے انارکی اور شہوت رانی کا سیلاب اُمنڈ آتا ہے اور خاندان کا شیرازہ بکھر جاتا ہے۔

اللہ اور اس کا رسول بہت غیور ہیں۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بے غیرت آدمی کو نگاہ رحمت سے نہیں دیکھے گا۔

اسلامی ریاست میں قحبہ گری خلاف قانون ہے اور اس کی آمدنی حرام ہے۔

باب دوم

(۸)

عملِ قومِ لوطؔ

غیر فطری شہوت رانی

(۱۵۴) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَنْظُرُ اللّٰہُ اِلٰی رَجُلٍ اَتٰی رَجُلًا اَوْ اِمْرَأَۃً فِی الدُّبُرِ۔

(ترمذی عن ابن عباس ابواب الرضاع)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحمت کی نگاہ نہیں ڈالتا جو کسی مرد یا عورت کی دُبر میں مباشرت کرے"۔

تشریح: بیوی سے غیر فطری شہوت رانی حرام ہے۔

"حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس سے سخت منع کیا ہے اور اس گھناؤنے جرم کا ارتکاب کرنے والے کو ملعون قرار دیا ہے"۔ (ابوداؤد، ترمذی)

اسی طرح وہ شخص بھی اللہ تعالیٰ کی نگاہ کرم کا مستحق نہیں ہے جو کسی مرد سے مباشرت کرے کیونکہ یہ شہوت رانی خلافِ فطرت ہے۔

اس سے خُدا کا غضب بھڑک اُٹھتا ہے اور جنسی امراض کی وبا پھوٹ پڑتی ہے، اس کے نتیجہ میں ان مجرموں کی بیویاں بدکاری اور زنا میں مبتلا ہو سکتی ہیں۔

لواطت کی سزا

(۱۵۵) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ وَجَدْتُّمُوْہُ یَعْمَلُ عَمَلَ قَوْمِ لُوْطٍ فَاقْتُلُوا الْفَاعِلَ وَالْمَفْعُوْلَ بِہٖ۔

(ترمذی عن ابن عباس کتاب الحدود۔ ابوداؤد کتاب الحدود)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم جس شخص کو قومِ لوط کی طرح بدکاری کرتے ہوئے پاؤ تو فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کرو"۔

تشریح: تمدّن کی گاڑی نسل کی افزائش سے چلتی ہے، یہی وجہ ہے کہ شریعت نے انسان کو ان تمام اسباب سے منع کیا ہے جو نسلِ انسانی کو ختم کرنے کا ذریعہ بن سکتے ہیں۔ جو شخص اپنے آپ کو خصّی کرتا ہے یا اپنے صنفی اعضاء کو کاٹ ڈالتا ہے یا نامرد بننے کی

کوشش کرتا ہے یا عورتوں سے غیر فطری شہوت رانی کرتا ہے یا لواطت کرتا ہے وہ قانونِ فطرت کے خلاف جنگ کرنے کی بنا پر شریعت اسلامی کی نگاہ میں سخت مجرم اور معتوب ہے۔

اس نے نسلِ انسانی کے تخلیقی عمل میں رُکاوٹ ڈال کر تمدّنی زندگی میں دراڑ ڈالی اور وہ اجتماعی زندگی کی ان ذمّہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کی صلاحیتوں سے دستبردار ہو گیا جو ایک صحت مند اور سلیم العقل شہری کی حیثیت سے اس پر عائد ہوتی تھیں۔

۲۔ لڑکوں سے مباشرت کرنے کا آغاز سب سے پہلے اہل سدوم نے کیا تھا حضرت لوط علیہ السلام نے ان کو اس بے حیائی سے بار بار روکا لیکن وہ نہ رُکے قرآن میں ہے:

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَاسَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعَالَمِيْنَ ۝ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ۔ (الاعراف: ۸۰-۸۱)

"اور لُوط کو ہم نے پیغمبر بنا کر بھیجا۔ پھر یاد کرو جب اس نے اپنی قوم سے کہا کیا تم ایسے بے حیا ہو گئے ہو کہ وہ فحش کام کرتے ہو جو تم سے پہلے دنیا میں کسی نے نہیں کیا تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں سے اپنی خواہش پوری کرتے ہو۔"

اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُوْنَ السَّبِيْلَ۔

(العنکبوت: ۲۹)

"کیا تم شہوت رانی کے لیے مردوں کے پاس جاتے ہو اور رہزنی کرتے ہو۔"

۳۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَالَّذٰنِ يَاْتِيٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا فَاِنْ تَابَا وَاَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا۔ (النساء: ۱۶)

"اور تم میں سے جو دو مرد وُہی بدکاری کریں تو ان کو ایذا دو پھر اگر وہ دونوں توبہ کریں اور اپنی اصلاح کرلیں تو ان کا خیال چھوڑ دو بیشک اللہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔"

امام شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

مفسرین نے اس آیت کے معنیٰ میں اختلاف کیا ہے۔ علماء کی ایک جماعت کہتی ہے کہ اس سے زنا مراد ہے اور یہ آیت منسوخ ہے۔ اور بعض علماء کے نزدیک یہ آیت لواطت کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور آخرالذکر رائے سب سے زیادہ قوی ہے۔

(مصفیٰ شرح موطا کتاب احکام الخلافۃ باب حد اللواطۃ)

اس تفسیر کی رو سے اللہ تعالیٰ نے عمل قوم لوط کرنے والے کو ایذا دینے کا حکم دیا ہے۔

۴ ـ لواطت کی سزا کے متعلق فقہاء کے درمیان اختلاف ہے:

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس جرم کے لیے حد مقرر نہیں ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اسلامی حکومت لواطت کے مجرم کی اصلاح کے لیے مؤثر اور عبرتناک سزا تجویز کرسکتی ہے مثلاً جوتوں اور کوڑوں سے اس کی پٹائی کی جائے، اس کو رُسوا کیا جائے، اسے بُرا بھلا کہا جائے، اسے جیل میں ڈال دیا جائے یہاں تک کہ اس کی وفات ہوجائے اور عادی مجرم کو حکومت سزائے موت بھی دے سکتی ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک فاعل اور مفعول دونوں کو سنگسار کیا جائے چاہے وہ شادی شدہ ہوں یا غیر شادی شدہ۔

امام شافعی رحمہ اللہ کا مشہور قول ہے کہ فاعل اگر شادی شدہ ہو تو اسے سنگسار کیا جائے ورنہ اسے سو کوڑے مارے جائیں اور جلاوطن کیا جائے اور مفعول کی سزا یہ ہے کہ اسے جلاوطن کیا جائے اور سو کوڑے مارے جائیں۔

امام شافعی رحمہ اللہ کا دوسرا قول یہ ہے کہ مفعول کو بھی اس کے فاعل کی طرح سزا دی جائے، اگر وہ شادی شدہ ہو تو اسے سنگسار کیا جائے ورنہ اسے جلاوطن کیا جائے

اور سو کوڑے مارے جائیں۔

امام شافعی رحمہ اللہ کی طرف یہ رائے بھی منسوب کی جاتی ہے کہ فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کیا جائے چاہے وہ شادی شدہ ہوں یا غیر شادی شدہ۔

ان کی اس رائے کا ماخذ یہ حدیث ہے جو حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ :

"تم جس شخص کو عمل قوم لوط کی طرح بدکاری کرتے ہوئے پاؤ تو فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کر دو۔"

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لوطی کو آگ میں جلانے کا مشورہ دیا تھا۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی رائے یہ ہے کہ اسے شہر کی سب سے اونچی عمارت کی چھت سے اُلٹے پاؤں پھینکا جائے اور پھر اسے پتھر مارے جائیں معلوم رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چوپایہ کے ساتھ بدکاری کرنے والے کو بھی ملعون قرار دیا ہے۔

(مسند احمد ۱۸۷۵)

رشحات

اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ عملِ قومِ لُوطؑ خاندان کی بربادی کا ایک اہم سبب ہے۔

اگر یہ گندگی علانیہ ہونے لگے اور وبا۔ عام کی حیثیت اختیار کرلے تو اس سے نہ صرف یہ کہ خاندان کا نظام تہ و بالا ہو جاتا ہے بلکہ سرے سے وہ قوم ہی ہلاک اور تباہ ہو جاتی ہے جو اس میں دل چسپی لیتی ہے۔

اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس شخص پر رحمت کی نگاہ نہ ڈالے گا جو مردوں سے شہوت رانی کرتا ہے یا عورت سے غیر فطری مباشرت کرتا ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اس جُرم کے مرتکب فاعل اور مفعول کو قتل کرنا چاہیے۔

باب سوم

اصلاح معاشرہ

(۱)

باہمی تعلّقات

ایمان کامل کی نشانی ـــــ باہمی محبّت

(۱۵۶) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تَدْخُلُوْنَ الْجَنَّۃَ حَتّٰی تُؤْمِنُوْا وَلَا تُؤْمِنُوْا حَتّٰی تَحَابُّوْا اَوَلَا اَدُلُّکُمْ عَلٰی شَیْئٍ اِذَا فَعَلْتُمُوْہُ تَحَابَبْتُمْ اَفْشُوا السَّلَامَ بَیْنَکُمْ۔

(مسلم عن ابی ہریرۃ کتاب الایمان)

"رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: تم جنّت میں نہیں جا سکتے: جب تک کہ مومن نہ بن جاؤ اور تم مومن نہیں ہو سکتے جب تک تم آپس میں محبّت نہ کرو کیا میں تمہیں وہ کام نہ بتاؤں جب تم اسے کرو تو ایک دوسرے سے محبّت کرنے لگو وہ یہ ہے کہ تم آپس میں سلام پھیلاؤ۔"

تشریح: ۱ـــ ظاہر بات ہے کہ جنّت میں صرف مومن ہی جا سکتا ہے۔ جو شخص وفات کے وقت کلمۂ طیبہ ـــــ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ـــــ پر یقین نہ رکھتا ہو وہ مومن نہیں، بلکہ کافر ہے، وہ کبھی بھی جنّت میں نہ جائے گا، اسے ہمیشہ کے لیے دوزخ میں رہنا پڑے گا۔

۲ـــ جب تک تم ایک دوسرے سے محبّت نہ کرو گے تمہارا ایمان کامل نہیں ہے "ایمان کامل" کی نشانی یہ ہے کہ آدمی، اہلِ ایمان سے محبت کرے۔

اہل ایمان سے محبّت کرنے کے معنیٰ یہ ہیں کہ آدمی، کسی مومن سے بغض نہ رکھے، اس سے نفرت نہ کرے، اسے نقصان پہنچانے کی کوشش نہ کرے، بلکہ اس سے سگے بھائی جیسا حُسنِ سلوک کرے، اس کی بھلائی اور خاطر داری میں کوئی کسر اٹھا کر نہ رکھے۔

یہ امر واقعہ ہے کہ اگر اہل ایمان ایک دوسرے سے محبّت کرنے لگیں تو اسلامی معاشرہ جنّت کا نمونہ بن جائے اور اللہ کا کلمہ بلند ہو جائے۔

۳ـــ مسلمانوں میں باہمی محبّت اور اُلفت پیدا کرنے کے لیے حضور صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے یہ طریقہ بتایا ہے کہ تم اپنے معاشرے میں کثرت سے سلام پھیلاؤ۔ ہر مسلمان، دوسرے

مسلمان کو السّلام علیکم کہے چاہے وہ ذاتی طور پر اسے جانتا ہو یا نہ جانتا ہو۔ اس سے ملّت اسلامیہ کے افراد میں ایک دوسرے سے محبت پیدا ہوتی ہے جب ایک مسلمان دوسرے مسلمان سے کہتا ہے السّلام علیکم، تو وہ دراصل اس سے یہ کہتا ہے کہ:

''میں تمہارا ساتھی اور خیر خواہ ہوں تم مجھ سے کسی نقصان اور ایذا کا اندیشہ نہ کرو، میں نہ تو تمہارے خلاف ہاتھ اٹھاؤں گا اور نہ زبان درازی کروں گا، تمہاری جان و مال اور عزّت و آبرو کو مجھ سے کوئی خطرہ نہیں ہے بلکہ میں دُعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تمہیں مصیبتوں اور آفتوں سے بچائے اور ہر طرح کے غم اور رنج سے تمہاری حفاظت فرمائے تم رحمٰن کریم کی رحمت کے سایہ میں رہو، وہ تمہارے مال اور اولاد میں برکت دے'' اس کے جواب میں دوسرا مسلمان وعلیکم السّلام ورحمۃ اللہ کہہ کر یہ بات کہتا ہے کہ ''بھائی! آپ بھی میری طرف سے کسی قسم کا خوف اور خطرہ محسوس نہ کریں، میں نہ تو تمہیں ضرر پہنچاؤں گا اور نہ رنج و دُکھ میں مبتلا کروں گا، اللہ تعالیٰ تمہیں آفات اور مصائب سے محفوظ رکھے، بیماریوں اور پریشانیوں سے نجات دے، تمہارے مال و اولاد میں برکت دے اور تجھے ہمیشہ اپنی رحمت کے سایہ میں رکھے''

اس طرح کے اعلان اور عہد کرنے والوں اور دُعا دینے والوں میں ایک دوسرے کے لیے احترام اور محبّت پیدا ہوتی ہے۔

جس معاشرے کے افراد ایک دوسرے کو رحمت اور امن کی دُعا دیتے ہوں وہ آپس میں نفرت اور ایک دوسرے سے دُشمنی نہیں کرتے اور نہ ایک دوسرے کے خُون کے پیاسے ہوتے ہیں جبکہ وہ ایک دوسرے سے محبّت کرتے ہیں اور یہی علامت ہے ایمان کامل کی۔

''مُومن کامل'' وہ ہے جو اپنے ہر مسلمان بھائی سے محبّت کرے، اس کیفیت کے حصول کے لیے مسلمانوں میں زیادہ سے زیادہ سلام کو پھیلانا چاہیے۔

دوسروں کے لیے وہی پسند کرو جو تم اپنے لیے پسند کرتے ہو

(۱۵۷) عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يُحِبَّ لِاَخِيْهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهٖ۔

(بخاری عن انس کتاب الایمان مسلم کتاب الایمان)

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے بھائی کے لیے وہی کچھ پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے"

تشریح: مومن کامل وہ ہے جو اپنے مسلمان بھائی کے لیے دنیا اور آخرت کی ان بھلائیوں اور نعمتوں کو پسند کرے جنہیں وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

اور اس کی یہ اخلاقی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کے لیے وہ رویہ اور برتاؤ پسند کرے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

مثلاً: جو شخص چاہتا ہو کہ معاشرے میں اس کی جان و مال اور عزت و آبرو کا احترام کیا جائے وہ ہر مسلمان کی جان و مال اور عزت و آبرو کا احترام کرے۔

اس سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ جس چیز کو تم اپنے لیے پسند نہیں کرتے اسے اپنے مسلمان بھائی کے لیے بھی پسند نہ کرو۔

مثال کے طور پر جب تم اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ کوئی شخص تمہیں گالی دے، تمہاری غیبت کرے، تم پر ظلم کرے، اور تم سے خیانت کرے تو تم کسی مسلمان بھائی کو گالی نہ دو، اس کی غیبت نہ کرو، اس پر ظلم نہ کرو اور اس سے خیانت نہ کرو۔

ہر مسلمان کی خیر خواہی

(۱۵۸) عَنْ جَرِيْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ بَايَعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى اِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَاءِ الزَّكٰوةِ وَالنُّصْحِ لِكُلِّ مُسْلِمٍ۔

(مسلم کتاب الایمان۔ بخاری کتاب الایمان)

"حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی نماز قائم کرنے، زکوٰۃ دینے اور ہر مسلمان کی خیر خواہی کرنے پر۔"

تشریح: نماز قائم کرنے کے معنیٰ ہیں روزانہ پانچ وقت کی نماز جماعت سے ادا کرنا۔ زکوٰۃ دینے کے معنی ہیں ہر سال اپنے مال کی زکوٰۃ دیتے رہنا، نقدی، سونے چاندی اور سامانِ تجارت کے علاوہ مویشیوں پر بھی زکوٰۃ ہے، زمین کی پیداوار پر بھی زکوٰۃ ہے، اسے عُشر کہتے ہیں۔

ہر مسلمان کی خیر خواہی کرنے کا مطلب یہ کہ:

مسلمانوں کو نقصان پہنچانے سے پرہیز کرنا

بڑوں کا احترام کرنا

اور چھوٹوں پر رحم کرنا

ان کے مال اور عزّت و آبرو کی مدافعت کرنا

انہیں نیکی کا حکم دینا اور ان کو بُرائی سے روکنا

ان کی غیبت نہ کرنا

ان پر حسد نہ کرنا

اور ان کو دھوکہ نہ دینا

الحاد و آوارگی اور بے حیائی کے فتنوں سے ان کی حفاظت کرنا

انہیں قرآن و سُنّت کی تعلیم دینا

اصولی بات یہ ہے کہ جو شخص حضور صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم کو مانتا ہو وہ اپنے مسلمان بھائیوں کے لیے اس "خیر" کو پسند کرے جس خیر کو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے اور ان کو اس "شر" سے بچانے کی کوشش کرے جس شر سے وہ خود نفرت کرتا ہے۔

اہل ایمان ایک جسم کی مانند ہیں

(۵۹) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَثَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ فِيْ تَوَادِّهِمْ وَتَرَاحُمِهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ مَثَلُ الْجَسَدِ إِذَا اشْتَكٰى مِنْهُ عُضْوٌ تَدَاعٰى لَهٗ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّهَرِ وَالْحُمّٰى۔

(مسلم عن النعمان بن بشیر کتاب البر والصلۃ۔ بخاری کتاب الادب)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مومنوں کی مثال ایک دوسرے سے محبّت کرنے، رحم کرنے، اور ہمدردی کرنے میں ایسی ہے جیسے ایک جسم کی کیفیت ہوتی ہے کہ جب اس کا ایک عضو بیمار ہوتا ہے تو اس کا سارا جسم بُخار اور بے خوابی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔"

تشریح: اہل ایمان، رشتۂ ایمان کی بنا پر جسم کے اعضا کی طرح مربوط اور ہم آہنگ ہوتے ہیں جس طرح ایک عضو کی خرابی اور تکلیف کو سارا جسم محسوس کرتا ہے، بلکہ جسم کا ہر ہر عضو اپنی جگہ پر اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا اسی طرح جب کسی مسلمان بھائی پر مصیبت ٹوٹ پڑے یا وہ کسی آفت کی زد میں آجائے تو سب مسلمانوں کو اجتماعی طور پر محسوس کرنا چاہیے کہ یہ مصیبت ان سب پر نازل ہوئی ہے بلکہ ملّتِ اسلامیہ کے ہر فرد کو اپنی جگہ یہ سمجھنا چاہیے کہ میں ہی آفت زدہ ہوں۔

جب کسی مسلمان بھائی کی جان و مال یا آبرو کو خطرہ لاحق ہو یا نقصان پہنچے تو مسلمانوں کی جماعت کے ہر ہر فرد کی یہ ذمّہ داری ہے کہ وہ اپنے مصیبت زدہ بھائی کی اعانت کرے اور اس کے غم میں شریک ہو۔

حقیقت یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے ایمان کے دعویٰ میں سچّا ثابت نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے مصیبت زدہ پریشان حال مسلمان بھائی کے رنج و غم اور پریشانی کو اس طرح محسوس نہ کرے جس طرح ایک بھائی محسوس کرتا ہے۔

ایمان کا رشتہ، خون کے رشتہ سے بھی زیادہ گہرا اور مضبوط ہوتا ہے۔ مومنوں کے باہمی تعلقات نہایت خوشگوار ہوتے ہیں، وہ صرف رشتۂ ایمان کی بنا پر آپس میں محبّت اور تعاون کرتے ہیں، وہ ایک دوسرے کو تحفے دیتے ہیں اور ایک دوسرے کی ملاقات کے لیے آتے ہیں، وہ سنگدل اور بے پرواہ نہیں ہوتے، بلکہ ایک دوسرے کے غمگسار اور ہمدرد ہوتے ہیں، آپس میں بڑے ہی شفیق اور رحمدل ہوتے ہیں۔

مومن ایک دوسرے کو مضبوط بناتے ہیں

(۱۶۰) قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ

كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا۔

(مسلم عن ابی موسیٰ کتاب البر والصلۃ: بخاری کتاب الادب)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: مومن، دوسرے مومن کے لیے اس عمارت کی مانند ہے جس کا ایک حصّہ اس کے دوسرے حصّے کو مضبوط کرتا ہے۔"

تشریح: نیکی اور بھلائی کے کام ——— چاہے انفرادی ہوں یا اجتماعی ——— میں مومن دوسرے مومن کا حامی اور مددگار رہتا ہے اور اسے قوت دیتا ہے، تفرقہ بازی اور گروہ بندی میں مبتلا ہوکر مسلمانوں کی ذلّت اور رُسوائی کا باعث نہیں بنتا۔

مسلمانوں کی ترقی اور کامیابی کا راز اس میں ہے کہ وہ ایک دوسرے کے خلاف مورچے قائم نہ کریں اور ایک دوسرے کو کمزور کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور نہ لگائیں، بلکہ وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح ہم آہنگ اور متّحد ہوکر مضبوط ہوں۔

مومن، مومن کا بھائی ہے

(۱۶۱) عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلْمُؤْمِنُ مِرْآةُ الْمُؤْمِنِ ــ وَالْمُؤْمِنُ اَخُو الْمُؤْمِنِ يَكُفُّ عَنْهُ ضَيْعَتَهُ وَيَحُوْطُهُ مِنْ وَّرَائِهٖ۔

(ابوداؤد عن ابی ہریرۃ کتاب الادب باب فی النصیحۃ)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: مومن، مومن کا آئینہ ہے اور مومن، مومن کا بھائی ہے، وہ اسے ہر طرح کے نقصان سے بچاتا ہے اور اس کی عدم موجودگی میں اس کی حفاظت کرتا ہے۔"

تشریح: (۱) مومن، مومن کا آئینہ ہے، کے معنیٰ یہ ہیں کہ مومن ایک ایسا آلہ ہے جو دوسرے مومن بھائی کی خوبیاں اور کمزوریاں جان لیتا ہے۔

آئینہ کو دیکھ کر انسان اپنے چہرے کے داغ دھبّوں کو صاف کرتا ہے بالکل اسی طرح مومن ـــ دوسرے مومن بھائی کی کوتاہیوں اور لغزشوں کی نشاندہی کرتا ہے اور ان کو دُور کرنے کے لیے اس کی مدد کرتا ہے۔

اس کی وضاحت، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی سے ہوتی ہے کہ

اِنَّ اَحَدَکُمْ مِرْاٰۃُ اَخِیْہِ فَاِنْ رَأیٰ بِہٖ اَذًی فَلْیُمِطْ عَنْہُ۔

(مشکوٰۃ عن ابی ہریرۃ کتاب الآداب بحوالہ ترمذی)

"تم میں سے ہر ایک اپنے بھائی کا آئینہ ہے پس اگر وہ اس میں کوئی عیب یا اخلاقی کمزوری دیکھے تو اسے دُور کرنے کی کوشش کرے"

تنہائی میں خیر خواہی کے جذبہ سے اس کی غلطی اور کوتاہی کی نشاندہی کرے اور اپنائیت کے انداز میں اسے اس کی اصلاح کے لیے متوجہ کرے۔

جس شخص کو اس کی کوتاہی پر شرمندہ کیا جائے یا اس پر نکتہ چینی کی جائے یا دوسروں کے سامنے اسے رسوا کیا جائے تو وہ نہ صرف یہ کہ اصلاح کی دعوت کو قبول نہیں کرتا بلکہ بعض اوقات وہ اپنی کوتاہی پر علانیہ اصرار کرنے لگتا ہے۔

(۲) جس طرح ایک شخص اپنے سگے بھائی کے زوال اور بربادی کو برداشت نہیں کرسکتا ـــــ اسی طرح مومن، دوسرے مومن بھائی کی بربادی اور تباہی کو برداشت نہیں کرسکتا۔ وہ اسے ہر طرح کے خسارے اور نقصان سے بچانے کی کوشش کرتا ہے، اس کے بال بچوں اور ذرائع معاش کو ضائع نہیں ہونے دیتا، بلکہ ان کی حفاظت کے لیے سر توڑ کوشش کرتا ہے، وہ اپنے بھائی کے پیچھے اس کے خلاف بدگوئی اور غیبت کو سُن کر خاموش نہیں رہتا، بلکہ اس کا دفاع کرتا ہے اور اس کے خلاف گھڑے ہوئے بہتانوں اور غلط فہمیوں کا ازالہ کرتا ہے۔

مسلمان کے چھ اوصاف

(۱۶۲) اِنَّ رَسُوْلَ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ ـــــ

اَلْمُسْلِمُ اَخُوالْمُسْلِمِ، لَا یَظْلِمُہٗ وَلَا یُسْلِمُہٗ، وَمَنْ کَانَ فِیْ حَاجَۃِ اَخِیْہِ کَانَ اللہُ فِیْ حَاجَتِہٖ وَمَنْ فَرَّجَ عَنْ مُسْلِمٍ کُرْبَۃً فَرَّجَ اللہُ عَنْہُ کُرْبَۃً مِنْ کُرُبَاتِ یَوْمِ الْقِیَامَۃِ ـــــ ـــــ

وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔

(بخاری عن عبداللہ بن عمر کتاب المظالم باب لا یظلم المسلم مسلم کتاب البر والصلۃ باب تحریم الظلم)

"رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے، وہ نہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اسے ہلاک اور تباہ ہونے دیتا ہے۔ جس نے اپنے بھائی کی حاجت پوری کی اللہ تعالیٰ اس کی حاجت پوری کرے گا، جس نے کسی مسلمان سے سختی اور مصیبت کو دور کیا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کی ہولناک سختیوں میں سے کسی سخت مصیبت کو اس سے دور کر دے گا۔

اور جس نے کسی مسلمان کے عیب کو چھپایا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی عیب پوشی کرے گا۔"

تشریح: اس حدیث میں بتایا گیا ہے کہ ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان کے ساتھ کیا رویّہ ہونا چاہیے اور ان کے باہمی تعلقات کی نوعیت کیا ہو؟

۱۔ اسلام کے ناطے سے مسلمان کو دوسرے مسلمان سے سگے بھائی جیسا سلوک کرنا چاہیے۔

۲۔ وہ اس کی حق تلفی نہ کرے۔

۳۔ مصیبت زدہ اور مظلوم مسلمان کے معاملہ میں وہ غیر جانبداری کا رویہ اختیار نہ کرے بلکہ اس کی بھرپور حمایت کرے۔

۴۔ اگر کوئی ضرورت مند بھائی پریشان ہو اور زندگی کے کسی معاملہ میں اُلجھا ہوا ہو تو اس کی حاجت پوری کرے۔

۵۔ جو بھائی کسی سخت مصیبت میں گرفتار ہونے کی وجہ سے غمگین اور پریشان ہو اس کو اس مصیبت سے نکالے۔

۶۔ کسی مسلمان بھائی کی غیبت نہ کرے، زندگی میں اگر اس سے کوئی غلطی ہوگئی ہو تو کسی کے سامنے اس کا ذکر نہ کرے۔

اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کسی شخص کو بھی گناہ کی زندگی سے روکنا جائز نہیں ہے

جو شخص عادی مجرم ہو، فسق و فجور کا علمبردار ہو یا خلقِ خدا کی آبرو اور مال کو برباد کر رہا ہو، نہ صرف یہ کہ اسے بُرائی سے روکنا چاہیے بلکہ اگر وہ نہ رُکے تو اس کی سرکوبی کے لیے حکومت اور عدالت سے بھی رجوع کرنا چاہیے۔

چار نیکیوں کی جزا

(۱۶۳) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

مَنْ نَفَّسَ عَنْ مُؤْمِنٍ کُرْبَۃً مِنْ کُرَبِ الدُّنْیَا نَفَّسَ اللّٰہُ عَنْہُ کُرْبَۃً مِنْ کُرَبِ یَوْمِ الْقِیَامَۃِ وَمَنْ یَسَّرَ عَلٰی مُعْسِرٍ یَسَّرَ اللّٰہُ عَلَیْہِ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَہُ اللّٰہُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَاللّٰہُ فِیْ عَوْنِ الْعَبْدِ مَا کَانَ الْعَبْدُ فِیْ عَوْنِ اَخِیْہِ۔

(مسلم عن ابی ہریرۃ کتاب الذکر والدعاء)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

۱۔ جس نے مومن کو دنیا کی کسی سخت مصیبت سے نکالا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کی کسی ہولناک مصیبت سے اسے نکالے گا۔

۲۔ جس نے کسی تنگدست کے ساتھ نرم رویہ اختیار کیا اللہ تعالیٰ دُنیا اور آخرت کی مشکلات کو اس کے لیے آسان کر دے گا۔

۳۔ اور جس نے کسی مسلمان کی عیب پوشی کی اللہ تعالیٰ دُنیا اور آخرت میں اس کی عیب پوشی کرے گا۔

۴۔ اللہ تعالیٰ بندے کی مدد کرتا رہتا ہے جب تک کہ وہ اپنے بھائی کی مدد کرنے میں لگا رہتا ہے۔"

تشریح: تنگدست مقروض سے نرم رویّہ اختیار کرنے کے معنی یہ ہیں کہ اسے خوشحال ہونے تک مہلت دی جائے یا سرے سے قرض ہی معاف کر دیا جائے۔ اس حدیث پر غور کرنے سے اعمال کی جزا کا یہ پہلو سامنے آتا ہے کہ ہر عمل کی جزا اس کی جنس سے ہوتی

ہے مثلاً: تم نے اگر کسی مومن کو سخت مصیبت سے نکالا ہے تو اس کی وجہ سے اللہ تمہیں قیامت کے دن کسی سخت مصیبت سے نجات دے گا اگر تم نے کسی مسلمان کی عیب پوشی کی تو اللہ دنیا میں تمہاری لغزشوں پر پردہ ڈال دے گا اور آخرت میں وہ تمہارے گناہوں اور سیاہ کاریوں کا اعلان کر کے لوگوں کے سامنے تمہیں رسوا نہ کرے گا، بلکہ اپنے فضل و کرم سے خطا پوشی کر کے معاف بھی کر دے گا۔ مفلس قرضدار سے نرم رویّہ اختیار کرنے پر اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ لُطف و کرم کا برتاؤ کرے گا، دُنیا میں تمہاری مشکلات کو آسان کر دے گا۔

وہ تمہاری خطاؤں پر بہت جلد گرفت نہیں کرتا بلکہ درگزر فرماتا ہے تاکہ تمہیں سنبھلنے اور توبہ کرنے کا موقعہ ملے اور قیامت کے دن مواخذہ کرنے میں نرمی اور درگزر کا رویّہ اختیار فرمائے گا اور ہو سکتا ہے کہ وہ ربّ کریم تمہاری ساری غلطیاں اور کوتاہیاں معاف فرما دے۔ اگر تم اپنے کسی محتاج بھائی کی حاجت پوری کرو گے تو اللہ تعالیٰ بھی تمہاری حاجت روائی کرے گا۔

مسلمان کے چھ حقوق

(۱۶۴) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَی الْمُسْلِمِ خَمْسٌ رَدُّ السَّلَامِ وَعِیَادَۃُ الْمَرِیْضِ وَاِتِّبَاعُ الْجَنَائِزِ وَاِجَابَۃُ الدَّعْوَۃِ وَتَشْمِیْتُ الْعَاطِسِ۔ (بخاری کتاب الجنائز. مسلم کتاب السلام)

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو فرماتے سُنا ہے کہ مُسلمان کے مُسلمان پر پانچ حق ہیں:

۱۔ السّلام علیکم کا جواب دینا

۲۔ مریض کی عیادت کرنا

۳۔ جنازے کے ساتھ جانا

۴ — دعوت قبول کرنا۔

۵ — چھینک لینے والے کو دعا دینا۔"

(۱۶۵) اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَی الْمُسْلِمِ سِتٌّ قِیْلَ مَا ھُنَّ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ؟ قَالَ

۱ — اِذَا لَقِیْتَہٗ فَسَلِّمْ عَلَیْہِ

۲ — وَاِذَا دَعَاكَ فَاَجِبْہُ

۳ — وَاِذَا اسْتَنْصَحَكَ فَانْصَحْ لَہٗ

۴ — وَاِذَا عَطَسَ فَحَمِدَ اللّٰہَ فَشَمِّتْہُ

۵ — وَاِذَا مَرِضَ فَعُدْہُ

۶ — وَاِذَا مَاتَ فَاتَّبِعْہُ (مسلم کتاب السلام)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان کے مسلمان پر چھ حق ہیں۔ عرض کیا گیا وہ کیا ہیں یا رسول اللہ! آپؐ نے فرمایا:

(۱) جب تو مسلمان سے ملے تو اس کو سلام کر

(۲) اور جب وہ تجھے دعوت دے تو قبول کر

(۳) اور جب وہ تجھ سے بھلائی چاہے تو اس سے بھلائی کر

(۴) اور جب اسے چھینک آئے اور وہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ (اللہ کا شکر ہے) کہے تو تو اسے یہ دعا دے یَرْحَمُكَ اللّٰہُ (اللہ تم پر رحم فرمائے)

(۵) اور جب وہ بیمار ہو تو اس کی عیادت کر

(۶) اور جب اس کی وفات ہو تو اس کے جنازے کے ساتھ جا۔"

تشریح: انسان اپنی فطرت میں شہریت پسند ہے، باہمی تعاون کے بغیر ان کی معیشت صحیح رخ اختیار نہیں کر سکتی، معاشرت میں باہمی تعاون کا مدار اس پر ہے کہ لوگ آپس میں غمگسار، ہمدرد، رحم دل اور شفیق ہوں، اس بنا پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو ایک دوسرے سے مربوط کرنے کے لیے یہ چھ اصول مقرر فرمائے ہیں۔

السّلام علیکم کہنا مسنون ہے اور اس کے جواب میں وعلیکم السّلام کہنا واجب ہے، بیمار کی عیادت کرنا بھی مسنون ہے بشرطیکہ کوئی اور آدمی اس کی تیمارداری اور علاج معالجہ میں دلچسپی لے رہا ہو ورنہ ضروری اور واجب ہے، جو شخص بے یار و مددگار مریض کی عیادت نہ کرے وہ نہ صرف یہ کہ اس کے اجر سے محروم ہے، بلکہ اس کا حق ادا نہ کرنے کی وجہ سے گناہ گار بھی ہے۔

کسی مسلمان سے خیر خواہی کرنے کے معنی یہ ہیں کہ اسے دھوکہ نہ دیا جائے، اس سے مُداہنت نہ کی جائے، اس کو مفید مشورہ دینے سے پرہیز نہ کیا جائے، بلکہ نہایت خلوص دل سے اس کی مدد کی جائے۔

ایذا دینا، طنز کرنا اور عیب جوئی کرنا

(۱۶۶) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ صَعِدَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْمِنْبَرَ فَنَادٰی بِصَوْتٍ رَفِیْعٍ قَالَ یَا مَعْشَرَ مَنْ اَسْلَمَ بِلِسَانِہٖ وَلَمْ یُفْضِ الْاِیْمَانُ اِلٰی قَلْبِہٖ! لَا تُؤْذُوا الْمُسْلِمِیْنَ وَ لَا تُعَیِّرُوْھُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا عَوْرَاتِھِمْ فَاِنَّہٗ مَنْ تَتَبَّعَ عَوْرَۃَ اَخِیْہِ الْمُسْلِمِ تَتَبَّعَ اللّٰہُ عَوْرَتَہٗ وَمَنْ یَّتَّبِعِ اللّٰہُ عَوْرَتَہٗ یَفْضَحْہُ وَلَوْ فِیْ جَوْفِ رَحْلِہٖ۔

(ترمذی ابواب البر والصلۃ باب فی تعظیم المومن)

"حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم منبر پر تشریف لائے ـــــ اہل نفاق اور ضعیف الایمان مسلمانوں سے خطاب کرتے ہوئے آپؐ نے بلند آواز سے فرمایا: اے افراد جماعت! جو زبان سے مسلم ہوا اور ایمان ان کے دل میں داخل نہیں ہوا (غور سے سُنو!) تم مسلمانوں کو ایذا نہ دو، ان پر طنز نہ کرو اور ان کے چھُپے ہوئے عیبوں کی ٹوہ میں نہ لگے رہو۔

جو شخص اپنے مسلمان بھائی کے عیب کی تلاش میں رہے گا اللہ تعالیٰ اس کا بھانڈا پھوڑ دے گا، اللہ تعالیٰ جس کی بُرائیوں کا پردہ چاک کرتا ہے، اسے بے عزّت اور رُسوا کرتا ہے چاہے وہ اپنے گھر کے اندر (خلوت میں) بُرائی

کر رہا ہو۔"

تشریح: کسی مسلمان کو بدنام اور رُسوا کرنے کے لیے اس کی غلط کاریوں کا تعاقب کرنا اور اس کے عیبوں کا کھوج لگانا گھناؤنی بد اخلاقی ہے۔

جو شخص اس طرح کے غلیظ کام میں سرگرم رہتا ہے اللہ تعالیٰ دُنیا اور آخرت میں اُسے ذلیل اور رُسوا کرتا ہے۔

معاشرت کے سات اصول

(۱۶۷) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

۱۔ لَا تَحَاسَدُوْا

۲۔ وَلَا تَنَاجَشُوْا!

۳۔ وَلَا تَبَاغَضُوْا

۴۔ وَلَا تَدَابَرُوْا

۵۔ وَلَا یَبِعْ بَعْضُکُمْ عَلٰی بَیْعِ بَعْضٍ

۶۔ وَکُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰہِ اِخْوَانًا اَلْمُسْلِمُ اَخُوا الْمُسْلِمِ
لَا یَظْلِمُہٗ وَلَا یَخْذُلُہٗ وَلَا یَحْقِرُہٗ
اَلتَّقْوٰی ھٰھُنَا — وَیُشِیْرُ اِلٰی صَدْرِہٖ ثَلَاثَ مِرَارٍ
بِحَسْبِ امْرِءٍ مِّنَ الشَّرِّ اَنْ یَّحْقِرَ اَخَاہُ الْمُسْلِمَ

۷۔ کُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَی الْمُسْلِمِ حَرَامٌ، دَمُہٗ وَمَالُہٗ وَعِرْضُہٗ۔

(مسلم عن ابی ہریرۃ کتاب البر والصلۃ باب تحریم الظلم)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

(۱) تم ایک دوسرے پر حسد نہ کرو۔

(۲) تم کسی کو دوسرے کی دشمنی اور مخالفت پر نہ اُکساؤ۔

(۳) تم آپس میں ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو۔

(۴) تم ایک دوسرے سے قطع تعلق نہ کرو۔

(۵) اور تم میں سے کوئی، کسی کی بیع پر بیع نہ کرے۔

(۶) اللہ کے بندو! تم بھائی بھائی بن جاؤ، مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے، وہ نہ تو اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اسے بے یار و مددگار چھوڑتا ہے اور نہ اس کی تحقیر کرتا ہے۔

تقویٰ یہاں ہے ـــــ آپؐ نے اپنے سینہ مُبارک کی طرف تین بار اشارہ کیا ـــــ کسی شخص کے شر کے لیے یہ کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کی تحقیر کرے۔

(۷) ہر مسلمان پر مسلمان کا خون، مال اور اس کی عزّت حرام ہے۔"

تشریح: (۱) اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو نعمت سے نواز کر اس پر فضل و کرم کرتا ہے اور اسے آزمائش و امتحان میں بھی مبتلا کرتا ہے۔ کون سی نعمت کس بندے کو عطا کرنی ہے؟ اور کتنی؟ اس کا فیصلہ علیم و حکیم خدا کی حکمت ہی کرتی ہے، کسی پر حسد کرنے کے معنیٰ ہیں "اس سے نعمت کے چھن جانے کی تمنّا کرنا۔"

حضور صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم کے ارشاد گرامی کا مطلب یہ ہے کہ تُم میں سے کوئی شخص یہ تمنّا نہ کرے کہ وہ نعمت فُلاں آدمی سے چھِن کر مجھے ملے یا یہ کہ وہ آدمی اس نعمت سے محروم ہو جائے چاہے وہ نعمت مجھے بالکل نہ ملے۔

البتّہ کسی سے نعمت کے زوال کی تمنّا نہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے دُعا کرنا کہ اے اللہ! تو اُپنے فضل و کرم سے مجھے بھی اسی طرح کی نعمت سے نواز، جائز ہے۔ اسے رشک کہتے ہیں۔

(۲) لَا تَنَاجَشُوْا کا دوسرا ترجمہ یہ ہے کہ "تم ایک دوسرے کو نیچا دکھانے اور ایک دوسرے سے برتر بننے کی کوشش نہ کرو۔"

اور اس کا تیسرا ترجمہ یہ ہے کہ "تُم فرضی خریدار بن کر سودے کی قیمت نہ بڑھاؤ۔ یہ تینوں مفہوم صحیح ہیں۔"

مطلب یہ ہے کہ تم آپس میں ایک دوسرے سے محبّت کرو اور ایک دوسرے کا احترام

کرو آپس میں ہمدردی اور رواداری کا رویہ اختیار کرو۔ یہ نہ ہونا چاہیے کہ کسی شخص کو دوسرے کے خلاف بھڑکاؤ یا یہ کہ کسی کو ذلیل و رُسوا کر کے اپنے غلبہ اور عزت کا نقش بٹھاؤ یا تم ایک چیز خریدنے میں سنجیدہ نہیں ہو لیکن تمہارے مغالطہ آمیز رویہ کی بنا پر حقیقی خریدار زیادہ قیمت دے کر اسے خریدنے پر آمادہ ہو جائے۔

(۳) لَاتَبَاغَضُوْا کا دوسرا ترجمہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ "تم مسلمانوں کے درمیان نفرت اور عداوت کی آگ نہ بھڑکاؤ"۔

(۴) لَاتَدَابَرُوْا کا دوسرا ترجمہ یہ ہے کہ "تم پیٹھ پیچھے ایک دوسرے کی بدگوئی نہ کرو۔

(۵) اور تم میں سے کوئی کسی کی بیع پر بیع نہ کرے۔

خرید و فروخت کے معاملہ میں اس اصول کو ہمیشہ ملحوظ رکھنا چاہیے کہ بائع اور مشتری کے درمیان کسی چیز کی قیمت طے ہو چکنے کے بعد کوئی تیسرا آدمی اس سودے کو کالعدم کرانے کی کوشش نہ کرے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ بائع کو زیادہ قیمت دے کر اس چیز کو خرید لے یا مشتری کو اس سے کم قیمت پر ایسی ہی چیز مہیا کر دے یا اس قیمت پر اس سے بہتر اور عمدہ چیز لا کر دے کیونکہ اس طرز عمل سے کسی ایک فریق کو نقصان پہنچتا ہے۔

(۶) خدا ترس آدمی نہ صرف یہ کہ کسی مسلمان کی تذلیل نہیں کرتا بلکہ وہ ہر شخص کو اپنے سے بہتر جانتا ہے اور اس کا احترام کرتا ہے۔ جو شخص اپنے آپ کو کسی سے بہتر نہ جانے اور ہر مسلمان کے لیے وہی پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے، وہ نہ تو کسی مسلمان کی تذلیل کرتا ہے اور نہ اسے رُسوا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

آدمی کسی شخص کو حقیر نہیں جانتا اور اس کی تذلیل نہیں کرتا جب تک وہ اپنے آپ کو اس سے بہتر اور افضل نہ جانے۔

جو آدمی اس بیماری میں مبتلا ہو نہ صرف یہ کہ اس کا دل خدا کے خوف سے خالی ہے بلکہ وہ بہت "بُرا انسان" ہے، اس کے شر پسند اور بد خو ہونے کے لیے تنہا یہ گناہ ہی

کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کی تحقیر کرے۔
اس مقام کو حاصل کرنے کے لیے اسے کوئی دوسرا گناہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

(۷) مسلمان کی جان کا احترام کرنا چاہیے، اسے قتل کرنا یا اس کے قتل کرنے میں اعانت کرنا حرام ہے۔
اس سے مال کا چھیننا، اسے معاشی نقصان پہنچانا اور اس کی معاش کے وسائل کو تباہ کرنے کی کوشش کرنا ناجائز اور حرام ہے۔
جو شخص کسی مسلمان کی غیبت کرتا ہے یا اس پر طنز کرتا ہے یا اس کی عیب جوئی کرتا ہے اور اس کے راز افشا کرتا ہے وہ دراصل اس کی عزّت و آبرو کو پامال کرتا ہے اور یہ سخت گناہ ہے۔

یہ حدیث بڑی جامع اور اہم ہے۔ اس کے سات اصولوں پر عمل کیے بغیر معاشرتی زندگی پُرسکون اور کامیاب نہیں ہو سکتی، ہر مسلمان کو اس پر عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ ان علماء اور مشائخ اور سیاسی لیڈروں کو بھی اس حدیث پر غور کرنا چاہیے جو گروہ بندی اور تفرقہ بازی سے اپنی قیادت کی دُکانیں چمکا رہے ہیں، انہوں نے گروہی اور سیاسی مفادات کی خاطر، ملّتِ اسلامیہ میں انتشار پیدا کر کے انہیں ایک دوسرے کے خلاف برسرِ پیکار کر رکھا ہے، اس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ حق، باطل سے برسرِ پیکار نہیں بلکہ حق کے علمبرداروں نے ایک دوسرے کے خلاف محاذ کھول رکھا ہے، وہ ایک دوسرے کی تذلیل اور سرکوبی کے لیے جہاد (؟) کر رہے ہیں حالانکہ اُمّتِ مسلمہ کی بقا، قوت اور ترقی کا انحصار وحدت، اور اتفاق میں ہے، تفرقہ اور انتشار میں نہیں۔

مسلمان کی عزّت کا دفاع

(۱۶۸) عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ رَدَّ عَنْ عِرْضِ اَخِیْہِ رَدَّ عَنْ وَجْھِہِ النَّارَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ۔

(ترمذی عن ابی الدرداء ابواب الصلۃ باب ماجاء فی الذب عن المسلم)

"نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: جس نے اپنے بھائی کی عزّت پر حملہ کی مدافعت کی اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے دوزخ کی آگ سے بچائے گا۔"

تشریح : "اپنے بھائی کی عزّت پر حملہ" کا مطلب یہ ہے کہ کسی مسلمان بھائی کی غیبت کی جارہی ہو، اس پر بہتان لگائے جارہے ہوں اور اسے ذلیل ورسوا کرنے کے لیے اس کی طرف جھوٹی باتیں منسوب کی جارہی ہوں، جو شخص ایسے مظلوم مسلمان کی عزّت کا دفاع کرتا ہے اور اُسے رُسوائی سے بچاتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے دوزخ کے عذاب کی ذلّت اور رُسوائی سے بچائے گا۔ بعض روایات میں ہے کہ جس شخص کے سامنے اس کے مسلمان بھائی کی عزّت وناموس پر حملہ ہورہا ہو اور وہ طاقت اور صلاحیت کے باوجود نہ تو اس کی مدد کرے اور نہ اس کی مدافعت کرے اللہ تعالیٰ دُنیا اور آخرت میں اسے سزا دے گا۔ (شرح السنہ)

دھوکہ دینا اور نقصان پہنچانا

(۱۶۹) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَلْعُوْنٌ مَنْ ضَارَّ مُؤْمِنًا اَوْ مَکَرَ بِہٖ۔ (ترمذی ابی بکر الصدیق ابواب الصلۃ باب ماجاء فی الخیانۃ والغش)

"رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: ملعون ہے وہ جو کسی مومن کو ضرر پہنچائے یا اسے دھوکہ دے۔"

(۱۷۰) اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ ـــــ مَنْ ضَارَّ ضَارَّ اللّٰہُ بِہٖ وَمَنْ شَاقَّ شَقَّ اللّٰہُ عَلَیْہِ۔

(ترمذی عن ابی صرمۃ ابواب الصلۃ)

"رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: جو شخص کسی کو نقصان پہنچاتا ہے اللہ تعالیٰ اسے نقصان پہنچائے گا اور جو کسی سے دشمنی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے مشقّت اور تکلیف میں مبتلا کرے گا۔"

تشریح : جو شخص کسی مسلمان کو ناحق نقصان پہنچاتا ہے وہ نہ صرف یہ کہ آخرت میں اس ضرر رسانی کی سزا پائے گا بلکہ دُنیا کی زندگی میں بھی وہ اس کا خمیازہ اُٹھائے گا۔ کسی مسلمان کو نقصان پہنچانے کے معنی ہیں :

(۱) معاشی لحاظ سے اسے تباہ کرنے کی کوشش کرنا۔
(۲) اس کے جسم کو اذیت دینا،مثلاً اس کی پٹائی کرنا، اس کے کسی عضو کو کاٹ دینا یا بیکار کردینا، اسے کسی بیماری میں مبتلا کردینا۔
(۳) اسے بدنام اور رُسوا کرنا۔
(۴) اسے الحاد اور فسق وفجور میں مبتلا کردینا تاکہ اس کے نتیجہ میں اس کی آخرت برباد ہو۔

جو شخص کسی مسلمان کو دھوکہ دیتا ہے وہ خود بھی کسی فریب میں مبتلا ہوجاتا ہے۔ جو کسی مسلمان سے عداوت رکھتا ہے وہ کسی کو اپنا دشمن بنالیتا ہے، دوسرے کی دُنیا تباہ کرنے والے کی اپنی دُنیا بھی تباہ ہوجاتی ہے۔ جو کسی کی آخرت برباد کرتا ہے اس کی اپنی آخرت بھی خراب ہوجاتی ہے کسی مسلمان کو دھوکہ دینا، اس کی مخالفت کرنا اور اس کے مال یا جان کو نقصان پہنچانا، اس کی دُنیا اور آخرت کو تباہ کرنے کی کوشش کرنا حرام ہے۔

رشحات

مسلمانوں کے باہمی تعلقات کی نوعیت کیا ہونی چاہیے اور ان کو ایک دوسرے کے ساتھ کیا رویّہ اختیار کرنا چاہیے؟ اس کے متعلق رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے جو ہدایات دی ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے:

(۱) مسلمانوں کو ایک دوسرے سے محبّت رکھنی چاہیے۔

(۲) وہ ایک دوسرے کی مدد کریں اور ایک دوسرے کو مضبوط بنائیں۔

(۳) وہ ایک دوسرے پر رحم اور شفقت کریں اور ایک دوسرے سے ہمدردی کریں۔

(۴) وہ ایک دوسرے پر حسد نہ کریں۔

(۵) وہ ایک دوسرے سے بغض نہ رکھیں۔

(۶) وہ مسلمانوں کو ایک دوسرے کی دُشمنی اور مخالفت پر نہ اُکسائیں۔

(۷) وہ ایک دوسرے کو نیچا دکھانے اور ایک دوسرے سے برتر بننے کی کوشش نہ کریں۔

(۸) فرضی خریدار بن کر سودے کی قیمت نہ بڑھائیں۔

(۹) مسلمانوں کے درمیان نفرت اور عداوت کی آگ نہ بھڑکائیں۔

(۱۰) ایک دوسرے سے قطع تعلق نہ کریں۔

(۱۱) پیٹھ پیچھے ایک دوسرے کی بدگوئی نہ کریں۔

(۱۲) کوئی شخص کسی کی بیع پر بیع نہ کرے۔

(۱۳) مومن، مومن کا بھائی ہے۔

(۱۴) وہ ہر مسلمان کی خیر خواہی کرتا ہے۔

(۱۵) وہ اپنے مومن بھائی کے لیے وہی کچھ پسند کرتا ہے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

(۱۶) وہ پیٹھ پیچھے اس کی حفاظت کرتا ہے۔

(۱۷) اور اسے ہرطرح کے نقصان سے بچاتا ہے۔

(۱۸) اور اگر وہ اس میں کوئی عیب یا اخلاقی کمزوری پاتا ہے تو اسے دُور کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

(۱۹) وہ اسے سختی اور مصیبت سے نکالتا ہے۔

(۲۰) اور اس کی حاجت پوری کرنے میں لگا رہتا ہے۔

(۲۱) وہ تنگدست مقروض کے ساتھ نرمی کا رویّہ اختیار کرتا ہے۔

(۲۲) وہ اس کی عزّت پر حملہ کی مدافعت کرتا ہے۔

(۲۳) وہ اس کی عیادت کرتا ہے جب وہ بیمار پڑے۔

(۲۴) وہ اس کی دعوت قبول کرتا ہے۔

(۲۵) وہ اس کی خیر خواہی کرتا ہے جب وہ اس سے خیر خواہی چاہے۔

(۲۶) اس کے جنازے کے ساتھ جاتا ہے جب اس کی وفات ہو۔

(۲۷) وہ جب بھی کسی مسلمان بھائی سے ملتا ہے تو اسے سلام کرتا ہے۔ اگر کوئی اسے سَلام کرے تو وعلیکم السّلام کہہ کر اسے جواب دیتا ہے۔

(۲۸) وہ اس پر ظلم نہیں کرتا۔

(۲۹) اور اسے بے یار و مددگار نہیں چھوڑتا اور اسے ہلاک و تباہ نہیں ہونے دیتا۔

(۳۰) وہ اس کی غیبت نہیں کرتا۔

(۳۱) وہ اس پر نکتہ چینی اور طنز نہیں کرتا بلکہ اس کی عیب پوشی کرتا ہے۔

(۳۲) وہ اسے ایذا نہیں دیتا۔

(۳۳) اور اس کے چھُپے ہوئے عیبوں کی ٹوہ میں نہیں رہتا۔

(۳۴) اور اسے ذلیل و رسوا نہیں کرتا۔

(۳۵) اور اس کی تحقیر نہیں کرتا، بلکہ ہر ایک کو اپنے سے بہتر جانتا ہے۔

(۳۶) وہ اسے قتل نہیں کرتا۔

(۳۷) وہ اس کی معاش کے ذرائع اور وسائل کو تباہ کرنے کی کوشش نہیں کرتا۔

(۳۸) وہ اسے نقصان نہیں پہنچاتا اور اسے دھوکہ بھی نہیں دیتا۔

باب سوم

(۲)

عیادت

عیادت کی فضیلت

(۱۷۱) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ عَادَ مَرِیْضًا لَمْ یَزَلْ یَخُوْضُ الرَّحْمَۃَ حَتّٰی یَجْلِسَ فَاِذَا جَلَسَ اِغْتَمَسَ فِیْھَا۔

(مشکوٰۃ عن جابر کتاب الجنائز باب عیادۃ المریض بحوالہ احمد)

"رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا جو شخص کسی بیمار کی عیادت کو چل پڑتا ہے اللہ کی رحمت اسے گھیر لیتی ہے جب تک کہ وہ اس کے پاس بیٹھ نہ جائے جب وہ اس کے پاس بیٹھتا ہے تو اللہ کی رحمت میں غوطے لگاتا ہے۔"

تشریح : عیادت کرنے والا گھر سے لے کر مریض تک پہنچنے کے عرصہ میں اللہ کی رحمت کے سایہ میں ہوتا ہے، وہ جب تک مریض کے پاس رہتا ہے اللہ تعالیٰ کی رحمت کو سمیٹتا رہتا ہے، یہ انعام صرف اس شخص کے لیے ہے جو اللہ کی رضا کے لیے مریض کی عیادت کرے اور عیادت کے آداب کو ملحوظ رکھے۔

(۱۷۲) عَنْ عَلِیٍّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَا مِنْ مُسْلِمٍ یَعُوْدُ مُسْلِمًا غُدْوَۃً اِلَّا صَلّٰی عَلَیْہِ سَبْعُوْنَ اَلْفَ مَلَکٍ حَتّٰی یُمْسِیَ ــــ وَاِنْ عَادَہٗ عَشِیَّۃً اِلَّا صَلّٰی عَلَیْہِ سَبْعُوْنَ اَلْفَ مَلَکٍ حَتّٰی یُصْبِحَ ــــ وَکَانَ لَہٗ خَرِیْفٌ فِی الْجَنَّۃِ۔

(ترمذی ابواب الجنائز باب ماجاء فی عیادۃ المریض)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو فرماتے سُنا ہے کہ جو مسلمان صبح کو کسی مسلمان کی عیادت کرتا ہے ستّر ہزار فرشتے غروب آفتاب تک اس کی مغفرت کے لیے دُعا کرتے رہتے ہیں۔

اور جو مسلمان شام کو کسی مسلمان کی عیادت کرتا ہے ستّر ہزار فرشتے صبح

تک اس کی بخشش کے لیے دُعا کرتے رہتے ہیں۔

اور ــــ چاہے وہ شام کو عیادت کرے یا صُبح کو ــــ جنّت میں اسے نہایت عمدہ اور تازہ چُنے ہوئے پھل ملیں گے۔"

تشریح: مطلب یہ ہے کہ عیادت کرنے والے کی بخشش کے لیے بہت سے فرشتے دُعا کرتے رہتے ہیں بشرطیکہ وہ صرف اللہ کی رضا کے لیے عیادت کرے۔

عیادت کے معنیٰ

(۱۷۳) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ عَادَ مَرِیْضًا لَمْ یَزَلْ فِیْ خُرْفَۃِ الْجَنَّۃِ حَتّٰی یَرْجِعَ۔

(مسلم عن ثوبان کتاب البر والصلۃ باب فضل عیادۃ المریض)

"رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا جو شخص کسی مرِیض کی عیادت کرتا ہے وہ جنّت کے باغ میں عمدہ پھل اکٹھے کرتا ہے جب تک وہ لوٹ نہ آئے۔"

تشریح: جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کسی مریض کی عیادت کرتا ہے وہ دراصل جنّت کے باغ میں نہایت عمدہ اور اعلیٰ پھل چُنتا ہے۔

اللہ تعالیٰ تمدّن کی ترقی اور استحکام کو پسند فرماتے ہیں۔ محلہ، بستی، شہر بلکہ ملک کی خوشحالی اور ترقی کا انحصار اس بات پر ہے کہ اس میں رہنے والوں کے باہمی تعلقات خوشگوار ہوں اور وہ آپس میں محبّت کریں۔

معاشرے کے افراد میں ایک دوسرے سے محبّت اور اُلفت پیدا نہیں ہو سکتی جب تک با اثر اور مال دار لوگ ضرورت مندوں کی اعانت نہ کریں اور صحت مند افراد، بیماروں کی عیادت نہ کریں۔ اس بنا پر ہر مسلمان کو چاہیے کہ اگر اس کا مسلمان بھائی بیمار پڑ جائے تو وہ اس کی عیادت کرے، کسی بیمار کی عیادت کرنے کے معنیٰ صرف یہ نہیں ہیں کہ آدمی اس کے پاس جا کر اس کی بیماری کا حال معلوم کرے بلکہ اس کی صحّت کی دُعا دے اور اس کی حوصلہ افزائی کرے اور اس کی تیمارداری میں دلچسپی لے اگر کوئی اور اس کی تیمارداری

نہ کر رہا ہو۔

اگر مریض مالی پریشانی میں مبتلا ہونے کی وجہ سے غذا اور علاج کے اخراجات برداشت نہ کر سکتا ہو تو خوشحال افراد اس کی کفالت کریں۔

اسلامی معاشرے میں کسی غریب اور نادار مریض کو علاج سے محروم نہ رہنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک قرب و جوار کے سب لوگ ذمہ دار اور جوابدہ ہیں اگر وہ ایک غریب بیمار کی تیمارداری سے غفلت برتیں اور اس کے علاج کے مصارف برداشت نہ کریں، چاہے وہ اُس کے دولت مند رشتہ دار ہوں یا ہمسایے۔

بیمار کو تسلّی دو

(۱۷۴) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلْتُمْ عَلَی الْمَرِیْضِ فَنَفِّسُوْا لَہٗ فِیْ اَجَلِہٖ فَاِنَّ ذٰلِكَ لَا یَرُدُّ شَیْئًا وَّیُطَیِّبُ نَفْسَہٗ۔ (ترمذی ابی سعید الخدری ابواب الطب)

"رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا جب تم مریض کے پاس جاؤ تو اس سے کہو کہ "ابھی تمہاری عمر بہت ہے" یہ بات اللہ کے کسی فیصلے کو رد نہیں کر سکے گی لیکن اس سے اس کا دل خوش ہو جائے گا۔"

تشریح : جب آدمی بیمار ہوتا ہے تو اسے کئی قسم کے اندیشے لاحق ہو جاتے ہیں خصوصًا اگر علاج کے باوجود اسے مرض سے افاقہ نہ ہو رہا ہو اور اس کو اپنی موت کا گمان ہو تو وہ بہت ملول اور غمگین ہوتا ہے اور سوچتا ہے کہ اگر اس کی وفات ہو گئی تو ان کاموں کا کیا بنے گا جو ادھورے پڑ گئے ہیں؟ اس کی جوان اولاد کی شادی کب اور کس طرح ہوگی؟ اس کے چھوٹے اور کمزور بچّوں کی کفالت کون کرے گا؟

اس پر جو قرض ہے وہ کس طرح ادا ہوگا؟ اور لوگوں کے ذمّہ جو اس کا قرض ہے اس کے وصول کرنے کی کیا صورت ہوگی؟ اس نے ماضی میں جو غلطیاں کی ہیں ان کی تلافی کرنے کا ارادہ کس طرح پورا ہوگا؟ اس نے اپنے کاروبار کی ترقی یا استحکام کے لیے جو پروگرام شروع کر رکھا ہے اسے کون اور کس طرح مکمّل کرے گا؟

گناہوں سے توبہ کرنے اور آئندہ زیادہ سے زیادہ نیک کام کرنے کا اس نے جو منصوبہ بنایا تھا وہ کس طرح زیرِ عمل آسکے گا؟
اس نے اللہ کے دین کو غالب اور قائم کرنے کے لیے جان و مال سے حصّہ لینے کا جو عزم کیا تھا وہ کس طرح پورا ہوسکے گا؟
اس بنا پر حضور صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے عیادت کرنے والوں کو حکم دیا ہے کہ تم بیمار کے ذہن کو رنج اور غم سے نجات دینے کی کوشش کرو۔ اسے تسلّی دو تاکہ وہ نہ تو بیماری سے گھبرائے اور نہ کسی قسم کی فکر کرے۔ اس سے کہو کہ تم نے دُنیا میں اور بھی بہت سے کام کرنے ہیں، یہاں سے تمہارے جانے کا ابھی وقت نہیں آیا ہے، تم بہت جلد صحتیاب ہو گے، اللہ تعالیٰ تمہاری عمر طویل کرے۔
بیمار کے بارے میں اللہ کی قضا و قدر کے فیصلہ کو نہ تو تمہاری دُعا بدل سکتی ہے اور نہ تم تسلّی دے کر اسے روک سکتے ہو لیکن دُعا اور تسلّی دے کر تم اس کے دل میں راحت اور سکون تو پیدا کر سکتے ہو۔
چاہے وہ موت کے حملہ سے نہ بچے لیکن تم اس کی تسکین اور خاطر داری کر کے اسے مایوسی اور پریشانی کے حملہ سے تو بچا سکتے ہو۔

بیمار کے لیے دُعا کرنا

(۱۷۵) اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ اِذَا عَادَ مَرِیْضًا یَقُوْلُ اَذْھِبِ الْبَأْسَ رَبَّ النَّاسِ اِشْفِہٖ اَنْتَ الشَّافِیْ لَا شِفَاءَ اِلَّا شِفَاءُكَ، شِفَاءً لَّا یُغَادِرُ سَقَمًا۔

(مسلم عن عائشۃ کتاب السلام)

”رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم جب کسی بیمار کی عیادت کرتے تو (یہ دُعا) فرماتے:
اے لوگوں کے رب! بیماری کی سختی کو اس سے دُور کر دے، اسے ایسی شفا دے جو کسی بیماری کو نہ چھوڑے، تو شفا دینے والا ہے، تیرے سوا کوئی اور اسے شفا نہیں دے سکتا۔“

تشریح : مسلمان کو چاہیے کہ جب وہ بیمار کی عیادت کرے تو اس کی صحت کے لیے دُعا بھی کرے، شاید اللہ تعالیٰ اس کی دُعا قبول فرمائے اور غم زدہ مریض کو بیماری سے شفا دے۔ اس حدیث میں جس دُعا کا ذکر ہے وہ بڑی جامع اور مؤثر ہے۔ اس کی اہمیت کا اندازہ حضرت عائشہؓ کی اس روایت سے ہوتا ہے جس میں وہ فرماتی ہیں کہ :

"جب ہم میں سے کوئی بیمار ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے داہنے ہاتھ سے مسح کرتے اور پھر یہ دُعا کرتے" (جو اس حدیث میں ہے)

(مسلم کتاب السلام)

اس دُعا کے الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ :

اے وہ خدا جو سب انسانوں کا مالک، و پروردگار ہے اس مریض کو بیماری کی سختی سے نجات دے میں یقین رکھتا ہوں کہ بیماری کی تکلیف اور شدت کو صرف تُو ہی دُور کر سکتا ہے اور اس بیماری سے صرف تُو ہی شفا بخش سکتا ہے۔

کائنات میں تیرے سوا اور کوئی ہستی ایسی نہیں ہے جو کسی پریشان حال بیمار کو صحت عطا فرما سکے، ہم سب عاجز اور بے بس ہیں، تو اپنے فضل و کرم سے اس کو ایسی شفاء کامل عطا فرما کہ اس کے جسم پر اس مرض کا معمولی اثر بھی باقی نہ رہے اور کوئی دوسرا مرض بھی اس پر حملہ نہ کرے۔

بیمار کے پاس چلّانا اور شور کرنا

(۱۷۶) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ : قَالَ مِنَ السُّنَّةِ تَخْفِيفُ الْجُلُوْسِ وَقِلَّةُ الصَّخَبِ فِي الْعِيَادَةِ عِنْدَ الْمَرِيْضِ۔

(مشکوٰۃ کتاب الجنائز باب عیادۃ المریض)

"حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا، مریض کے پاس شور و غل نہ کرنا اور کم بیٹھنا سُنّت ہے"

تشریح : عیادت کی رُوح یہ ہے کہ مریض کے جسم کو آرام و راحت اور اس کے دل کو مسرت اور تسکین پہنچانے کی کوشش کی جائے۔

ایک اور حدیث میں ہے :

اَلْعِیَادَۃُ فَوَاقَ نَاقَۃٍ (مشکوٰۃ عن انس کتاب الجنائز بحوالہ بیہقی)

"عیادت کے سلسلہ میں بیمار کے پاس صرف اتنی دیر رہنا چاہیے جتنی دیر کہ اونٹنی کو دو دفعہ دوہنے میں ہوتی ہے۔"

خیال رہے کہ اونٹنی کو دوہنے کا طریقہ یہ ہے کہ اسے ایک بار دوہتے ہیں اور پھر اس کے بچہ کو چھوڑ دیتے ہیں، جب دودھ اُتر آتا ہے تو پھر اسے دوہتے ہیں۔

اسی معنیٰ میں ہے وہ حدیث جس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے :

اَفْضَلُ الْعِیَادَۃِ سُرْعَۃُ الْقِیَامِ۔

(مشکوٰۃ عن سعید بن المسیب مرسلا بحوالہ بیہقی)

"بہترین عیادت یہ ہے کہ عیادت کرنے والا کچھ دیر بیمار کے پاس رہے اور پھر جلد اُٹھ کر چلا جائے۔"

چند آدمی، مشہور صوفی حضرت سری سقطی رحمہ اللہ کے مرضِ وفات میں ان کی عیادت کو حاضر ہوئے۔ حضرتؒ کے پیٹ میں درد تھا وہ بہت دیر تک ان کے پاس بیٹھے رہے اور پھر عرض کیا حضرت ہم جانا چاہتے ہیں آپ اللہ تعالیٰ سے ہمارے لیے دُعا کریں، حضرتؒ نے دُعا کی :

"اے اللہ! ان لوگوں کو بیماروں کی عیادت کرنے کا طریقہ سکھا دے۔"

کہا جاتا ہے کہ ایک کاہل آدمی کسی بیمار کی عیادت کو گیا اور بہت دیر تک اس کے پاس بیٹھا رہا اس نے بیمار سے پوچھا آپ کو کیا تکلیف ہے؟ وہ بولا یہی کہ آپ میرے پاس بیٹھے ہیں۔

- ایک آدمی کسی بیمار سے ملنے آیا اور بہت دیر تک اس کے پاس بیٹھا رہا۔ بیمار نے کہا، لوگوں کی بکثرت آمد کی وجہ سے ہمیں بہت تکلیف پہنچی ہے۔ اس آدمی نے کہا میں اُٹھ کر دروازے کو بند کرتا ہوں۔ بیمار نے کہا جی ہاں لیکن باہر سے۔
- کچھ لوگ ایک مریض کے پاس آئے اور بہت دیر تک اس کے پاس بیٹھے رہے،

اور اس سے کہا: آپ ہمیں وصیت کریں:

وہ بولا: میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ جب تم کسی مریض کی عیادت کرو تو زیادہ دیر تک اس کے پاس نہ بیٹھے رہا کرو۔

عیادت کرنے والے کو مریض کے پاس زیادہ دیر تک نہ بیٹھنا چاہیے اِلّا یہ کہ جو مریض اپنے ذاتی تعلق اور دلچسپی کی بنا پر اس کے پاس بیٹھے رہنے کو پسند کرے۔

افسوس ہے کہ بعض لوگ جب تک اپنی طویل اور بے ہنگم تقریر سے بیمار کا دماغ چاٹ نہ لیں اُٹھنے کا نام نہیں لیتے حالانکہ اسلامی نقطۂ نظر سے:

۱۔ مریض کو زیادہ باتیں کرنے پر مجبور کرنا۔

۲۔ اسے زیادہ باتیں سُنانا۔

۳۔ اس سے بحث و مناظرہ کرنا۔

۴۔ کسی معاملہ میں اس سے اُلجھنا اور جھگڑنا۔

۵۔ اس کے پاس شور و شغب کرنا۔

۶۔ اس کے ذوق اور پسند کے خلاف گفتگو کرنا یا رویّہ اختیار کرنا جائز نہیں ہے۔

غیر مسلم کی عیادت

(۱۷۷) كَانَ غُلَامٌ يَهُودِيٌّ يَخْدُمُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَرِضَ فَأَتَاهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَعَدَ عِنْدَ رَأْسِهِ فَقَالَ لَهُ أَسْلِمْ فَنَظَرَ إِلَى أَبِيهِ وَهُوَ عِنْدَهُ فَقَالَ أَطِعْ أَبَا الْقَاسِمِ فَأَسْلَمَ فَخَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَقُولُ: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي أَنْقَذَهُ مِنَ النَّارِ۔

(بخاری عن انس کتاب الجنائز باب اذا اسلم الصبی)

”ایک یہودی لڑکا نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت کیا کرتا تھا۔ وہ بیمار پڑا تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلّم) اس کی عیادت کو تشریف لے گئے۔ آپؐ اس کے سرہانے

بیٹھے اور اس لڑکے سے فرمایا :

"تو مسلم ہو جا" اس نے اپنے باپ کی طرف ــــــ رائے لینے کے انداز میں ــــــ دیکھا جو اس کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ وہ بولا تو ابوالقاسم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بات مان لے، چنانچہ وہ اسلام لے آیا (اور کہا اشہد ان لآ الٰہ اِلاّ اللہ و ان محمدًا رسول اللہ) نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ کہتے ہوئے وہاں سے تشریف لے گئے کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے اسے دوزخ کی آگ سے بچالیا۔"

تشریح : ۱ــ غیر مسلم کی عیادت بھی مسنون ہے، اس معاملہ میں نظریہ یا مسلک کے اختلاف کو رکاوٹ نہ بننا چاہیے۔ افسوس ہے کہ ہمارے دور کے مُتّقی محض فروعی اختلاف کی بنا پر کسی مریض کی عیادت کرنا گوارا نہیں کرتے۔

۲ــ بااثر اور معزز لوگوں کو چاہیے کہ جب ان کا کوئی ملازم یا خادم بیمار پڑ جائے تو اس کی مزاج پُرسی کے لیے اس کے ہاں چل کر جائیں۔

۳ــ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر مسلم کو ملازم رکھنا جائز ہے۔

رشحات

جو شخص کسی بیمار کی عیادت کرے وہ 'عیادت' کے ان 'آداب' کو ضرور ملحوظ رکھے جو حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے طرزِ معاشرت اور ارشادات سے ثابت ہیں:

(۱) مریض کی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر اس کی بیماری اور علاج کے متعلق استفسار کرنا۔

(۲) اور اسے صحت کی دعا دینا۔

(۳) اور اسے دائیں ہاتھ سے مسح کرنا۔

(۴) اس کی تسکین خاطر اور حوصلہ افزائی کرنا۔

(۵) اس کی تیمارداری کرنا۔

(۶) اگر وہ غذا اور علاج کے اخراجات برداشت نہ کر سکے تو اس کی مالی اعانت کرنا۔

(۷) اس کے پاس کم بیٹھنا۔

(۸) اس کے پاس شور و شغب نہ کرنا۔

(۹) اس کے سرہانے بیٹھنا۔

(۱۰) نظریہ اور مسلک کے اختلاف کے باوجود بھی بیمار کی عیادت کرنا۔

باب سوم

(۳)

علاج

ہر بیماری کا علاج

(۱۷۸) عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ دَآءً اِلَّآ اَنْزَلَ لَہٗ شِفَآءً۔ (بخاری عن ابی ہریرۃ کتاب الطب)

"نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے کوئی ایسی بیماری ایجاد نہیں کی جس کا علاج اس نے پیدا نہ کیا ہو۔"

تشریح: ساری کائنات اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تحت چل رہی ہے۔ اس کی مشیّت نے یہ فیصلہ کیا کہ دنیا کے نظام کو اسباب میں جکڑ دیا جائے۔ اس بنا پر حکیم و عَلیم خُدا نے جو چیز بھی بنائی ہے اس کا جواب بھی پیدا کیا ہے۔ اس نے انسان میں بھوک اور پیاس پیدا کی ہے تو اس کو دُور کرنے کے لیے اس نے کھانے پینے کی چیزیں بھی پیدا کی ہیں۔ اگر اس نے انسان میں جنسی خواہش پیدا کی ہے تو اس کی تسکین کے لیے اس نے دوسری صنف کی بھی تخلیق کی ہے۔

بالکل اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اگر بیماریاں ایجاد کی ہیں تو وہ ذرائع اور وسائل بھی اس نے پیدا کیے ہیں جن سے صحّت اور تندرستی حاصل ہوتی ہے اور امراض سے نجات ملتی ہے۔

بیماری کا علاج کرنا، کرانا نہ صرف یہ کہ جائز ہے بلکہ ضروری بھی ہے تاکہ انسان اپنے فرائض اور ذمّہ داریوں سے عہدہ برآ ہو سکے اور کارگاہ حیات میں بھرپور حصّہ لے سکے۔ جس طرح بھُوک اور پیاس کو دور کرنے کے لیے کھانا پینا اللہ پر توکّل کے منافی نہیں ہے اسی طرح بیماری سے شفا پانے کے لیے دوا دارو کرنا بھی توکل کے منافی نہیں ہے بشرطیکہ آدمی یہ نظریہ رکھتا ہو کہ دوا میں خاصیت اور تاثیر ذاتی نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے اس میں خاصیت اور تاثیر رکھ دی ہے۔ دوا کی خاصیت کا ظہور اللہ تعالیٰ کے اِذن اور تقدیر سے وابستہ ہے۔

علاج اور توکّل

(۱۷۹) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لِکُلِّ دَاءٍ دَوَاءٌ فَاِذَا اُصِیْبُ دَوَاءُ الدَّاءِ بَرَأَ بِاِذْنِ اللّٰهِ۔

(مسلم عن جابر کتاب السلام باب لکل داءٍ دواء)

"رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: ہر بیماری کی دوا ہے جب دوا بیماری پر اثر کرتی ہے تو مریض اللہ تعالیٰ کے اذن سے شفایاب ہو جاتا ہے۔"

تشریح: اللہ تعالیٰ نے نہ صرف یہ کہ ہر بیماری کی دوا پیدا کی ہے بلکہ اس نے ہر دوا میں خاصیت اور فوائد بھی رکھ دیے ہیں۔

علم الامراض اور علم الادویہ کا ماہر معالج مریض کو دوا دیتا ہے تو وہ دوا کے استعمال سے شفایاب ہو جاتا ہے بشرطیکہ اللہ تعالیٰ اس دوا کو تاثیر کی اجازت دے۔ اگر اللہ تعالیٰ اسے اجازت نہ دے تو وہ اثر نہیں کرتی اور بے چارے معالج کا علم اور تجربہ دھرے کا دھرا رہ جاتا ہے۔

مریض کو لازماً دوا استعمال کرنی چاہیے لیکن اس حقیقت کے اعتراف کے ساتھ کہ فی الواقع شفا دینے والا اللہ تعالیٰ ہے اور دوا مؤثر حقیقی نہیں بلکہ حصول شفا کا ظاہری سبب ہے۔

بڑھاپے اور موت کا کوئی علاج نہیں

(۱۸۰) عَنْ اُسَامَةَ بْنِ شَرِیْكٍ قَالَ اَتَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَاَصْحَابُهٗ کَاَنَّمَا عَلٰی رُءُوْسِهِمُ الطَّیْرُ فَسَلَّمْتُ ثُمَّ قَعَدْتُ فَجَاءَ الْاَعْرَابُ مِنْ هٰهُنَا وَهٰهُنَا فَقَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَنَتَدَاوٰی؟ فَقَالَ تَدَاوَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی لَمْ یَضَعْ دَاءً اِلَّا وَضَعَ لَهٗ دَوَاءً غَیْرَ دَاءٍ وَاحِدٍ، اَلْهَرَمُ۔

(ابوداؤد کتاب الطب باب الرجل یتداوی)

"حضرت اُسامہ بن شریک سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس حال میں کہ گویا آپ کے صحابہ کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوتے ہیں ـــــ مطلب یہ ہے کہ وہ ادب اور سکون کے ساتھ بالکل خاموش بیٹھے تھے ـــــ میں سلام کرکے بیٹھ گیا تو قرب وجوار کے دیہاتی آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے، انہوں نے پوچھا اے اللہ کے رسول! (صلّی اللہ علیہ وسلّم) کیا ہم علاج کرائیں؟ آپؐ نے فرمایا "علاج کراؤ" اللہ تعالیٰ نے کوئی ایسی بیماری پیدا نہیں کی جس کی دوا اس نے پیدا نہ کی ہو۔ سوائے ایک بیماری کے اور وہ ہے بڑھاپا۔"

تشریح : بڑھاپا ایک ایسا مرض ہے جس کا کوئی علاج نہیں ہے بلکہ وہ بہت سی بیماریوں کی پناہ گاہ بھی ہے، وہ آکر جانے کا نام نہیں لیتا جب تک وہ آدمی کو موت کے حوالے نہ کر دے۔

بوڑھے آدمی میں حرارت غریزی کم ہو جاتی ہے اس کے اعضاء میں کمزوری اور اعصاب میں ڈھیلا پن پیدا ہو جاتا ہے۔

عمر کے آخری دور میں انسان کی قوت عمل کو مقوی غذاؤں اور دواؤں سے عارضی طور پر کچھ نہ کچھ متحرک تو کیا جا سکتا ہے لیکن اس بات کا کوئی امکان نہیں ہے کہ زندگی میں انسان اس آفت جان ـــــ بڑھاپے ـــــ سے پیچھا چھڑا سکے بعض روایات میں ہے کہ:

"اللہ تعالیٰ نے ہر بیماری کی دوا پیدا کی ہے سوائے موت کے۔"

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ بڑھاپے اور موت کے سوا دوسری کوئی بیماری ایسی نہیں ہے جس کا علاج اللہ تعالیٰ نے پیدا نہ کیا ہو۔

شراب اور علاج

(۱۸۱) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰہَ اَنْزَلَ الدَّاءَ وَالدَّوَاءَ وَجَعَلَ لِکُلِّ دَاءٍ دَوَاءً فَتَدَاوُوْا وَلَا تَدَاوُوْا بِحَرَامٍ۔ (ابوداؤد عن ابی الدرداء کتاب الطب باب فی الادویۃ المکروھۃ)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے بیماری اور دوا نازل کی ہے اور اس نے ہر بیماری کی دوا پیدا کی ہے تم علاج کراؤ لیکن حرام چیز سے علاج نہ کراؤ۔"

تشریح: یہ دُنیا عالمِ اسباب ہے۔ انسان کو بیمار پڑنے پر علاج کرانا چاہیے۔ وہ نہ تو دوا کو "مؤثر حقیقی" جانے اور نہ علاج کرانے سے پہلو تہی کرے۔ اعتدال کی راہ یہ ہے کہ جو شخص بیمار ہو وہ علاج کرائے لیکن شفایاب ہونے پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے کہ اُس نے دوا کے استعمال کرنے پر اسے شفا بخشی ہے۔

"تم حرام چیز سے علاج نہ کراؤ" کا مطلب یہ ہے کہ تم شراب کو دوا کے طور پر استعمال نہ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے شراب کو حرام کیا ہے۔

طارق بن سُوید رضؓ کے ایک سوال کے جواب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق فرمایا کہ:

"وہ دوا نہیں بلکہ بیماری ہے"

شراب کے سوا دوسری نجس چیزوں کو دوا کے طور پر استعمال کرنے میں اختلاف ہے۔ اکثر علماء کے نزدیک دوسری نجس چیزوں سے علاج کرنا، کرانا جائز ہے بشرطیکہ ان کی جگہ پاک چیزوں سے علاج کرانا ممکن نہ ہو۔ وہ اس واقعہ سے استدلال کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عرنیین کی جماعت کو ـــــ ان کے پیٹ پھولنے پر ـــــ اونٹ کے پیشاب پینے کی اجازت دی تھی لیکن بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ شراب کی طرح دوسری نجس چیزوں کو بھی دوا کے طور پر استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔

جاہل طبیب

(۱۸۲) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ تَطَبَّبَ وَلَا یُعْلَمُ مِنْہُ طِبٌّ فَھُوَ ضَامِنٌ۔

(ابوداؤد کتاب الدیات)

"رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: جو شخص طبیب نہ ہونے کے باوجود کسی بیمار کا علاج کرے ـــــ اور اسے نقصان پہنچائے تو ـــــ وہ خون بہا ادا کرنے کا ذمہ دار ہے۔"

تشریح : ا۔ بے علم اور کم علم طبیب کے علاج سے اگر کسی مریض کی وفات ہو جائے تو وہ طبیب خون بہا ادا کرنے کا ذمّہ دار ہے اس قاتل کی طرح جسے کسی مسلمان کو سہواً قتل کرنے کی بنا پر خون بہا ادا کرنا پڑتا ہے۔ اگر اس کے علاج سے مریض کو کوئی اور نقصان پہنچے تو اس کے تناسب سے وہ خون بہا ادا کرے گا۔

۲۔ اس سے یہ بات بھی اخذ کی جاسکتی ہے کہ کسی مستند ڈاکٹر یا کامل طبیب کے زیرِ علاج مریض کی وفات ہو جائے یا اسے کسی قسم کا نقصان پہنچے تو معالج پر اس کی ذمہ داری نہیں ہے۔

۳۔ مریض کا علاج صرف اس شخص کو کرنا چاہیے جس نے باقاعدہ طب ـــــ قدیم یا جدید ـــــ پڑھی ہو، اسے مکمّل کیا ہو اور ریاست کے منظور شدہ طبّی اداروں نے جسے علاج کرنے کی اجازت دی ہو اور اس پر اعتماد کیا ہو۔

رہے وہ لوگ جو سرے سے طب نہیں جانتے یا علمِ طب کی تکمیل نہیں کرتے اور مطب کھول کر عوام کی صحت برباد کرتے رہتے ہیں انہیں نہ صرف یہ کہ علاج کرنے کی اجازت نہ ہونی چاہیے بلکہ حکومت ایسے قوانین بنائے کہ اگر وہ علاج کریں تو سزا پائیں۔

۴۔ جس نے کسی قابلِ اعتماد اور مستند طبّی ادارے سے علمِ طب کی تکمیل نہ کی ہو اسے کسی مریض کا علاج کرنا چاہیے اور نہ مطب کھول کر لوگوں کی صحّت سے کھیلنا چاہیے۔

جو شخص علمِ طب کی باقاعدہ تکمیل کے بغیر مطب چلاتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں جوابدہ ہے، اور خلقِ خدا کی زندگی سے کھیلنے کی پاداش میں قیامت کے دن سزا پا کر رہے گا۔

رشحات

علاج کرانے کے متعلق حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے جو ہدایات دی ہیں ان کا خُلاصہ یہ ہے:

(۱) اللہ تعالیٰ نے کوئی بیماری ایسی ایجاد نہیں کی جس کی دوا اُس نے پیدا نہ کی ہو سوائے بڑھاپے اور موت کے۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے ہر دوا میں خاصیت اور فوائد رکھ دیے ہیں، اس کی اجازت کے بغیر کوئی دوا حصول شفا کا باعث نہیں بن سکتی۔

(۳) مریض کو علاج کرانے سے اجتناب یا انکار نہیں کرنا چاہیے۔

(۴) علاج کرانا نہ صرف یہ کہ جائز ہے، بلکہ توکّل کے منافی بھی نہیں ہے۔ اللہ پر توکل کرنے کے معنیٰ یہ نہیں کہ بیمار پڑنے پر آدمی سرے سے علاج ہی نہ کرائے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آدمی بیمار پڑنے پر اپنا علاج کرائے، شفا یاب ہونے پر وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے کہ اس نے اپنے فضل وکرم سے اسے شفا بخشی ہے اور دوا کو اثر کرنے کی اجازت دی ہے۔

(۵) نجس چیزوں سے علاج کرنے، کرانے کے متعلق علماء کا اختلاف ہے۔ اکثر علماء کے نزدیک شراب کے سوا دوسری تمام ناپاک چیزوں سے علاج کرانا جائز ہے بشرطیکہ ان کی جگہ پاک چیزوں سے علاج کرانا ممکن نہ ہو لیکن بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ کسی نجس چیز سے علاج کرانا جائز نہیں ہے چاہے وہ شراب ہو یا کوئی دوسری چیز ہو۔

(۶) جس نے باقاعدہ علمِ طب کی تکمیل نہ کی ہو اسے کسی مریض کا علاج نہ کرنا چاہیے۔

(۷) اگر کسی ناقص طبیب کے علاج سے کسی مریض کی موت واقع ہو جائے تو وہ مریض کے وَرثا کو خوں بہا ادا کرے۔

باب سوم

(۴)

جنازہ

تلقین

(۱۸۳) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَقِّنُوْا مَوْتَاکُمْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔ (مسلم ابی سعید الخدری کتاب الجنائز)

"رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا تم اپنے مرنے والوں کو "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ" یاد دلاؤ۔"

تشریح: جو شخص اس دُنیا کو چھوڑ کر عالمِ برزخ کا رُخ کر رہا ہو اور ظاہری علامات صاف طور پر اس کے مرنے کی پیش گوئی کر رہی ہوں تو تم اس کے قلب و ذہن کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجّہ کرنے کی کوشش کرو۔ اور نہایت شفقت سے اس کے سامنے کلمۂ توحید کا تذکرو تاکہ اس کا خاتمہ ایمان پر ہو۔ جو شخص مرنے سے پہلے خلوص دل سے کلمۂ طیبہ ــــــ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ محمّد رسول اللہ ــــــ کا اقرار کرتا ہے وہ جنّت میں جائے گا۔

آخری لمحات میں وفات پانے والے کو کلمۂ توحید کہنے پر مجبور کیا جائے اور نہ اس کے سامنے بار بار اور کثرت سے کلمۂ طیبّہ کا ذکر کیا جائے کیونکہ بعض اوقات جانکنی کی سختی اور مرض کی شدّت سے آدمی کا دل اسے پسند نہیں کرتا اور ہو سکتا ہے کہ وعظ و نصیحت کے دباؤ سے تنگ آکر وہ کوئی ناشائستہ بات کہہ دے۔

تلقین کا مقصد یہ ہے کہ عالمِ برزخ کے مسافر کو ایمان کے بنیادی اُصول ــــــ توحید، رسالت اور آخرت ــــــ ذہن نشین کرا دیے جائیں اور آخری زندگی کے بڑے بڑے مراحل اور مناظر کی یاد اسے تازہ ہو جائے یہی وجہ ہے کہ حضور صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا:

اِقْرَءُوْا سُوْرَۃَ یٰسٓ عَلٰی مَوْتَاکُمْ۔

(مشکوٰۃ عن معقل بن یسار کتاب الجنائز)

"تم میں سے جو لوگ مرنے لگیں ان کے پاس سورۃ یٰسین کی تلاوت کرو۔"

اللہ تعالیٰ نے سورہ یٰسین میں اس مضمون کو بڑے دل نشین انداز میں بیان فرمایا ہے۔

میّت کو نہلانا

(۱۸۴) عَنْ اُمِّ عَطِيَّةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ دَخَلَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ نَغْسِلُ اِبْنَتَهُ فَقَالَ اِغْسِلْنَهَا ثَلَاثًا اَوْ خَمْسًا اَوْ اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ بِمَاءٍ وَسِدْرٍ وَاجْعَلْنَ فِي الْاٰخِرَةِ كَافُوْرًا فَاِذَا فَرَغْتُنَّ فَاٰذِنَّنِيْ فَلَمَّا فَرَغْنَا اٰذَنَّاهُ فَاَلْقٰى اِلَيْنَا حَقْوَةً فَقَالَ اَشْعِرْنَهَا اِيَّاهُ ـــ وَفِيْ رِوَايَةٍ ـــ قَالَ اِبْدَأْنَ بِمَيَامِنِهَا وَمَوَاضِعِ الْوُضُوْءِ مِنْهَا وَاِنَّ اُمَّ عَطِيَّةَ قَالَتْ فَضَفَرْنَا شَعْرَهَا ثَلَاثَةَ قُرُوْنٍ فَاَلْقَيْنَاهَا خَلْفَهَا۔

(بخاری کتاب الجنائز باب مایجب ان یغسل و تراً)

”حضرت اُمِّ عطیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم ہمارے پاس تشریف لائے اس حال میں کہ ہم آپؐ کی صاحبزادی (حضرت زینبؓ) کو نہلانے کا ارادہ کر رہے تھے۔ آپؐ نے فرمایا: تم اسے پانی اور بیری کے درخت کے پتوں سے نہلاؤ تین بار یا اس سے زیادہ اور آخری بار پانی میں کافور ملا کر اسے نہلاؤ جب تم اس سے فارغ ہو جاؤ تو مجھے اطّلاع کرنا جب ہم اس سے فارغ ہوئیں تو ہم نے حضور (صلّی اللہ علیہ وسلّم) کو مطلع کیا۔ آپؐ نے اپنا تہبند ہماری طرف پھینکا اور فرمایا: اس تہبند کو اس کے جسم سے لپیٹ دو، ایک روایت میں ہے آپؐ نے فرمایا: ”نہلانے کی ابتدا وضو سے اور اس کے دائیں اعضا سے کرو۔“

اُمِّ عطیہؓ کہتی ہیں ہم نے اس کے سر کے بال گوندھے اور اس کی تین چُٹیاں بنائیں اور ان کو اس کی پیٹھ پر ڈال دیا۔“

تشریح: عرب معاشرے میں قدیم زمانے سے یہ رسم چلی آ رہی تھی کہ وہ:

۱۔ مُردے کو نہلاتے۔

۲۔ اسے کفن پہناتے۔

۳۔ اور قبر میں دفن کرتے۔

حضور صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم نے اس رسم کو برقرار رکھا اور اس پر

۴۔ نمازِ جنازہ

کا اضافہ کیا۔ حضور صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم اور صحابہؓ کرام کے دَور سے اب تک مُسلم معاشرے میں اس پر عمل ہو رہا ہے۔

میّت کے سلسلہ میں یہ چار اصول امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک فرض کفایہ ہیں اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک واجب ہیں۔

اس کے علاوہ ان چار کاموں کے مسنون ہونے پر بھی ائمہ کا اتفاق ہے:

۱۔ مُردے کو نہلانے کی ابتدا وضو سے کرنا

۲۔ اسے تین بار نہلانا

بدن کی نظافت کے لیے اگر حاجت ہو تو اسے کئی بار بھی نہلایا جا سکتا ہے لیکن اس بات کا خاص طور پر خیال رہے کہ نہلانے کی تعداد کا عدد طاق ہو۔

۳۔ اس کے نہلانے میں بیری کے درخت کے پتّوں سے مخلوط پانی استعمال کرنا

۴۔ اور آخری بار کے غسل میں کافور استعمال کرنا

اللہ تعالیٰ نے اپنی خلق کو جن بیشمار نعمتوں سے نوازا ہے پانی ان میں سے ایک نہایت اہم اور ضروری نعمت ہے اور یہ ایک حقیقت ہے کہ انسانی زندگی کا بیشتر انحصار پانی پر ہے۔ آدمی جس طرح دُنیا میں پاک صاف ہو کر ــــ ظاہر بات ہے کہ یہ طہارت اور لطافت اسے پانی سے حاصل ہوتی ہے ــــ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضری دیتا رہا ہے اسی طرح مرنے کے بعد بھی وہ پاک اور صاف ستھرا ہو کر عالم برزخ میں پہنچے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو قابلِ احترام پیدا کیا ہے۔ مرنے کے بعد اس کے احترام کو برقرار رکھنے کا طریقہ یہ ہے کہ اسے پانی سے نہلا کر پاک صاف کیا جائے۔ اسے اچھا کفن پہنایا جائے، اس کی مغفرت کے لیے اللہ تعالیٰ سے دُعا اور سفارش کی جائے اور پھر اسے قبر میں دفن کر دیا جائے۔

غسل کا معمولی درجہ یہ ہے کہ مُردے کے بدن سے غلاظت اور نجاست کے ازالہ کے بعد ایک بار سارے بدن پر پانی بہا دیا جائے۔

اور مکمّل غسل یہ ہے کہ اسے ٹھنڈے یا گرم پانی سے تین بار نہلایا جائے۔ اگر تین بار سے زیادہ نہلانے کی ضرورت ہو تو اسے کئی بار بھی نہلایا جا سکتا ہے لیکن اس بات کا خیال رہے کہ نہلانے کی مجموعی تعداد کا عدد طاق ہو۔ غسل کی ابتداء وضو سے اور بدن کے دائیں جانب کے دھونے سے ہونی چاہیے۔ مُردے کو وضو کرانے کا طریقہ یہ ہے کہ سب سے پہلے اس کا چہرہ دھویا جائے۔

—— یاد رہے کہ نہ تو اسے کُلّی کرانی ہے اور نہ اس کے ناک میں پانی چڑھانا ہے ——

پھر دونوں ہاتھ کہنیوں تک دھو کر اس کے سر کا مسح کیا جائے اور اس کے دونوں پاؤں ٹخنوں تک دھونے چاہئیں۔

دائیں جانب کے حصّہ کو دھونے کے معنیٰ یہ ہیں کہ اس کا دایاں ہاتھ بغل تک، دایاں پہلو اور دائیں ٹانگ دھوئی جائے۔

غسل میں بیری کے درخت کے پتّوں کو استعمال کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ پانی کے ایک چھوٹے سے برتن میں بیری کے پتّوں کو ملائیں یا جوش دیں۔

اس مخلوط پانی کو مُردے کے سر، داڑھی اور سارے بدن پر ڈال کر خوب مَلیں اور پھر دوسرے صاف پانی سے اسے نہلائیں۔ بیماری اور دوسرے وجوہ کی بنا پر مُردے کے جسم میں بدبو اور عفونت پیدا ہو جاتی ہے اور اس پر میل جم جاتا ہے، بیری کے درخت کے پتّوں سے مخلوط پانی سے مردے کو کئی بار نہلانے سے نہ صرف یہ کہ اس کا بدن مَیل کچیل سے صاف ہو جاتا ہے بلکہ اس پر سے بَدبُو زائل ہو جاتی ہے۔

اس مقصد کے لیے اچھا صابون بھی استعمال کیا جا سکتا ہے۔
آخری بار اسے جس پانی سے نہلایا جائے اس میں تھوڑا سا کافور ضرور ملا لینا چاہیئے۔
اس کے فائدے یہ ہیں:
۱۔ مُردے کا بدن جلدی خراب نہیں ہوتا
۲۔ مُوذی جانور اس کے قریب نہیں پھٹکتے
۳۔ اس کا جسم ٹھنڈا، خشک اور سخت ہو جاتا ہے
بعض ائمہ کے نزدیک
وَاجْعَلْنَ فِي الْآخِرَةِ كَافُوْرًا۔ کا ترجمہ یہ ہے:
"تم غسل کے آخر میں کافور استعمال کرو۔"
اس کا مطلب یہ ہے کہ جب غسل کے بعد اس کا بدن خشک ہو جائے تو اس کے بدن پر کافور لگا دو۔
امام شافعیؒ کے نزدیک عورت کو نہلانے کے بعد اس کے سر کے بال گوندھے جائیں، اس کی تین چُٹیاں بنا کر اس کے پیچھے ڈال دی جائیں۔
امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کے بال نہ گوندھے جائیں، بلکہ انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے۔
یہ قول بھی امام صاحب کی طرف منسوب ہے کہ اس کے بال اس کے سینے پر لٹکا دیے جائیں

بیوی شوہر کو نہلا سکتی ہے

(۱۸۵) اِنَّ اَسْمَاءَ بِنْتَ عُمَيْسٍ۔ اِمْرَأَةَ اَبِىْ بَكْرِ الصِّدِّيْقِ غَسَلَتْ اَبَا بَكْرِ الصِّدِّيْقَ حِيْنَ تُوُفِّيَ ثُمَّ خَرَجَتْ فَسَأَلَتْ مَنْ حَضَرَهَا مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ فَقَالَتْ، اِنِّيْ صَائِمَةٌ وَاِنَّ هٰذَا الْيَوْمُ شَدِيْدُ الْبَرْدِ فَهَلْ عَلَيَّ مِنْ غُسْلٍ؟ فَقَالُوْا، لَا۔
(موطا مالک کتاب الجنائز باب غسل المیت)

"جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات (۸ رجادی الاخریٰ ۱۳ھ) ہوئی تو ان کی بیوی اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے ان کو نہلایا پھر وہ گھر سے باہر آئیں اور مہاجرین سے جو ـــــ اس وقت وفات کی خبر سُن کر ـــــ ان کے پاس آئے تھے پوچھا میں روزے سے ہوں اور آج کے دن سخت سردی ہے کیا مجھے لازماً غسل کرنا پڑے گا؟ انہوں نے جواب دیا نہیں"

تشریح: مُردے کو نہلانے کے معاملہ میں مسلمانوں میں یہ طریقہ رائج ہے کہ مَرد، مَردوں کو اور عورتیں عورتوں کو نہلائیں۔ نہلانے کا سب سے زیادہ مُستحق وہ شخص ہے جو اس کی صلاحیت اور قدرت رکھتا ہو مُردہ عورت کو وہ عورت نہلائے جو دوسری عورتوں کے مقابلہ میں اس کام کی صلاحیت اور قدرت زیادہ رکھتی ہو۔

مُردہ مَرد کو وہ مرد نہلائے جو سب سے زیادہ اس کی صلاحیت اور قدرت رکھتا ہو۔

(۲) ائمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ بیوی اپنے مردہ شوہر کو نہلا سکتی ہے جیسا کہ اس حدیث کے مضمون سے ثابت ہے۔

(۳) کیا شوہر اپنی مُردہ بیوی کو نہلا سکتا ہے؟

امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک جائز ہے کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو نہلایا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا۔

"اگر تو نے مجھ سے پہلے وفات پائی تو میں تجھے نہلاؤں گا اور کفن پہناؤں گا۔"

(ابن ماجہ)

لیکن امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ شوہر کا اپنی مُردہ بیوی کو نہلانا جائز نہیں ہے۔

(۴) جب عورت کی وفات ہو جائے اور اس کے پاس اس کے شوہر کے سوا اور کوئی نہ ہو تو وہ اسے تیمّم کرائے۔

اسی طرح اگر اس کے پاس اس کے محرم کے سوا اور کوئی نہ ہو تو وہ کپڑے سے

اسے تیمّم کرائے۔

(۵) حنفیہ اور شافعیہ کا اس پر اتفاق ہے کہ عورت اگر مر جائے اور ایک اجنبی مرد کے سوا اور کوئی اس کے پاس نہ ہو تو وہ اسے تیمّم کرائے۔

(۶) جب مَرد مَر جائے اور ایک اجنبی عورت کے سوا اور کوئی اس کے پاس نہ ہو تو وہ اس کو تیمّم کرائے۔

اسی طرح اگر اس کے پاس عورتوں کے سوا اور کوئی نہ ہو تو وہ اسے تیمّم کرائیں۔

(۷) اس بات پر تقریباً سب ائمہّ کا اتفاق ہے کہ جو شخص مُردے کو نہلائے اس پر غسل کرنا واجب نہیں ہے بلکہ مستحب ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک یہ مسنون ہے۔

حنفی مکتب فکر کے امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

جو شخص مُردے کو نہلائے اس کے لیے غسل یا وضو کرنا ضروری نہیں ہے۔

اگر مُردے کے غسل کا مستعمل پانی جسم کے کسی حصّہ پر پڑ جائے تو وہ اُسے ضرور دھو ڈالے۔ (مؤطا امام محمد)

اچھّا کفن

(۱۸۶) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا کَفَّنَ اَحَدُکُمْ اَخَاہُ فَلْیُحْسِنْ کَفَنَہٗ۔

(مسلم عن جابر کتاب الجنائز۔ ابوداؤد کتاب الجنائز)

"رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی کو کفن پہنائے تو اسے اچھّا کفن دے۔"

تشریح: مُردے کو اچھّا کفن پہنانے کے معنٰی یہ نہیں ہیں کہ اس کے کفن کے لیے نہایت نفیس اور قیمتی کپڑا خرید کیا جائے اور فضول خرچی کی جائے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ کفن کے لیے جو کپڑا مہیّا کیا جائے وہ:

ا ــــ پاک اور صاف ستھرا ہو۔

۲۔ گاڑھا ہو۔

۳۔ سر سے پاؤں تک سارے جسم کو ڈھانکنے والا ہو۔

۴۔ اور درمیانہ درجے کا ہو۔

کفن نہ ہو تو اس کے لباس سے ــــ جسے وہ زندگی میں پہنتا تھا ــــ زیادہ عمدہ ہو اور نہ اس سے کم درجے کا ہو۔

مرنے کے بعد اسے اس معیار کا کفن پہنانا چاہیے جس معیار کا لباس وہ عام طور پر زندگی میں پہنتا رہا ہے۔

سفید کفن

(۱۸۷) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِلْبَسُوْا مِنْ ثِیَابِکُمُ الْبِیْضِ فَاِنَّھَا مِنْ خَیْرِ ثِیَابِکُمْ وَکَفِّنُوْا فِیْھَا مَوْتَاکُمْ۔

(ابوداؤد عن ابن عباس کتاب اللباس ترمذی ابواب الآداب)

"رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا، تم سفید کپڑے پہنو وہ تمہارا بہترین لباس ہیں اور اپنے مُردوں کو سفید کپڑے کا کفن پہناؤ۔"

تشریح: حضور صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی نگاہ میں سفید لباس سب سے اچھا ہے، اس بنا پر آپؐ نے مُردوں کو سفید کپڑے سے کفن پہنانے کا حکم دیا ہے۔ اگر سفید کپڑا میسّر نہ ہو تو مُردے کو دوسرے رنگ کا کفن بھی پہنایا جا سکتا ہے۔ غزوۂ اُحد میں آپؐ کی اجازت سے حضرت مُصعَب بن عُمیرؓ کو دھاریدار چادر کا کفن پہنایا گیا تھا۔

اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ اس کو اس قسم کے کپڑے کا کفن دیا جائے جس قسم کے کپڑے کا لباس وہ زندگی میں پہنتا تھا۔

حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے سفید لباس کو بہت پسند فرمایا ہے لیکن عام طور پر دوسرے رنگ کا لباس زیب تن فرماتے تھے۔

غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ آپؐ وہ لباس پہنتے جو آپ کو میسّر آتا۔

اس کی دوسری وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ اگر آپؐ ہمیشہ سفید لباس پہنتے تو آپؐ کے ماننے والے دوسرے رنگ کے لباس کو مکروہ جانتے۔

کفن میں غلو نہ کرو

(۱۸۸) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تُغَالُوْا فِی الْکَفَنِ فَاِنَّہٗ یُسْلَبُہٗ سَلْبًا سَرِیْعًا۔ (ابوداؤد عن علی کتاب الجنائز)

"رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا تم کفن میں حد سے نہ بڑھو وہ میّت سے بہت جلد چھین لیا جاتا ہے۔"

تشریح: مطلب یہ ہے کہ تم مُردے کو مہنگا کفن نہ پہناؤ۔

نہایت عمدہ اور مہنگا کفن بالآخر بوسیدہ ہوکر بہت جلد ضائع ہوجاتا ہے۔ اعتدال کی راہ یہ ہے کہ جس کپڑے سے کفن تیار کیا جائے وہ نہ تو میّت کے لباس سے — جسے عام طور پر وہ زندگی میں پہنتا تھا — زیادہ عمدہ ہو اور نہ اس سے ادنیٰ درجے کا ہو۔

جاہلیت کے زمانہ میں مُردے کو نہایت اعلیٰ درجے کا اور مہنگا کفن پہنانے کا رواج تھا۔

میّت کی متروکہ جائداد سے سب سے پہلے تو قبر کھودنے اور نہلانے کی اُجرت اور کفن کی قیمت ادا کی جائے، پھر اگر وہ مقروض ہو تو اس کا قرض ادا کیا جائے، پھر اس کی وصیّت نافذ کی جائے۔ اور باقی جائداد ورثہ میں تقسیم کی جائے۔

اگر میّت کی جائداد نہ ہو تو کفن وغیرہ کا خرچ اس کے سرپرست کے ذمّہ ہوگا اگر اس کا سرپرست نہ ہو تو پھر مسلمانوں کے بیت المال سے ادا کیا جائے۔

حضور (صلّی اللہ علیہ وسلّم) کا کفن

(۱۸۹) اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کُفِّنَ فِیْ ثَلَاثَۃِ اَثْوَابٍ بِیْضٍ سَحُوْلِیَّۃٍ، لَیْسَ فِیْھَا قَمِیْصٌ وَّلَا عِمَامَۃٌ۔

(بخاری عن عائشۃ کتاب الجنائز باب الکفن بلا عمامۃ)

"رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو (خالص روئی کے) تین سفید کپڑوں کا (جو یمن

کے قریہ سحول کے ساختہ تھے، کفن پہنایا گیا تھا ان میں کرتہ اور پگڑی نہ تھی"۔

تشریح: میت کو کفن پہنانا واجب ہے کفن سے مقصود یہ ہے کہ میت کے سارے بدن — سر سے پاؤں تک — کو ڈھانک دیا جائے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک مرد کے لیے مسنون کفن یہ ہے کہ کپڑے کے تین لفافوں کا اسے کفن پہنایا جائے، ان میں کرتہ اور پگڑی نہ ہو۔

حنفیہ کے نزدیک مرد کے لیے مسنون کفن یہ ہے کہ:

۱— ازار — جو میّت کو سر سے پاؤں تک ڈھانک دے، اگر یہ لفافے کی شکل میں ہو تو بہتر ہے۔

۲— کرتہ — گریبان اور آستینوں کے بغیر

۳— اور لفافہ

ہو۔ حنفیہ حضرت عبداللہ بن عمروؓ کے اس قول سے استدلال کرتے ہیں:

اَلْمَيِّتُ يُقَمَّصُ وَيُؤَزَّرُ وَيُلَفُّ بِالثَّوْبِ الثَّالِثِ وَاِنْ لَّمْ يَكُنْ اِلَّا ثَوْبٌ وَّاحِدٌ كُفِّنَ فِيْهِ۔ (موطا مالک کتاب الجنائز)

"میّت کو کرتہ اور ازار پہنایا جائے اور تیسرے کپڑے میں اسے لپیٹ دیا جائے اگر صرف ایک ہی کپڑا مہیا ہو سکے تو پھر میّت کو اس ایک کپڑے کا کفن پہنایا جائے"۔

رہی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وہ روایت جس میں وہ فرماتی ہیں کہ:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تین سفید کپڑوں کا کفن پہنایا گیا تھا ان میں کرتہ اور پگڑی نہ تھی"۔

تو یہ عبداللہ بن عمروؓ کے مندرجہ بالا قول کی تفسیر ہے۔

عبداللہ بن عمروؓ کے قول میں جس کرتہ کا ذکر ہے اس سے مراد وہ کرتہ ہے جو گریبان ورآستین کے بغیر ہو۔

اور حضرت عائشہؓ کی روایت میں جس کرتہ کے نہ ہونے کا ذکر ہے اس سے مراد

گریبان اور آستینوں والا وہ کرتہ ہے جسے عام طور پر لوگ زندگی میں پہنتے ہیں۔

کفن کے لیے تین کپڑے مہیا نہ ہو سکیں تو پھر جو کچھ بھی میسر آئے جائز ہے چاہے ایک کپڑا ہو، اس پر سب ائمہ کا اتفاق ہے۔

غزوۂ اُحد میں جب حضرت مُصعب بن عُمیرؓ شہید ہوئے تو ان کے کفن کے لیے ایک دھاریدار چھوٹی چادر کے سوا اور کچھ نہ ملا۔ اگر اس سے ان کا سر ڈھانکا جاتا تو پاؤں برہنہ رہتے، اگر ان کے پاؤں ڈھانکے جاتے تو ان کا سر برہنہ رہتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا:

"ان کے سر ڈھانک دو اور ان کے پاؤں پر اِذخر (ایک خوشبو دار گھاس) ڈال دو۔"

عورت کے کفن کے لیے پانچ کپڑے ہوتے ہیں۔

مسجد میں نمازِ جنازہ

(۱۹۰) اِنَّ عَائِشَۃَ اَمَرَتْ اَنْ یَّمُرَّ بِجَنَازَۃِ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ فِی الْمَسْجِدِ فَتُصَلِّیَ عَلَیْہِ فَاَنْکَرَ النَّاسُ ذٰلِکَ عَلَیْھَا فَقَالَتْ مَا اَسْرَعَ مَا نَسِیَ النَّاسُ مَا صَلّٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلٰی سُھَیْلِ بْنِ بَیْضَآءَ اِلَّا فِی الْمَسْجِدِ۔

(مسلم کتاب الجنائز)

"حضرت عائشہؓ نے مطالبہ کیا کہ سعد بن ابی وقّاص کا جنازہ مسجد میں لایا جائے تاکہ وہ اس کے لیے دُعا کریں۔ لوگوں نے اس مسئلہ میں ان پر نکتہ چینی کی تو انہوں نے فرمایا کہ لوگ اس بات کو کتنی جلد بھول گئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے سہیل بن بیضاء (متوفی ۹ھ) کا جنازہ نہیں پڑھا گیا مگر مسجد میں۔"

تشریح: حضرت سعد بن ابی وقّاص رضی اللہ عنہ (متوفی ۵۵ھ) ان دس خوش نصیب صحابہ میں سے ہیں جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے جنّتی ہونے کی بشارت دی تھی۔ انہوں نے حضرت معاویہؓ کے عہدِ حکومت میں، مدینہ سے دس میل کے فاصلہ پر اپنے محل میں ——

جو وادی عقیق میں تھا ـــــ وفات پائی۔

جنّت البقیع میں دفن کرنے کے لیے ان کا جنازہ مدینہ لایا گیا تو حضرت عائشہؓ اور دوسری ازواجِ مطہراتؓ نے مطالبہ کیا کہ ان کا جنازہ مسجد نبوی میں پڑھا جائے تاکہ وہ بھی ان کے لیے دُعا کریں لیکن صحابہ و تابعین نے ان کی بات نہ مانی تو انہوں نے اپنی رائے کی تائید میں یہ بتایا کہ نبی صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے سُہَیل بن بیضاء کا جنازہ مسجد میں پڑھا تھا۔

یہ امر واقعہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدّیق رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ حضرت عمرؓ نے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے مہاجرین اور انصار کی موجودگی میں مسجد نبوی میں پڑھائی تھی۔ اور ان میں سے کسی نے بھی اس پر اعتراض نہ کیا تھا، اس بنا پر امام شافعیؒ اور امام احمدؒ مسجد میں نماز جنازہ پڑھنے کو جائز سمجھتے ہیں۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مسجد میں نمازِ جنازہ نہ پڑھی جائے کیونکہ صحابہؓ نے نہ صرف یہ کہ حضرت عائشہؓ کی اس تمنّا کو ـــــ کہ سعد بن ابی وقاصؓ کا جنازہ مسجد میں پڑھا جائے ـــــ قبول نہ کیا بلکہ انہوں نے اس پر نکتہ چینی بھی کی۔ اس معاملہ میں ان کی نکتہ چینی کرنے کے معنیٰ یہ تھے کہ ان کے نزدیک مسجد سے باہر نماز جنازہ پڑھنا ایک طے شدہ امر تھا۔ اور اس پر عمل ہو رہا تھا۔ اس کے علاوہ نبی صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے اس ارشادِ گرامی:

مَنْ صَلّٰی عَلٰی جَنَازَۃٍ فِی الْمَسْجِدِ فَلَا شَیْئَ لَہٗ۔

(ابوداؤد عن ابی ہریرہ کتاب الجنائز)

"جس نے مسجد میں نمازِ جنازہ پڑھی اس کے لیے کچھ نہیں ہے"

سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد میں نماز جنازہ نہ پڑھی جائے۔

اس سلسلہ کی تمام روایات کو جمع کرنے سے حضور صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی سُنّت اور عادت یہ معلوم ہوتی ہے کہ جنازے کی نماز مسجد سے باہر پڑھی جائے اِلّا یہ کہ کوئی عذر ہو۔ مسجد اور مسجد سے باہر نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے لیکن افضل یہ ہے کہ مسجد سے باہر ہی پڑھی جائے۔

نماز جنازہ میں چار تکبیریں

(۱۹۱) اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَعَی لِلنَّاسِ النَّجَاشِیَّ
الْیَوْمَ الَّذِی مَاتَ فِیْہِ وَخَرَجَ بِھِمْ اِلَی الْمُصَلّٰی فَصَفَّ
بِھِمْ وَکَبَّرَ اَرْبَعَ تَکْبِیْرَاتٍ۔ (بخاری کتاب الجنائز، مسلم کتاب الجنائز)

"نجاشی نے جس دن وفات پائی تھی اس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو اس کی وفات کی خبر دی۔ آپؐ ان کو عید گاہ کی طرف لے گئے، پھر ان کو صف میں کھڑا کیا اور چار تکبیروں کے ساتھ اس کی نماز جنازہ پڑھائی۔"

تشریح: (۱) حبشہ کے بادشاہ کا نام اَصْحمہ اور لقب، نجاشی تھا جیسا کہ روم کے بادشاہ کو "قیصر" اور ایران کے بادشاہ کو "کسریٰ" کہا جاتا تھا وہ بن دیکھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آیا تھا جب مسلمانوں نے مکّہ سے حبشہ کی طرف دوبارہ ہجرت کی تو اس نے ان کی بہت حوصلہ افزائی کی تھی اور ان سے بہترین سلوک کیا تھا۔ جب ۹ھ میں اس کی وفات ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی وفات سے مطلع فرما دیا۔ آپؐ نے صحابہؓ کو اس کی وفات کی خبر دی اور فرمایا کہ "تم اپنے بھائی کے لیے استغفار کرو"۔ پھر آپؐ نے ان کی تین صفیں بنائیں اور چار تکبیروں کے ساتھ اس کی نماز جنازہ پڑھائی۔

(۲) اس حدیث سے امام شافعیؒ اور امام احمدؒ نے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ میّت غائب ہو تو اس کی نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے، ابن حزمؒ نے تو یہ دعویٰ کیا ہے کہ کسی صحابی سے اس کا انکار ثابت نہیں ہے۔

امام ابو حنیفہؒ اور ایک روایت میں امام مالکؒ اس کے جواز کے قائل نہیں ہیں۔ اس حدیث کی تاویل میں وہ کہتے ہیں کہ نجاشی کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خصوصیات میں سے ہے۔

(۳) کیا قبر پر نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے؟

امام شافعیؒ کے نزدیک قبر پر نماز جنازہ پڑھنا صحیح ہے چاہے میّت کو قبر میں دفن کرنے سے پہلے اس کی نماز جنازہ پڑھی گئی ہو یا نہ پڑھی گئی ہو۔

ان کا ایک قول یہ ہے کہ تین دن تک قبر پر نمازِ جنازہ پڑھنا جائز ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ ایک مہینے تک اس کی نمازِ جنازہ پڑھی جاسکتی ہے اور ان کا تیسرا قول یہ ہے کہ جب تک قبر میں میّت کے جسم کے کسی جزء کے باقی رہنے کا امکان ہو اس وقت تک قبر پر نمازِ جنازہ پڑھنا جائز ہے۔

حنفیہ کے نزدیک قبر پر نمازِ جنازہ پڑھنا صحیح نہیں ہے، البتّہ جس میت کی نمازِ جنازہ نہ پڑھی گئی ہو اور اسے دفن کردیا گیا ہو، تین دن تک اس کی قبر پر نمازِ جنازہ پڑھنا جائز ہے۔

کسی میّت کی نمازِ جنازہ صرف ایک بار ہی پڑھی جاسکتی ہے۔

(۴) نمازِ جنازہ جماعت کے ساتھ پڑھنا مسنون ہے، اس میں چار تکبیریں ہوتی ہیں۔ امام کے پیچھے لوگوں کا تین صفوں میں کھڑا ہونا مستحب ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک صرف پہلی تکبیر کے وقت ہاتھ اٹھائے جائیں اور دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھا جائے۔

اور امام شافعی رحمہ اللہ ہر تکبیر پر ہاتھ اُٹھانے کے قائل ہیں۔

امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کی یہ متفقہ رائے ہے کہ امام کو چوتھی تکبیر کے بعد دائیں اور بائیں طرف دو بار بلند آواز سے السّلام علیکم کہنا چاہیے۔

(۵) جو شخص وفات پائے اس کے رشتہ داروں، دوستوں اور صالحین کو اس کی وفات سے مطلع کرنا مسنون ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ افراد اس کے جنازے میں شرکت کریں اور اللہ تعالیٰ سے اس کی مغفرت کے لیے دُعا کریں۔

(۶) جو شخص حق و باطل کے معرکہ میں "شہید" ہوا سے اس کے خوُن آلود لباس کے ساتھ قبر میں دفن کیا جائے اور اسے نہلایا نہ جائے۔

حنفیہ کے نزدیک اس کی نمازِ جنازہ پڑھنی چاہیے۔ امام احمدؒ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اس کی نمازِ جنازہ نہ پڑھی جائے۔

(۷) اور جب "مُحرِم" ـــــ جس نے حج یا عُمرہ کا احرام باندھ رکھا ہو ـــــ کی

وفات ہو جائے تو احرام کے دونوں کپڑوں کا اسے کفن پہنایا جائے، اس کے سر کو نہ ڈھانپا جائے اور اسے کسی قسم کی خوشبو نہ لگائی جائے۔

جنازے کو دیکھ کر کھڑے ہونا

(۱۹۲) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا رَأَیْتُمُ الْجِنَازَۃَ فَقُوْمُوْا فَمَنْ تَبِعَھَا فَلَا یَجْلِسْ حَتّٰی تُوْضَعَ۔

(مسلم عن ابی سعید الخدری کتاب الجنائز، بخاری کتاب الجنائز)

"رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا، جب تم جنازے کو دیکھو تو کھڑے ہو جاؤ جو شخص جنازے کے ساتھ جائے وہ نہ بیٹھے جب تک اسے رکھ نہ دیا جائے"

تشریح: جس شخص کے سامنے جنازہ گزرے اور وہ اس کے ساتھ نہ جانا چاہے تو کیا وہ اسے دیکھ کر کھڑا ہو جائے یا بیٹھا رہے؟

اس حدیث کے علاوہ دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے کھڑے ہو جانا چاہیے جب تک جنازہ اس کی نگاہ سے غائب نہ ہو۔

شافعی مسلک کے بعض محقّقین اور ابن حزمؒ نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ جنازے کو دیکھ کر کھڑے ہونا مستحب ہے اور بیٹھے رہنا جائز ہے۔

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ اس معاملہ میں انسان کو اختیار ہے چاہے تو جنازے کو دیکھ کر کھڑا ہو جائے اور چاہے تو کھڑا نہ ہو اور بیٹھا رہے۔

لیکن امام ابوحنیفہؒ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک اس حکم کو حضرت علیؓ کی اس روایت کردہ حدیث نے منسوخ کر دیا ہے:

اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَقُوْمُ فِی الْجَنَائِزِ ثُمَّ جَلَسَ بَعْدُ۔

(مؤطا مالک کتاب الجنائز۔ ابوداؤد کتاب الجنائز۔ ترمذی ابواب الجنائز)

"رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم جنازوں کو دیکھ کر کھڑے ہو جاتے تھے، پھر بعد میں آپؐ (کسی جنازے کو دیکھ کر کھڑے نہ ہوتے بلکہ) بیٹھے رہتے"

رہا وہ شخص جو جنازے کے ساتھ جائے تو اسے نہ بیٹھنا چاہیے جب تک جنازے کو کندھوں سے اُتار کر زمین پر نہ رکھ دیا جائے۔

نمازِ جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھنا

(۱۹۳) عَنْ طَلْحَةَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ صَلَّيْتُ خَلْفَ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عَلٰى جَنَازَةٍ فَقَرَأَ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ قَالَ لِتَعْلَمُوْا اَنَّهَا سُنَّةٌ۔ (بخاری کتاب الجنائز باب قرأۃ الفاتحۃ علی الجنازۃ)

"طلحہ بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے عبداللہ بن عباسؓ کے پیچھے ایک جنازے پر نماز پڑھی انہوں نے سورۃ فاتحہ پڑھی اور فرمایا (میں نے سورۃ فاتحہ اس لیے پڑھی ہے) تاکہ تم جان لو کہ اس کا پڑھنا سُنّت ہے"

تشریح: اس حدیث کی بنا پر امام شافعیؒ نے پہلی تکبیر کے بعد سورۃ فاتحہ پڑھنے کو بہت ضروری قرار دیا ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک پہلی تکبیر کے بعد ثنا پڑھی جائے۔ اگر قرأت کے ارادے سے نہیں بلکہ صرف ثنا اور دُعا کی نیت سے سورۂ فاتحہ پڑھ لی جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ وہ نمازِ جنازہ میں قرآن پڑھنے کو جائز نہیں سمجھتے اور حسبِ ذیل روایت سے استدلال کرتے ہیں:

اِنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ لَا يَقْرَأُ فِي الصَّلٰوةِ عَلَى الْجَنَازَةِ۔ (مؤطا مالک کتاب الجنائز)

"حضرت عبداللہ بن عمرؓ جنازے کی نماز میں قرآن نہیں پڑھتے تھے"

امام شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ کے نزدیک پہلی تکبیر کے بعد سورۃ فاتحہ کا پڑھنا مستحب ہے ان کی اس توجیہ سے حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابن عمرؓ کی طرف منسوب اختلاف رفع ہو جاتا ہے۔

میّت کے لیے دُعا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنازے پر نماز کی تیسری تکبیر کے بعد جو دعائیں

کی ہیں وہ یہ ہیں :

(۱)

(۱۹۴) حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جنازے پر نماز پڑھائی تو میں نے آپؐ کی دُعا کو زبانی یاد کرلیا۔ آپؐ فرما رہے تھے :

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَہٗ وَارْحَمْہُ وَعَافِہٖ وَاعْفُ عَنْہُ وَاَکْرِمْ نُزُلَہٗ وَوَسِّعْ مُدْخَلَہٗ وَاغْسِلْہُ بِالْمَاءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ وَنَقِّہٖ مِنَ الْخَطَایَا کَمَا یُنَقَّی الثَّوْبُ الْاَبْیَضُ مِنَ الدَّنَسِ وَاَبْدِلْہُ دَارًا خَیْرًا مِّنْ دَارِہٖ وَاَھْلًا خَیْرًا مِّنْ اَھْلِہٖ وَزَوْجًا خَیْرًا مِّنْ زَوْجِہٖ وَاَدْخِلْہُ الْجَنَّۃَ وَاَعِذْہُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ عَذَابِ النَّارِ ـــ وَفِیْ رِوَایَۃٍ ـــ وَقِہٖ فِتْنَۃَ الْقَبْرِ وَعَذَابَ النَّارِ قَالَ حَتّٰی تَمَنَّیْتُ اَنْ اَکُوْنَ اَنَا ذٰلِکَ الْمَیِّتُ۔ (مسلم کتاب الجنائز۔ نسائی کتاب الجنائز)

"اے اللہ! اس کے گناہ معاف کردے اور اس پر رحم فرما اسے سختیوں سے نجات دے اور اس کی کوتاہیوں سے درگزر فرما اسے باعزّت رزق دے اور اس کی قبر کو کشادہ کر، اور اس (کے گناہوں) کو (اپنی رحمت کے) پانی اور (مغفرت کی) برف اور (کرم کے) اولے سے دھو دے اور اس کو غلطیوں سے پاک کر جیسے سفید کپڑے کو میل کچیل سے صاف ستھرا کیا جاتا ہے، اس کے گھر کے عوض میں اسے بہتر گھر دے اور اس کے کنبے کے بدلے میں اسے بہتر کنبہ عطا فرما اور اس کی بیوی کے بدلے میں بہتر بیوی دے، اسے قبر اور آگ کے عذاب سے پناہ دے، قبر کے فتنہ اور آگ کے عذاب سے اس کو محفوظ رکھ۔"

عوف بن مالکؓ کہتے ہیں (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے یہ دُعا مجھے بہت پسند آئی) یہاں تک کہ میں نے تمنا کی کہ کاش! میں ہی ہوتا وہ میت، جس کے لیے آپؐ

نے یہ دُعا کی ہے"۔

(۲)

(۱۹۵) رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم جنازے پر نماز میں یہ دُعا کرتے:

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِحَیِّنَا وَمَیِّتِنَا وَصَغِیْرِنَا وَکَبِیْرِنَا وَذَکَرِنَا وَاُنْثَانَا وَشَاھِدِنَا وَغَائِبِنَا اَللّٰھُمَّ مَنْ اَحْیَیْتَہٗ مِنَّا فَاَحْیِہٖ عَلَی الْاِیْمَانِ وَمَنْ تَوَفَّیْتَہٗ مِنَّا فَتَوَفَّہٗ عَلَی الْاِسْلَامِ اَللّٰھُمَّ لَا تَحْرِمْنَا اَجْرَہٗ وَلَا تُضِلَّنَا بَعْدَہٗ۔

(ابو داؤد عن ابی ہریرۃ کتاب الجنائز، ترمذی ابواب الجنائز)

"اے اللہ! تُو ہم میں سے ہر شخص کے گناہ معاف فرما دے چاہے وہ زندہ ہو یا مُردہ، چھوٹا ہو یا بڑا، مرد ہو یا عورت، موجود ہو یا غائب۔ اے اللہ! تُو ہم میں سے جس کو بھی زندہ رکھنا چاہتا ہے اسے ایمان کے ساتھ زندہ رہنے کی توفیق دے اور تُو ہم میں سے جس کو بھی اپنے ہاں بُلانا چاہتا ہے اس کا خاتمہ اسلام پر کر! اے اللہ! تُو ہمیں اس (کی جُدائی اور موت کے صدمہ) کے اجر سے محروم نہ کر اور اس کے بعد تُو ہمیں گمراہی سے بچا"۔

(۳)

(۱۹۶) حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ہمارے ساتھ ایک مسلمان کے جنازے پر نماز پڑھی۔ میں نے اس میں رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو یہ دُعا کرتے سُنا ہے:

اَللّٰھُمَّ اِنَّ فُلَانَ بْنَ فُلَانٍ فِیْ ذِمَّتِکَ وَحَبْلِ جِوَارِکَ فَقِہٖ مِنْ فِتْنَۃِ الْقَبْرِ وَعَذَابِ النَّارِ وَاَنْتَ اَھْلُ الْوَفَاءِ وَالْحَمْدِ اَللّٰھُمَّ فَاغْفِرْ لَہٗ وَارْحَمْہُ اِنَّکَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ۔

(ابو داؤد کتاب الجنائز باب الدعاء للمیت)

"اے اللہ! فلاں بن فلاں تیری امان اور پناہ میں ہے، قبر کے فتنہ اور آگ کے عذاب سے تو اس کی حفاظت فرما۔ تو اپنے عہد کو وفا کرنے والا ہے اور تعریف کا مستحق ہے۔ اے اللہ! تو اس کی خطاؤں سے درگزر فرما اور اس پر رحم کر، بے شک تو بہت معاف کرنے والا اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔"

(۴)

(۱۹۷) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جنازے پر یہ دُعا کی تھی:

اَللّٰھُمَّ اَنْتَ رَبُّھَا وَ اَنْتَ خَلَقْتَھَا وَ اَنْتَ ھَدَیْتَھَا لِلْاِسْلَامِ وَ اَنْتَ قَبَضْتَ رُوْحَھَا وَ اَنْتَ اَعْلَمُ بِسِرِّھَا وَعَلَانِیَتِھَا جِئْنَا شُفَعَاءَ فَاغْفِرْ لَھَا۔

(ابوداؤد عن ابی ہریرۃ کتاب الجنائز باب الدعا للمیت)

"اے اللہ! تو اس کا مالک اور پروردگار ہے اور تو نے اسے پیدا کیا ہے۔ اور اسلام کا راستہ بتایا ہے اور تُو نے اس کی رُوح قبض کی ہے، اس کے ظاہر اور باطن کو سب سے زیادہ تو ہی جانتا ہے۔ ہم اس کی سفارش کرنے کے لیے حاضر ہوئے ہیں کہ تو اس کی غلطیوں اور کوتاہیوں سے درگزر فرما"!

نمازِ جنازہ کے بعد دُعا

(۱۹۸) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا صَلَّیْتُمْ عَلَی الْمَیِّتِ فَاَخْلِصُوْا لَہُ الدُّعَاءَ۔

(ابوداؤد عن ابی ہریرۃ کتاب الجنائز)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میت پر نماز پڑھو تو اس کے لیے اخلاص کے ساتھ دُعا کرو۔"

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حضور قلب سے دُعا کرو کہ وہ اس کے گناہ معاف فرمائے اور اس اعتماد کے ساتھ گڑگڑا کر التجا کرو کہ ربِّ غفور تمہاری دُعا اور سفارش قبول فرمائے گا۔ اس حدیث میں میت کے لیے جس دُعا کے کرنے کا ذکر ہے

یہ وہ دُعا ہے جو نمازِ جنازہ میں حمد وثنا اور درود شریف کے بعد تیسری تکبیر کہہ کر کی جاتی ہے۔ رہا مسلمانوں کے ایک گروہ کا یہ عمل کہ وہ نماز جنازہ کے بعد ہاتھ اُٹھا کر میّت کے لیے اجتماعی دُعا کرتے ہیں تو میں آج تک معلوم نہیں کر سکا ہوں کہ اس کا ماخذ کیا ہے؟ حدیث کی کتابوں میں کوئی ایک روایت بھی میری نظر سے ایسی نہیں گزری جو بتاتی ہو کہ حضور صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم یا کسی صحابیؓ نے کبھی نماز جنازہ کے بعد اس طرح دُعا کی ہے بلکہ ائمہ اربعہ میں سے کسی امام کی طرف بھی یہ بات منسوب نہیں ہے کہ وہ نمازِ جنازہ کے بعد دُعا کے قائل ہوں۔ حالانکہ وہ شریعت کے راز داں تھے۔

آخر وہ کس طرح ایک ایسی بات کے قائل ہوتے جو حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم اور خلفائے راشدینؓ کے دَور میں کبھی عمل میں نہیں آئی۔

فقہ حنفی کی مشہور کتاب ہدایہ میں ہے:

وَالصَّلٰوۃُ اَنْ یُّکَبِّرَ یَحْمَدُ اللہَ عَقِیْبَھَا ثُمَّ یُکَبِّرُ تَکْبِیْرَۃً وَیُصَلِّیْ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ثُمَّ یُکَبِّرُ تَکْبِیْرَۃً یَدْعُوْا فِیْھَا لِنَفْسِہٖ وَلِلْمَیِّتِ وَلِلْمُسْلِمِیْنَ ثُمَّ یُکَبِّرُ الرَّابِعَۃَ وَیُسَلِّمُ۔ (باب فی الجنائز فصل فی الصلوٰۃ علی المیت)

"نماز جنازہ یہ ہے کہ پہلی تکبیر کے بعد اللہ تعالیٰ کی حمد کرے، پھر (دوسری) تکبیر کہے اور نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم پر درود پڑھے، پھر (تیسری) تکبیر میں اپنے لیے، میت کے لیے اور مسلمانوں کے لیے اللہ تعالیٰ سے دُعا کرے، پھر چوتھی تکبیر کے بعد سلام کہے"۔

اس عبارت میں نماز جنازہ کے بعد دُعا کرنے کے متعلق معمولی سا اشارہ بھی نہیں پایا جاتا۔

حنفی مسلک کے مشہور محدّث اور فقیہ مُلّا علی قاری رحمہ اللہ نے "شرح وقایہ" سے نقل کیا ہے:

وَلَا یَدْعُوْا لِلْمَیِّتِ بَعْدَ صَلٰوۃِ الْجَنَازَۃِ لِاَنَّہٗ یُشْبِہُ

الزِّیَادَۃَ فِیْ صَلٰوۃِ الْجَنَازَۃِ۔

(مرقاۃ شرح مشکوٰۃ الجزء الرابع صفحہ ۴۷۴ مطبوعہ ملتان)

"نماز جنازہ کے بعد میت کے لیے دُعا نہ کرے، یہ نماز جنازہ میں اضافہ کرنے کے مشابہ ہے"

نماز جنازہ کی حقیقت

(۱۹۹) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَا مِنْ رَجُلٍ مُسْلِمٍ یَمُوْتُ فَیَقُوْمُ عَلٰی جَنَازَتِہٖ اَرْبَعُوْنَ رَجُلًا، لَا یُشْرِکُوْنَ بِاللّٰہِ شَیْئًا اِلَّا شَفَّعَھُمُ اللّٰہُ فِیْہِ۔ (مسلم کتاب الجنائز، ابو داود کتاب الجنائز)

"حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ جس مسلمان کی وفات ہو جائے اور چالیس آدمی ـــــ بشرطیکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرا رکھا ہو ـــــ اس کا جنازہ پڑھیں تو اللہ تعالیٰ ان کی سفارش قبول فرماتا ہے"

(۲۰۰) عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ مَیِّتٍ تُصَلِّیْ عَلَیْہِ اُمَّۃٌ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ یَبْلُغُوْنَ مِائَۃً کُلُّھُمْ یَشْفَعُوْنَ لَہٗ اِلَّا شُفِّعُوْا فِیْہِ۔ (مسلم عن عائشۃ کتاب الجنائز، نسائی کتاب الجنائز)

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمانوں کی جماعت ـــــ جس کے افراد کے تعداد ایک سو ہو ـــــ جس میت کا جنازہ پڑھے اور اللہ تعالیٰ سے اس کے لیے سفارش کرے تو اس کی سفارش قبول کی جاتی ہے"

(۲۰۱) عَنْ مَالِکِ بْنِ ھُبَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ مَیِّتٍ یَمُوْتُ فَیُصَلِّیْ عَلَیْہِ ثَلٰثَۃُ صُفُوْفٍ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ اِلَّا اَوْجَبَ قَالَ وَکَانَ مَالِکٌ اِذَا اسْتَقَلَّ

أَهْلَ الْجَنَازَةِ جَزَّأَهُمْ ثَلٰثَةَ صُفُوْفٍ لِلْحَدِيْثِ۔

(ابو داؤد کتاب الجنائز باب فی الصفوف علی الجنازۃ)

"مالک بن ہُبیرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا" جس میّت کے جنازے پر مسلمانوں کی تین صفیں نماز پڑھیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اس کے گناہ معاف فرماتا ہے۔

اس بنا پر اس حدیث کے راوی مالک بن ہُبیرہؓ جب دیکھتے کہ نماز جنازہ پڑھنے والوں کی تعداد تھوڑی ہے تو وہ انہیں تین صفوں میں تقسیم کرتے "۔

تشریح: میت پر نماز جنازہ پڑھنے کا مقصد یہ ہے کہ مومنوں کی جماعت اجتماعی طور پر میت کی مغفرت اور نجات کے لیے اللہ تعالیٰ سے سفارش کرے۔ یہ اس پر نزول رحمت کا مؤثر باعث ہے ظاہر بات ہے کہ صرف ان لوگوں کی دُعا اور سفارش ہی مؤثر ہو سکتی ہے اور نزول رحمت کا موجب بن سکتی ہے جو اپنی پوری زندگی میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے والے (اَلْمُسْلِمِیْنَ) ہوں اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی ذات، صفات، حقوق اور اختیارات میں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرا رکھا ہو۔

نماز جنازہ دراصل نام ہے میت کے لیے دعا اور سفارش کرنے کا، اللہ تعالیٰ کے نیک بندے وضو کرکے رُو بقبلہ ہو کر اللہ تعالیٰ سے اپنے جانے والے بھائی کی مغفرت کے لیے دعا کرتے ہیں۔ وہ فرشتوں کی طرح صف بنا کر بڑے ادب سے حمد وثنا اور درود کے بعد خلوص دل سے اللہ تعالیٰ سے سفارش کرتے ہیں کہ اے غفور رحیم آقا تو اپنے فضل وکرم سے اس کی غلطیوں اور کوتاہیوں سے درگزر فرما، قبر اور آگ کے عذاب سے اسے پناہ دے اور اس پر رحم فرما، اللہ تعالیٰ کے صالح اور مقرّب بندوں کی دُعا —— میت کی مغفرت اور نجات کے لیے —— دَرِ اجابت پر پہنچ ہی جاتی ہے چاہے وہ ایک سو ہوں یا چالیس، اور چاہے اس سے کم ہوں یا زیادہ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

ہمارا کام یہ ہے کہ جنازے پر نماز کی شکل میں ہم اللہ تعالیٰ سے میت کے لیے دُعا

اور سفارش کریں، اور رحمٰن کریم کی رحمت اور کرم سے حسنِ ظن رکھیں ہم اس بات کے نہ تو مکلّف ہیں اور نہ مجاز، کہ یہ فیصلہ کرتے پھریں کہ فلاں کے جنازے پر نماز پڑھنے والوں میں کون کس حد تک اللہ تعالیٰ کا مطیع اور موحّد ہے؟ اور کس کا دامن اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور شرک سے پاک ہے؟ اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان میں سے کس کی دعا اور سفارش وقیع ہے؟ اور اس کا فیصلہ تو وہ مالک کائنات کرتا ہے جو زمین اور آسمان کی ہر کھلی چھپی چیز کا علم رکھتا ہے اور جس کی بارگاہ میں ہم عاجز و بے لبس بندے دُعا کے لیے ہاتھ پھیلاتے ہیں۔

میّت کے لیے صالحین کی گواہی

(۲۰۲) عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ يَقُوْلُ مَرُّوْا بِجَنَازَةٍ فَاَثْنَوْا عَلَيْهَا خَيْرًا فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَبَتْ ثُمَّ مَرُّوْا بِاُخْرٰى فَاَثْنَوْا عَلَيْهَا شَرًّا فَقَالَ وَجَبَتْ فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ مَا وَجَبَتْ؟ قَالَ هٰذَا اَثْنَيْتُمْ عَلَيْهِ خَيْرًا فَوَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ وَهٰذَا اَثْنَيْتُمْ عَلَيْهِ شَرًّا فَوَجَبَتْ لَهُ النَّارُ، اَنْتُمْ شُهَدَاءُ اللّٰهِ فِی الْاَرْضِ۔ (بخاری کتاب الجنائز باب ثناء الناس علی المیت)

"حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں صحابہ کرامؓ ــــ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی معیّت میں ــــ ایک جنازے پر سے گزرے اور اس کی تعریف کی تو نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا "ثابت ہوگئی"، پھر ایک دوسرے جنازے پر سے گزرے اور اس کی مذمّت کی تو حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: "ثابت ہوگئی"، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا حضورؐ! کیا ثابت ہوگئی؟ آپؐ نے فرمایا: یہ، جس کی تم نے تعریف کی ہے اس کے لیے جنّت ثابت ہوگئی اور یہ ــــ دوسرا ــــ جس کی تم نے مذمّت کی ہے اس کے لیے آگ ثابت ہوگئی۔

تم زمین میں اللہ کے گواہ ہو"

(۲۰۳) عَنْ اَبِی الْاَسْوَدِ قَالَ قَدِمْتُ الْمَدِیْنَةَ وَ قَدْ وَقَعَ بِهَا مَرَضٌ فَجَلَسْتُ اِلٰی عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ فَمَرَّتْ بِهِمْ جَنَازَةٌ فَاُثْنِیَ عَلٰی صَاحِبِهَا خَیْرًا فَقَالَ عُمَرُ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ وَجَبَتْ ثُمَّ مُرَّ بِاُخْرٰی فَاُثْنِیَ عَلٰی صَاحِبِهَا خَیْرًا فَقَالَ عُمَرُ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ وَجَبَتْ ثُمَّ مُرَّ بِالثَّالِثَةِ فَاُثْنِیَ عَلٰی صَاحِبِهَا شَرًّا فَقَالَ وَجَبَتْ فَقَالَ اَبُو الْاَسْوَدِ فَقُلْتُ وَمَا وَجَبَتْ یَا اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ! قَالَ قُلْتُ کَمَا قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ——————

اَیُّمَا مُسْلِمٍ شَهِدَ لَهٗ اَرْبَعَةٌ بِخَیْرٍ اَدْخَلَهُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ فَقُلْنَا وَ ثَلَاثَةٌ قَالَ وَ ثَلَاثَةٌ فَقُلْنَا وَ اِثْنَانِ قَالَ وَ اِثْنَانِ ثُمَّ لَمْ نَسْأَلْهُ عَنِ الْوَاحِدِ۔

(بخاری کتاب الجنائز وکتاب الشہادات)

"ابوالاسود تابعیؒ کہتے ہیں میں اس حال میں مدینہ میں آیا کہ سارا شہر بیماری کی لپیٹ میں تھا — اس بنا پر کثرت سے جنازے اُٹھ رہے تھے — میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھ گیا ایک آدمی کا جنازہ ان کے قریب سے گزرا تو اس کی تعریف کی گئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا "ثابت ہو گئی"، پھر دوسرا جنازہ گزرا تو اس کی بھی تعریف کی گئی۔ حضرت رضی اللہ عنہ نے فرمایا "ثابت ہو گئی" پھر تیسرے آدمی کا جنازہ گزرا تو اس کی مذمّت کی گئی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا "ثابت ہو گئی"

ابوالاسود کہتے ہیں میں نے عرض کیا امیرالمؤمنین! (یہ عجیب بات ہے ان میں سے ہر جنازے کے لیے آخر) کیا بات ثابت ہو گئی"

حضرت عمرؓ نے جواب دیا، میں نے بات کہی ہے جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی (وہ یہ ہے کہ) چار آدمی جس مسلمان کے لیے خیر کی گواہی دیں اللہ تعالیٰ اُسے جنّت میں داخل فرمائے گا۔

ہم نے عرض کیا حضور! اور (اگر) تین آدمی (کسی مسلمان کے لیے خیر کی گواہی دیں تو کیا اللہ تعالیٰ اسے بھی جنّت میں داخل فرمائے گا؟)

آپؐ نے فرمایا ہاں!

ہم نے عرض کیا (اگر) دو ہوں تو،

آپؐ نے فرمایا، اگر صرف دو آدمی بھی کسی مسلمان کے لیے خیر کی گواہی دیں تو اللہ تعالیٰ اسے بھی جنّت میں داخل فرمائے گا۔

پھر ہم نے حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم سے ایک آدمی (کی گواہی) کے بارے میں سوال نہ کیا۔"

تشریح: (۱) مسلمانوں کی صالح جماعت کا ——— ریا اور وضعداری سے نہیں بلکہ ——— دل کی گہرائیوں سے کسی میت کے ایمان کا اعتراف کرنا، اس کی نیکی اور پرہیز گاری کی گواہی دینا اس بات کی علامت ہے کہ وہ ناجی ——— نجات پانے والا ——— ہے۔ ان کی شہادت کی بنا پر امید کی جا سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اسے جنّت میں داخل فرمائے گا۔ صالحین کی شہادت کو کسی شخص کے ناجی ہونے کی علامت تو قرار دیا جا سکتا ہے لیکن یقین کے ساتھ یہ دعویٰ نہیں کیا جا سکتا کہ انہوں نے جس شخص کے لیے خیر کی گواہی دی ہے وہ لازماً جنّتی ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی جماعت کو اگر کسی میت کے ایمان میں تأمل ہو اور اس کے فسق و فجور کی گواہی دے تو یہ اس کے ہالک ——— برباد و تباہ ——— ہونے کی علامت ہے۔ ان کی شہادت کی بنا پر اس کے متعلق یہ رائے تو قائم کی جا سکتی ہے کہ شاید وہ دوزخ میں جائے لیکن وثوق اور یقین کے ساتھ یہ دعویٰ نہیں کیا جا سکتا کہ وہ لازماً دوزخی ہے۔

جماعت صالحین کی گواہی اور اعتراف کو کسی میّت کی نجات یا تباہی کی علامت قرار دینے کا باعث یہ حقیقت ہے کہ:

"اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو "ملاء اعلیٰ" (آسمان میں اللہ تعالیٰ کے مقرب فرشتوں کا گروہ) بھی اس سے محبت کرتا ہے، پھر اس کی مقبولیت اور محبت "ملاء سافل" (زمین میں اللہ تعالیٰ کے فرشتوں کا گروہ) اور صالحین کی طرف نازل ہوتی ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ جب کسی بندے کو ناپسند کرتا ہے تو ملاء اعلیٰ کو اس سے نفرت ہو جاتی ہے، پھر اس سے نفرت اور بغض ملاء سافل اور صالحین کی طرف نازل ہوتا ہے"۔

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی شخص سے محبت یا اس کے خلاف نفرت ملاء اعلیٰ کی وساطت سے اور پھر "ملاء سافل" کے ذریعہ صالحین کے قلوب میں منعکس ہوتی ہے۔

(۲) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابۂ کرامؓ کو زمین میں اللہ کے گواہ (شہداء فی الارض) کا خطاب دے کر ان کے صالح ہونے کی تصدیق فرمائی ہے اور یہ امر واقعہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جن لوگوں کی تعلیم و تربیت اور تزکیہ میں اپنی ساری زندگی کھپا دی انسانی تاریخ میں ان سے زیادہ "صالح جماعت" اور کون ہو سکتی ہے؟

(۳) زمین میں اللہ کے گواہ صرف صالحین ہیں چاہے وہ صحابۂ کرامؓ ہوں یا ان کے بعد مسلمانوں میں سے نیک اور پرہیزگار لوگ، عام مسلمانوں کو یہ منصب حاصل نہیں ہے۔

عامۃ المسلمین کی کسی شخص کے لیے "خیر" کی گواہی کو اس کے جنتی ہونے کی، اور کسی شخص کے لیے "شر" کی گواہی کو اس کے دوزخی ہونے کی علامت قرار نہیں دیا جا سکتا۔ ہو سکتا ہے کہ عام مسلمان جس آدمی کے نیک اور خدا ترس ہونے کی گواہی دیں وہ اللہ کے نزدیک معتوب اور مجرم ہونے کی بنا پر دوزخ کا مستحق ہو اور وہ جس آدمی کے فاسق اور برے ہونے کی گواہی دیں وہ اللہ کی نگاہ میں نیک اور خدا ترس ہونے کی بنا پر جنت کا مستحق ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کو مخلوق سے زیادہ جانتے ہیں۔

میت کو قبر میں رکھتے وقت کی دُعا

(۲۰۴) إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا وُضِعَ الْمَيِّتُ فِي الْقَبْرِ قَالَ بِسْمِ اللّٰهِ وَعَلٰى سُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ۔

(ابوداؤد عن ابن عمر کتاب الجنائز باب فی الدعاء للمیت)

"جب میت قبر میں رکھ دی جاتی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے بِسْمِ اللّٰهِ وَعَلٰى سُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ"

میں اللہ کے نام اور رسول اللہ کے طریقے پر اسے قبر میں رکھتا ہوں۔"

تدفین کے بعد میت کے لیے استغفار اور دعا

(۲۰۵) كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا فَرَغَ مِنْ دَفْنِ الْمَيِّتِ وَقَفَ عَلَيْهِ وَقَالَ اِسْتَغْفِرُوْا لِاَخِيْكُمْ وَاسْئَلُوْا لَهُ التَّثْبِيْتَ فَإِنَّهُ الْاٰنَ يُسْأَلُ۔

(ابوداؤد عن عثمان بن عفان کتاب الجنائز باب الاستغفار عند القبر للمیت)

"میت کی تدفین کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم قبر پر کھڑے ہو کر (اپنے صحابہؓ سے) فرماتے تم اپنے بھائی کے لیے استغفار کرو اور اللہ تعالیٰ سے دُعا کرو کہ وہ اسے ——— فرشتوں کے سوال کے جواب میں ——— ثابت قدم رکھے، اب اس سے سوال کیا جا رہا ہے۔"

جنازے کے ساتھ جانے کا ثواب

(۲۰۶) إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنِ اتَّبَعَ جَنَازَةَ مُسْلِمٍ إِيْمَانًا وَّاحْتِسَابًا وَّكَانَ مَعَهٗ حَتّٰى يُصَلّٰى عَلَيْهَا وَيُفْرَغَ مِنْ دَفْنِهَا فَإِنَّهٗ يَرْجِعُ مِنَ الْاَجْرِ بِقِيْرَاطَيْنِ كُلُّ قِيْرَاطٍ مِثْلُ اُحُدٍ ——— وَمَنْ صَلّٰى عَلَيْهَا ثُمَّ رَجَعَ قَبْلَ اَنْ تُدْفَنَ فَإِنَّهٗ يَرْجِعُ بِقِيْرَاطٍ۔

(بخاری عن ابی ہریرۃ کتاب الایمان باب اتباع الجنائز من الایمان)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: جو شخص ایمان کے ساتھ اور اللہ تعالیٰ سے ثواب کی اُمید پر کسی مسلمان کے جنازے کے ساتھ جاتا ہے اور اس کے ساتھ رہتا ہے یہاں تک کہ اس کے جنازے پر نماز پڑھی جائے اور اس کی تدفین مکمل ہوجاتے تو وہ اجر کے دو قیراط کے ساتھ لوٹتا ہے ——— ہر قیراط اُحد پہاڑ کی مانند ہے ——— اور جو شخص اس کے جنازے پر نماز پڑھتا ہے اور اس کی تدفین سے پہلے لوٹ آتا ہے تو اس کے لیے اجر کا ایک قیراط ہے۔"

تشریح: اجر کے ۲ دو قیراط کا مستحق وہ شخص ہے جو میّت کی نمازِ جنازہ پڑھتا ہے اور قبر میں اس کے دفن ہونے تک اس کے ساتھ رہتا ہے۔ رہا وہ آدمی جو میت کی صرف نماز جنازہ پڑھ کر لوٹ آتا ہے تو اس کے لیے اجر کا ایک قیراط ہے بشرطیکہ اس نے اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید پر اس میں شرکت کی ہو۔

جب کسی مسلمان کی وفات ہو تو دوسرے مسلمانوں پر اس کا حق یہ ہے کہ وہ اس کے جنازے کے ساتھ جائیں۔"

نبی صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم نے جن وجوہ کی بنا پر مسلمانوں پر یہ حق قائم کیا ہے وہ یہ ہیں:

۱ — میّت سے پسماندگان کو جو تعلق خاطر ہوتا ہے اس کا تقاضا ہے کہ جو شخص دُنیا کو چھوڑ کر عالم آخرت میں داخل ہو رہا ہو وہ اسے عزّت اور احترام کے ساتھ الوداع کہیں۔

۲ — میت کے قریبی اعزّہ اور ورثہ کی دلجوئی اور حوصلہ افزائی کی جائے کیونکہ اس کی وفات اور جُدائی کے صدمہ سے وہ براہ راست متأثر ہوتے ہیں۔

۳ — اس طریقہ سے مومنوں کی ایک صالح جماعت اکٹھی ہو کر اللہ تعالیٰ سے اس کے لیے دُعا اور سفارش کرتی ہے۔

۴ — اسے نہلانے، کفن پہنانے اور دفن کرنے میں اس کے سرپرستوں سے تعاون کیا جاسکے، ان وجوہ کی بنا پر حضور صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم نے اپنے ماننے والوں سے مطالبہ

کیا ہے کہ جب تک جنازے کو زمین پر نہ رکھ دیا جائے وہ نہ بیٹھیں اور جب تک میت کو قبر میں دفن نہ کر دیا جائے وہ اس کے ساتھ رہیں۔ اجر کے ایک قیراط سے مراد یہ ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی میزان میں اس عمل کا وزن اُحد پہاڑ کے برابر ہو گا۔

مصیبت پڑنے پر مومن کی دعا

(۲۰۷) عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ تُصِيْبُهُ مُصِيْبَةٌ فَيَقُوْلُ مَا اَمَرَهُ اللّٰهُ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ اَللّٰهُمَّ اْجُرْنِيْ فِيْ مُصِيْبَتِيْ وَاَخْلِفْ لِيْ خَيْرًا مِّنْهَا اِلَّا اَخْلَفَ اللّٰهُ لَهُ خَيْرًا مِّنْهَا قَالَتْ فَلَمَّا مَاتَ اَبُوْ سَلَمَةَ قُلْتُ اَيُّ الْمُسْلِمِيْنَ خَيْرٌ مِّنْ اَبِيْ سَلَمَةَ، اَوَّلُ بَيْتٍ هَاجَرَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ اِنِّيْ قُلْتُهَا فَاَخْلَفَ اللّٰهُ لِيْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (مسلم کتاب الجنائز)

"حضرت اُمِّ سلمہؓ سے روایت ہے وہ کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس مسلمان پر کوئی مصیبت پڑے پھر وہ بات کہے جس کا اللہ تعالیٰ نے اسے حکم دیا ہے:

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ اَللّٰهُمَّ اْجُرْنِيْ فِيْ مُصِيْبَتِيْ وَاَخْلِفْ لِيْ خَيْرًا مِّنْهَا۔

"بے شک ہم اللہ ہی کے لیے ہیں اور اللہ ہی کی طرف ہمیں پلٹ کر جانا ہے اے اللہ! اس مصیبت کے سبب سے جو مجھ پر پڑی ہے تو مجھے اجر دے اور جو نعمت مجھ سے چھن چکی ہے تو اس کے عوض مجھے اس سے بہتر نعمت عطا فرما"

تو اللہ تعالیٰ (اسے اجر بھی دیتا ہے اور) اس نعمت کے عوض میں (جو اس سے چھن گئی ہے) اس سے بہتر نعمت بھی اسے عطا فرماتا ہے۔ حضرت اُمِّ سلمہؓ

فرماتی ہیں جب (میرے شوہر) ابوسلمہؓ نے وفات پائی تو میں نے دل میں کہا ابوسلمہؓ سے بہتر مسلمان اور کون ہو سکتا ہے؟ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اپنے عیال سمیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کی تھی پھر میں نے وہ "بات" کہی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے بدلے میں مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی بننے کا شرف عطا فرمایا۔"

تشریح: (۱) حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والوں میں سے گیارھویں تھے، انہوں نے مکہ سے اہل و عیال سمیت پہلے حبشہ اور پھر مدینہ کی طرف ہجرت کی، وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پھوپی زاد اور رضاعی بھائی تھے۔ غزوۂ احد ۳ھ میں زخمی ہوئے، زخم کاری تھا، بالآخر ۴ھ میں وفات پائی۔

(۲) اس حدیث میں مصیبت پڑنے پر جن "کلمات" کے کہنے کا ذکر ہے ان کا مفہوم یہ ہے "ہمارا اور ان سب چیزوں کا جو ہمارے قبضہ اور تصرف میں ہیں اللہ ہی خالق اور مالک ہے مرنے کے بعد قیامت کے دن اس کی بارگاہ میں ہمارا احتساب ہوگا، ہم میں سے ہر شخص کو اس کی بے لاگ عدالت میں حاضر ہونا پڑے گا، اس بنا پر ہم اس کی بندگی اور اطاعت کرتے ہیں اور اس کی نافرمانی سے پرہیز کرتے ہیں۔ اپنی بندگی کے اعتراف اور اللہ کے ہاں اپنی جوابدہی کے احساس کے ساتھ میں دعا کرتا ہوں کہ اے اللہ! جو مصیبت مجھ پر ٹوٹ پڑی ہے اس کے صدمہ کو برداشت کرنے پر تو مجھے اجر دے اور اس کے نتیجہ میں جس نعمت سے محروم ہو گیا ہوں تو اس کے عوض میں مجھے اس سے بہتر نعمت عطا فرما۔"

(۳) جو مسلمان مصیبت پڑنے پر خلوص دل سے ان الفاظ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا رہے اللہ تعالیٰ اسے اس مصیبت سے نجات دے گا یا جو نعمت اس سے چھن چکی ہے اس کے عوض میں اس سے بہتر نعمت سے اسے نوازے گا اور اس مصیبت کے صدمہ کو برداشت کرنے پر اسے اجر بھی دے گا۔

بیوی، شوہر، بھائی، بیٹے اور دوسرے اعزا، بلکہ مخلص رفیق کی وفات کے صدمہ پر بھی آدمی کو یہ دُعا کرنی چاہیے، ان کی جُدائی اور وفات کا صدمہ بھی تو آخر ایک مصیبت ہی ہے۔

تعزیت

(۲۰۸) عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ عَزّٰی مُصَابًا فَلَہٗ مِثْلُ اَجْرِہٖ۔

(ترمذی عن عبداللہ بن مسعود ابواب الجنائز باب ماجاء فی اجر من عزی مصاباً)

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص کسی مصیبت زدہ سے تعزیت کرتا ہے اس کے لیے اجر ہے جیسے مصیبت زدہ کے لیے اجر ہے۔"

تشریح: کسی مصیبت زدہ سے تعزیت کرنے کے معنی ہیں "اس کے غم کو ہلکا کرنے کے لیے اس سے شفقت اور ہمدردی کا رویّہ اختیار کرنا اور اس کے دل کو راحت اور سکون پہنچانے کے لیے اسے صبر دلانا اور تسلّی دینا"

اللہ تعالیٰ صرف اس مصیبت زدہ کو اجر دیتا ہے جو:

۱۔ اپنے کسی عزیز ترین رشتہ دار کی وفات پر نہ نوحہ کرے اور نہ دھاڑیں مار کر روئے پیٹے، بلکہ صبر کرے یا

۲۔ جو کسی دوسری مصیبت کے صدمہ پر حرفِ شکایت زبان پر نہ لائے، بلکہ حوصلہ کرے۔

جو شخص کسی مصیبت زدہ سے تعزیت کرے وہ اللہ کے نزدیک اسی طرح اجر و ثواب کا مستحق ہے جس طرح مصیبت زدہ آدمی صبر کرنے پر اجر کا مستحق ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت زینبؓ کا لختِ جگر جانکنی کی حالت میں تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پاس ان الفاظ میں تعزیت کا پیغام بھیجا۔

اِنَّ لِلّٰہِ مَا اَخَذَ وَلَہٗ مَا اَعْطٰی وَکُلُّ شَیْءٍ عِنْدَہٗ بِاَجَلٍ مُّسَمًّی فَلْتَحْتَسِبْ وَلْتَصْبِرْ۔ (بخاری کتاب المرضیٰ)

"اللہ ہی کے لیے ہے جو اس نے لیا اور وہی مالک ہے اس چیز کا جو اس

نے دی اور اللہ تعالیٰ کے علم میں ہر چیز کے دینے اور لینے کا وقت مقرر ہے وہ اللہ تعالیٰ سے اجر کی امید رکھے اور صبر کرے ''۔

کسی مصیبت پڑنے پر آدمی چاہے صبر کرے یا نہ کرے لیکن فی الواقع حقیقت تو وہی ہے جس کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اظہار اور اعتراف فرمایا ہے۔

البتہ صبر کرنے اور اللہ تعالیٰ سے اجر کی توقع رکھنے پر اسے انعام ملتا ہے اور شور و ہنگامہ برپا کرنے پر اسے اجر نہیں ملتا۔

میّت کے گھر سے کھانا کھانا مکروہ ہے، اگر گھر کا مالک موجود نہ ہو یا یتیم ہو تو اس کے مال سے کھانا کھانا حرام ہے۔ جس گھر میں موت کا حادثہ ہو اس گھر سے نہ صرف یہ کہ کھانا نہ کھانا چاہیے، بلکہ اس کے پڑوسیوں اور دور کے رشتہ داروں کی یہ اخلاقی ذمہ داری ہے کہ وہ ایک دن رات کا کھانا تیار کر کے اس کے گھر میں دیں۔

رشحات

جب کسی مسلمان کی وفات ہو جائے تو دوسرے مسلمانوں کو اس کے ساتھ کیا رویہّ اختیار کرنا چاہیے ؟ اس سلسلہ میں حضور صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے جو ہدایات دی ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے :

(۱) مُردے کو تین بار نہلایا جائے، اسے اچھّا کفن پہنایا جائے، اللہ تعالیٰ سے اس کی مغفرت کے لیے دُعا اور سفارش کی جائے اور پھر اسے قبر میں دفن کیا جائے۔

(۲) میّت اگر مرد ہو تو اسے مرد نہلائیں، اگر عورت ہو تو اسے عورتیں نہلائیں۔

(۳) بیوی، مُردہ شوہر کو نہلا سکتی ہے۔

(۴) امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک شوہر، مُردہ بیوی کو نہلا سکتا ہے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اس کے قائل نہیں ہیں۔

(۵) جو شخص مُردے کو نہلائے اس پر غسل کرنا واجب نہیں بلکہ مستحب ہے۔

(۶) مرد کو تین اور عورت کو پانچ کپڑوں کا کفن پہنایا جائے۔

(۷) کفن کا کپڑا گاڑھا اور درمیانہ درجے کا ہو، اگر سفید ہو تو بہتر ہے۔

(۸) جنازے کی نماز مسجد سے باہر ادا کی جائے اِلاّ یہ کہ کوئی عذر ہو۔

(۹) کیا میّت کی غائبانہ نمازِ جنازہ پڑھنا جائز ہے ؟

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جائز نہیں ہے۔ امام شافعیؒ اسے جائز جانتے ہیں۔

(۱۰) جنازے کو دیکھ کر کھڑے ہونا مستحب ہے اور بیٹھے رہنا جائز ہے۔

(۱۱) جنازے پر جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا مسنون ہے۔ امام کے پیچھے تین صفیں،

بنانا مستحب ہے، جنازے پر چار تکبیریں ہوتی ہیں، امام شافعیؒ کے نزدیک ہر تکبیر پر اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک صرف پہلی تکبیر کہتے وقت دونوں ہاتھ اُٹھانے چاہئیں، پہلی تکبیر کے بعد امام، اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرے، دوسری تکبیر کے بعد نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم پر درود پڑھے اور تیسری تکبیر کے بعد اپنے لیے، میت کے لیے اور سب مسلمانوں کے لیے اللہ تعالیٰ سے دُعا کرے اور چوتھی تکبیر کے بعد دونوں طرف بلند آواز سے السلام علیکم کہے۔

(۱۲) جو شخص جنازے کے ساتھ جائے وہ نہ بیٹھے جب تک اسے کندھوں سے اتار کر زمین پر نہ رکھ دیا جائے۔

(۱۳) میّت کی نجات اور مغفرت کے لیے اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی دُعا اور سفارش قبول ہوتی ہے۔

(۱۴) میّت کے اچھے یا بُرے ہونے کے متعلق صالحین کی گواہی مؤثر ثابت ہو سکتی ہے۔

(۱۵) جب میّت کو قبر میں رکھ دیا جائے تو یہ دُعا کی جائے:

بِسْمِ اللّٰهِ وَعَلٰى سُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ۔

(۱۶) میّت کو قبر میں دفن کرنے کے بعد اس کے لیے اللہ تعالیٰ سے استغفار کی جائے اور ثابت قدم رہنے کی دُعا کی جائے۔

(۱۷) جنازے کے ساتھ جانے اور میّت کے گھر والوں سے تعزیت کرنے پر اجر ملتا ہے۔

باب سوم

(۵)

مہمان کے حقوق

مہمان کی عزّت کرنی چاہیے

(۲۰۹) اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ کَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْیُکْرِمْ ضَیْفَہٗ، جَائِزَتُہٗ یَوْمٌ وَلَیْلَۃٌ فَمَا بَعْدَ ذٰلِکَ فَھُوَ صَدَقَۃٌ، وَلَا یَحِلُّ لَہٗ اَنْ یَّثْوِیَ عِنْدَہٗ حَتّٰی یُحْرِجَہٗ۔

(بخاری عن ابی شریح کتاب الادب باب اکرام الضیف)

"رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: جو شخص اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو اسے اپنے مہمان کا احترام کرنا چاہیے' ایک دن رات تو عمدہ اور بہتر کھانے سے اس کی خاطر داری کرنی چاہیے، مہمانی تین دن تک ہے' اس کے بعد ——— بھی اگر مہمان کھانا کھاتا رہے تو وہ میزبان کی طرف سے ——— صدقہ خیرات ہے۔ مہمان کے لیے جائز نہیں ہے کہ (تین دن سے زیادہ) میزبان کے پاس قیام کرکے اسے تنگی میں ڈالے۔"

تشریح (۱) مہمان کا احترام کرنے کے معنیٰ یہ ہیں کہ میزبان،

- خندہ پیشانی سے اس کا استقبال کرے۔
- جہاں تک ہو سکے اسے راحت اور سکون دینے کی کوشش کرے۔
- اس کی عزّتِ نفس کو مجروح نہ کرے۔
- اس کی دل آزاری اور تحقیر سے پرہیز کرے۔

(۲) پہلے دن تو میزبان کو اپنی استطاعت کے مطابق نہایت عمدہ اور پُرتکلف کھانے سے اپنے مہمان کی تواضع کرنی چاہیے، دوسرے اور تیسرے دن اسے وہ کھانا کھلائے جو گھر میں تیار ہوتا ہے۔ جو شخص تین دن تک کسی کے یہاں ٹھہرتا ہے اور اس کے گھر سے کھانا کھاتا ہے وہ اس کا مہمان ہے اور اپنے میزبان سے دعوت کھاتا ہے۔

(۳) رہا وہ شخص جو تین دن کے بعد بھی اپنے میزبان کے پاس رہتا ہے وہ مہمان کی

حیثیت سے ضیافت نہیں کھاتا بلکہ ایک مسافر کی حیثیت سے صدقہ، خیرات کھاتا ہے۔ تین دن کے بعد میزبان کے گھر سے کھانا کھانے کو صدقہ کہنے سے مقصود یہ ہے کہ مہمان اپنے میزبان کو زچ اور پریشان کرنے سے اجتناب کرے۔ اکثر لوگ خصوصاً مالدار صدقہ کھانے سے پرہیز کرتے ہیں، کوئی خوددار آدمی کسی شخص کے گھر سے صدقہ، خیرات لینے کو پسند نہیں کرتا۔

(۴) بڑا نادان ہے وہ مہمان جو میزبان کے گھر دھرنا مار کر بیٹھ جائے اور جانے کا نام نہ لے اور اس کو پریشانی میں مبتلا کردے۔

بسا اوقات آدمی اپنے معاشرتی اور معاشی حالات کی بنا پر زیادہ عرصہ تک کسی مہمان کو اپنے ہاں ٹھہرانے اور اسے کھانا کھلانے کی استطاعت نہیں رکھتا اس بنا پر کسی شخص کو بھی اپنے میزبان کے پاس تین دن سے زیادہ قیام نہ کرنا چاہیے اِلّا یہ کہ میزبان خوش دلی سے اُسے اپنے پاس رہنے کی دعوت دے یا مجبور کرے۔

کھانا کھلانا

(۲۱۰) اِنَّ رَجُلاً سَأَلَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَیُّ الْاِسْلَامِ خَیْرٌ؟ قَالَ تُطْعِمُ الطَّعَامَ وَتَقْرَأُ السَّلَامَ عَلٰی مَنْ عَرَفْتَ وَمَنْ لَّمْ تَعْرِفْ۔

(بخاری عن عبداللہ بن عمرو کتاب الایمان باب اطعام الطعام من الاسلام)

"ایک آدمی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم سے سوال کیا حضورؐ! اسلام کی کون سی خصلت اچھّی ہے؟ آپؐ نے فرمایا یہ کہ تم کھانا کھلاؤ اور (ہر مسلمان کو) سلام کہو چاہے تم اسے پہچانتے ہو یا نہ پہچانتے ہو۔

تشریح: مسلمان کی زندگی سراپا خیر و برکت ہوتی ہے، وہ عمدہ اخلاق اور اچھّی عادات کا حامل ہوتا ہے لیکن ان دو خوبیوں کو اعلیٰ اور بہتر قرار دیا گیا ہے۔

۱۔ کھانا کھلانا۔

۲۔ ہر مسلمان بھائی کو السّلام علیکم کہہ کر سلامتی کی دُعا دینا چاہے وہ واقف ہو

یا نہ ہو۔

اسلام بُخل اور تنگدلی کو پسند نہیں کرتا، وہ اپنے ماننے والوں کو فیّاضی اور نرم روی کی تعلیم دیتا ہے اور کہتا ہے کہ محتاجوں، غریبوں، مسافروں اور مہمانوں کو کھانا کھلاؤ، اعزّہ واقارب، پڑوسیوں اور دوستوں کو کھانا کھلانے سے تعلقات خوشگوار ہوتے ہیں، خاص طور پر "ضیافت" اس کا بہترین ذریعہ ہے، اس سے لوگوں میں باہمی اُلفت پیدا ہوتی ہے، بلکہ یہ ملّت کے مختلف افراد کو ایک دوسرے سے مربوط کرنے کا باعث بھی ہے، اس کا ایک نہایت اہم فائدہ یہ ہے کہ سفر پر جانے والے لوگ پریشانی سے دوچار نہیں ہوتے، ہر ملنے والے سے السلام علیکم کہنا چاہیے، اس کے معنی اور مفہوم کو ذہن میں رکھ کر اس کلمہ کو زبان سے کہنے سے نفرت اور بیگانگی ختم ہو جاتی ہے۔

افسوس ہے کہ آج کل ناواقف آدمی کو السّلام علیکم کہنے کا رواج نہیں ہے، بعض روایات کی رُو سے یہ طرزِ عمل قربِ قیامت کی نشانی ہے۔

ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ ان دو خوبیوں کا حامل بننے کی کوشش کرے، اس سے اسلامی معاشرے میں برکت ہوتی ہے اور استحکام پیدا ہوتا ہے۔

ضیافت کے آداب

(۲۱۱) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنَ السُّنَّۃِ اَنْ یَّخْرُجَ الرَّجُلُ مَعَ ضَیْفِہٖ اِلٰی بَابِ الدَّارِ۔

(ابن ماجہ عن ابی ہریرۃ ابواب الاطعمۃ باب الضیافۃ)

"رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: یہ سُنّت سے ہے کہ آدمی اپنے مہمان کے ساتھ گھر کے دروازے تک جائے"۔

تشریح: مطلب یہ ہے کہ مہمان کو رخصت کرنے کے لیے آدمی کو اپنے گھر کے دروازے تک جانا چاہیے۔ اس سے مقصود، مہمان کی عزّت کرنا ہے میزبان کو خوش اخلاق، کُشادہ ظرف اور ہنس مُکھ ہونا چاہیے، وہ اپنے مہمان کی عزّت اور دل جوئی کرنے میں

کوئی کسر اُٹھا کر نہ رکھے۔

میزبان کو اپنے اخلاق اور برتاؤ سے یہ تأثر دینا چاہیے کہ اُس نے خُلوص دل سے مہمان کی خدمت کی ہے، اس کی عزت و احترام میں کوتاہی نہیں کی اُس کے آنے پر وہ کبیدہ خاطر نہیں ہوا بلکہ اس نے راحت محسوس کی ہے۔

اسلام نے اپنے ماننے والوں کو جن آداب اور اخلاق کی تعلیم دی ہے ان میں سے ایک "ضیافت" بھی ہے۔ انبیاء اور صالحین اس خصلت کے حامل رہے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ کیا یہ ہر شخص پر واجب ہے چاہے وہ شہری ہو یا دیہاتی ہو اور بستی کے سب افراد گناہ گار ہوں گے اگر ان میں سے کوئی ایک بھی مہمان کی ضیافت نہ کرے؟

امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک ضیافت ہر شخص پر واجب ہے چاہے وہ شہری آبادی میں رہتا ہو یا دیہاتی ہو لیکن امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ضیافت صرف اس بستی کے رہنے والے پر لازم ہے جس میں نہ تو ہوٹل ہوں اور نہ اس میں کھانے پینے کی چیزیں بکتی ہوں۔ رہا وہ قصبہ یا آبادی جس میں کھانے پینے کی چیزیں بکتی ہوں تو اس کے رہنے والوں پر ضیافت واجب نہیں ہے۔

اگر کسی مہمان کو ہوٹل سے کھانا کھانے کی استطاعت نہ ہو تو پھر لازماً اس کی ضیافت کرنی چاہیئے۔ بستی اور شہر میں رہنے والے سب افراد گناہ گار ہوں گے اگر ان میں سے کوئی ایک شخص بھی اس طرح کے مہمان کی ضیافت نہ کرے بشرطیکہ یہ بات ان کے علم میں آجائے۔

دَورِ نبوّت میں میزبانی کا ایک واقعہ

(۲۱۲) جَاءَ رَجُلٌ اِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنِّيْ مَجْهُوْدٌ فَاَرْسَلَ اِلَى بَعْضِ نِسَائِهِ فَقَالَتْ، وَالَّذِيْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ مَا عِنْدِيْ اِلَّا مَاءٌ ثُمَّ اَرْسَلَ

إِلَى أُخْرَى فَقَالَتْ مِثْلَ ذَٰلِكَ حَتَّى قُلْنَ كُلُّهُنَّ مِثْلَ ذَٰلِكَ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يُّضَيِّفُهُ يَرْحَمُهُ اللّٰهُ فَقَامَ رَجُلٌ مِّنَ الْأَنْصَارِ فَقَالَ أَنَا يَارَسُولَ اللّٰهِ فَانْطَلَقَ بِهِ إِلَى رَحْلِهِ فَقَالَ لِامْرَأَتِهِ هَلْ عِنْدَكِ شَيْءٌ؟ قَالَتْ، لَا إِلَّا قُوتُ صِبْيَانِي قَالَ فَعَلِّلِيهِمْ بِشَيْءٍ وَنَوِّمِيهِمْ فَإِذَا دَخَلَ ضَيْفُنَا فَأَرِيهِ أَنَّا نَأْكُلُ فَإِذَا أَهْوَى بِيَدِهِ لِيَأْكُلَ فَقُومِي إِلَى السِّرَاجِ كَيْ تُصْلِحِيهِ فَأَطْفِئِيهِ فَفَعَلَتْ. فَقَعَدُوا وَأَكَلَ الضَّيْفُ وَبَاتَا طَاوِيَيْنِ فَلَمَّا أَصْبَحَ غَدَا عَلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ عَجِبَ اللّٰهُ أَوْضَحِكَ اللّٰهُ مِنْ فُلَانٍ وَفُلَانَةٍ فَأَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالَى ——————

وَيُؤْثِرُونَ عَلَى أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ۔

(مشکوٰۃ عن ابی ہریرہ باب جامع المناقب بحوالہ متفق علیہ)

"ایک آدمی رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا میں بھوک سے نڈھال ہوں آپؐ نے کسی کو اپنی ایک بیوی کے پاس بھیجا (تاکہ وہ کھانے پینے کی کوئی چیز لاکر دے) تو اس نے کہا حضور! اس ذات کی قسم! جس نے آپؐ کو دین حق کے ساتھ بھیجا ہے میرے پاس پانی کے سوا کھانے پینے کی اور کوئی چیز نہیں ہے، پھر آپؐ نے اسے دوسری بیوی کے پاس بھیجا تو اس نے بھی یہی جواب دیا یہاں تک کہ سب بیویوں نے یہی بات کہی (اس کے بعد) رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا جو شخص (آج رات) اسے مہمان بنائے گا اللہ تعالیٰ اس پر رحمت فرمائے گا۔ ایک انصاری نے اُٹھ کر عرض کیا:

اے اللہ کے رسول! (صلّی اللہ علیہ وسلّم) میں اسے مہمان بناتا ہوں

وہ اسے اپنے گھر لے گئے اور بیوی سے پوچھا تمہارے پاس کھانے پینے کی کوئی چیز ہے ؟ وہ بولی ، بچّوں کی خوراک کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

اس نے کہا "تم بچّوں کو کسی چیز سے بہلاؤ اور سُلا دو جب ہمارا مہمان آئے تو اسے یہ تاثر دینا ہے کہ ہم بھی کھانا کھا رہے ہیں جب وہ کھانا کھانے کے لیے ہاتھ بڑھائے تو چراغ کو درست کرنے کے بہانے سے اُٹھ کر جانا اور اسے بُجھا دینا۔"

بیوی نے اس پر عمل کیا۔ وہ تینوں بیٹھ گئے، مہمان نے کھانا کھایا اور وہ دونوں رات بھر بھوکے سوتے رہے۔

جب مہمان صبح سویرے حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپؐ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فلاں مرد اور فلاں عورت سے راضی ہو گیا ہے۔

اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی :

وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰٓ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۚ وَمَن يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِۦ فَأُولَٰٓئِكَ هُمُ ٱلْمُفْلِحُونَ ۔

(سورۃ الحشر آیت ۹)

"وہ دوسرے حاجتمندوں کو اپنی ذات پر ترجیح دیتے ہیں اگرچہ انہیں فاقہ ہو اور جو لوگ حرص اور بخل سے دامن بچا کر نکل جائیں وہ کامیاب ہیں۔"

تشریح : یہ واقعہ غزوۂ خیبر (۷ھ) سے پہلے کا ہے۔ ایک فاقہ زدہ مہمان رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے پاس آیا جبکہ آپؐ اسلامی ریاست کے صدر تھے۔ آپ نے اسے کھانا کھلانے کے لیے اہل بیت سے رجوع کیا تو ہر بیوی نے عرض کیا کہ میرے گھر میں پانی کے سوا کھانے پینے کی اور کوئی چیز نہیں ہے۔

نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم اور آپؐ کے اہل بیت نے نہ صرف یہ کہ بھوک اور معاشی تنگی پر صبر کیا، بلکہ دنیا کے مال و متاع اور خوشحالی میں دلچسپی نہ لے کر جس بے نیازی کا مظاہرہ

کیا ہے اس کی مثال نہیں ملتی۔

حضورؐ کے تربیت یافتہ صحابی اور ان کی بیوی نے تنگدستی کے باوجود مہمان کو کھانا کھلایا اور اس کی خدمت کی۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں کلمۂ خیر کہا ان کو فلاح کی بشارت دی اور رحمت کی نوید سنائی۔ معاشی تنگی کے باوجود کسی مہمان کی ضیافت کرنا نہ صرف یہ کہ نیکی ہے بلکہ حُسنِ اخلاق کا نہایت بلند مرتبہ ہے۔

میزبان کو چاہیے کہ وہ اپنے مہمان کو اپنی معاشی بدحالی سے مطلع نہ کرے۔ یہ کوئی معمولی خوبی نہیں ہے کہ آدمی تنگدستی کے باوجود کسی حاجت مند کو اپنی ذات پر ترجیح دے۔ یہ صفت صرف اس آدمی میں پائی جاتی ہے جس کا دل بُخل اور حرص سے پاک ہو۔

رشحات

اسلامی معاشرے میں مہمان کے بھی حقوق ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق جو کچھ ارشاد فرمایا ہے اس کی تلخیص یہ ہے :

ضیافت انبیاء اور صالحین کی بہترین عادات میں سے ہے۔ اسلام نے خلقِ خدا کو جن اچھے آداب اور اخلاق کی تعلیم دی ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ مہمان کی عزّت کی جائے اور اس سے حسن سلوک کیا جائے۔

پہلے دن نہایت عمدہ اور پُر تکلف کھانے سے اس کی خاطر داری کی جائے، دوسرے اور تیسرے دن وہ کھانا کھلایا جائے جو عام حالات میں گھر میں تیار ہوتا ہے۔ مہمانی تین دن تک ہے اس کے بعد مہمان جو کچھ کھاتا پیتا ہے اسے صدقہ، خیرات کہتے ہیں۔

مہمان کو سکون اور راحت دینے کی کوشش کی جائے، اس کی عزّتِ نفس کو مجروح نہ کیا جائے، اس کی دل آزاری اور تحقیر سے پرہیز کیا جائے۔

میزبان کو مہمان سے خوش اخلاقی، کشادہ ظرفی اور خندہ پیشانی سے پیش آنا چاہیے۔

جس بستی میں کھانے پینے کی چیزوں کی خرید و فروخت کا کوئی انتظام نہ ہو اس کے رہنے والوں کو لازماً مہمان کی ضیافت کرنی چاہیے۔

رہی شہری آبادی یا قصبہ، جس میں کھانے پینے کی چیزیں بکتی ہوں اگر اس کے رہنے والے مہمان کی ضیافت کریں تو یہ مُروّت اور خوش اخلاقی ہے لیکن ان کے لیے ضروری نہیں ہے۔

اگر مہمان کھانا کھانے کی قیمت ادا نہ کر سکتا ہو اور بستی کا کوئی آدمی بھی اسے کھانا نہ کھلائے تو اس بستی میں رہنے والے، خوشحال افراد گناہ گار ہیں بشرطیکہ مہمان کے

بھوکے اور خالی ہاتھ ہونے کا انہیں علم ہو جائے۔

میزبان کو چاہیے کہ وہ تنگدستی کے باوجود بھی مہمان کی خدمت کرے اور اپنی استطاعت کے مطابق اسے کھانا کھلائے لیکن اپنی مالی پریشانی کی کہانی سُنا کر اُسے مغموم نہ کرے۔

مہمان کو تین دن سے زیادہ اپنے میزبان کے پاس قیام نہ کرنا چاہیے اِلّا یہ کہ وہ خوشدلی سے اسے اپنے پاس رہنے کی دعوت دے یا مجبور کرے۔

باب سوم

(۶)

پڑوسی کے حقوق

پڑوسی کی عزت کرنی چاہیے

(۲۱۳) إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيُحْسِنْ إِلٰى جَارِهٖ
وَفِيْ رِوَايَةٍ فَلْيُكْرِمْ جَارَهٗ
وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهٗ
وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا أَوْ لِيَسْكُتْ۔ (مسلم عن شریح الخزاعی کتاب الایمان ۔ بخاری کتاب الادب)

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو اسے اپنے پڑوسی سے نیک سلوک کرنا چاہیے ——— اور دوسری روایت میں ہے کہ اسے اپنے پڑوسی کی عزت کرنی چاہیے ———
اور جو شخص اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو اسے اپنے مہمان کی عزت کرنی چاہیے اور جو شخص اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو وہ اچھی بات کہے ورنہ خاموش رہے۔"

تشریح: "ایمان کامل" کی بہت سی علامتوں میں سے تین علامتیں یہ ہیں جن کا ذکر اس حدیث میں ہے۔

ا ـــ مومن کو اپنے پڑوسی کی عزت کرنی چاہیے اور اس سے نیک سلوک کرنا چاہیے۔ نبی صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے ارشادِ گرامی کا مطلب یہ ہے کہ مومن ہونے کی حیثیت سے تم پر پڑوسی کا حق یہ ہے کہ جب وہ بیمار پڑے تو اس کی عیادت کرو اور جب وہ قرض طلب کرے تو اسے قرض دو، اگر کسی معاملہ میں وہ تمہاری مدد طلب کرے تو اس کی مدد کرو، اگر اسے معاشی پریشانی ہو تو اس کی اعانت کرو، اگر وہ کسی مصیبت میں مبتلا ہو تو اسے تسلّی دو اور اس سے ہمدردی کا اظہار کرو، اگر وہ نعمت پائے تو اسے مبارکباد دو۔ قرآن میں ہے:

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ
اِحْسَانًا وَّبِذِی الْقُرْبٰی وَالْيَتٰمٰی وَالْمَسَاكِيْنِ
وَالْجَارِ ذِی الْقُرْبٰی وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ
بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ؕ
اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا ۝

(النساء : ۳۶)

"اور تم سب اللہ کی بندگی کرو۔ اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ۔ ماں باپ کے ساتھ نیک برتاؤ کرو۔ قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آؤ۔ اور پڑوسی رشتہ دار سے، اجنبی ہمسایہ سے، پہلو کے ساتھی اور مسافر سے اور ان لونڈی غلاموں سے جو تمہارے قبضہ میں ہوں، احسان کا معاملہ رکھو، یقین جانو اللہ کسی ایسے شخص کو پسند نہیں کرتا جو اپنے پندار میں مغرور ہو اور اپنی بڑائی پر فخر کرے"

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اہل ایمان کو جن حقوق العباد کے ادا کرنے کا حکم دیا ہے، ان میں سے ایک یہ ہے کہ پڑوسی سے احسان کا معاملہ رکھا جائے۔

پڑوسی چاہے رشتہ دار ہو یا اجنبی ہر حال میں اس سے حسنِ سلوک سے پیش آنا چاہیے، البتہ اجنبی ہمسایہ کے مقابلہ میں رشتہ دار ہمسایہ کا حق دُہرا ہے، اس کا ایک تو رشتہ داری کا ہے اور دوسرا ہمسائیگی کا ہے۔

۲ــ ۳ــ مومن کو اپنے مہمان کی عزت کرنی چاہیے اور اسے ہمیشہ اچھی اور سچی بات کہنی چاہیے، وہ اپنی زبان کی حفاظت کرے غیر ذمہ دارانہ اور لغو باتوں سے پرہیز کرے۔

بہتر پڑوسی

(۲۱۴) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرُ الْاَصْحَابِ عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرُهُمْ لِصَاحِبِهٖ وَخَيْرُ الْجِيْرَانِ عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرُهُمْ لِجَارِهٖ۔ (ترمذی عن عبداللہ بن عمرو ابواب البر والصلة مسند احمد)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے نزدیک بہتر دوست وہ ہے جو اپنے دوست کے لیے اچھا ہو اور بہتر پڑوسی وہ ہے جو اپنے پڑوسی کے لیے اچھا ہو۔"

تشریح: ایک شخص کے بہت سے پڑوسی ہوتے ہیں۔ ان میں سے ہر شخص ایک دوسرے کا پڑوسی ہے۔ بہتر پڑوسی وہ ہے جو اپنے ہمسایہ سے ہمیشہ بھلائی اور احسان کا برتاؤ کرتا رہے ورنہ اسے نقصان تو نہ پہنچائے۔

اللہ تعالیٰ کے نزدیک کسی شخص کا اپنے دوست اور ہمسایہ کے لیے اچھا ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں اس کا رویہ قابل قدر ہے اور وہ اسے اس پر اجر دے گا۔

پڑوسی کے بارے میں جبریلؑ کی بار بار تاکید

(۲۱۵) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا زَالَ جِبْرِیْلُ یُوْصِیْنِیْ بِالْجَارِ حَتّٰی ظَنَنْتُ اَنَّہٗ سَیُوَرِّثُہٗ۔

(بخاری عن عائشۃ کتاب الادب مسلم کتاب البر والصلۃ)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پڑوسی کے بارے میں جبریل علیہ السلام مجھے بار بار تاکید کرتے تھے یہاں تک کہ میں نے خیال کیا کہ وہ ایک پڑوسی کو دوسرے پڑوسی کا وارث قرار دیں گے۔"

تشریح: حضرت جبریل علیہ السلام نے پڑوسی کے حقوق کی حفاظت کرنے اور اس کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے پر بہت زور دیا۔

پڑوسی کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کے معنی یہ ہیں کہ اسے سلام کیا جائے، تحفہ دیا جائے اور اس کی خیر و عافیت معلوم کی جائے اگر وہ کسی تکلیف اور مصیبت میں مبتلا ہو تو اس کی مدد کی جائے اور جب اس سے ملاقات ہو تو مسکرا کر بات کی جائے۔

اس حدیث کے ایک اور راوی حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے گھر میں بکری ذبح کی گئی تو انہوں نے فرمایا:

کیا تم نے ہمارے پڑوسی یہودی کو بھی کچھ گوشت کا تحفہ دیا ہے۔

پڑوسی کے لیے وہی پسند کرو جو تم اپنے لیے پسند کرتے ہو

(۲۱۶) عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَا يُؤْمِنُ عَبْدٌ حَتّٰى يُحِبَّ لِجَارِهٖ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهٖ۔

(مسلم عن انس کتاب الایمان)

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری زندگی ہے کوئی بندہ مومن نہیں ہوسکتا جب تک وہ اپنے پڑوسی کے لیے وہی چیز پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔"

تشریح: اس شخص کے ایمان میں نقص اور کمزوری ہے جو دنیا کی بھلائیوں اور دین کی نعمتوں کو اپنے لیے تو پسند کرتا ہے اور ان سے فائدہ اُٹھاتا ہے لیکن اپنے پڑوسی کو اس سے محروم رکھتا ہے۔

کون سا پڑوسی ہدیہ کا مستحق ہے

(۲۱۷) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اِنَّ لِيْ جَارَيْنِ فَاِلٰى اَيِّهِمَا اُهْدِيْ ؟ قَالَ : اِلٰى اَقْرَبِهِمَا مِنْكِ بَابًا۔ (بخاری کتاب الادب وکتاب الہبۃ)

"حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) میرے دو پڑوسی ہیں ان میں سے کس کے یہاں ہدیہ بھیجوں ؟ آپؐ نے فرمایا: جس کے گھر کا دروازہ تیرے گھر کے دروازے سے زیادہ قریب ہو۔"

تشریح: پڑوسی کے یہاں ہدیہ، تحفہ بھیجنا مستحب ہے۔ پڑوسی تو بہت ہوتے ہیں، ظاہر بات ہے کہ آدمی سب کے یہاں تو ہدیہ نہیں بھیج سکتا۔ آدمی صرف اس کے یہاں تحفہ بھیجے جس کا گھر اس کے گھر سے زیادہ قریب ہو۔

پڑوسیوں کے درمیان ہدیہ کا لین دین

(۲۱۸) عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : يَا نِسَاءَ الْمُسْلِمَاتِ!

لَا تَحْقِرَنَّ جَارَةٌ لِجَارَتِهَا وَلَوْ فِرْسِنَ شَاةٍ۔

(بخاری عن ابی ہریرۃ کتاب الہبۃ وکتاب الادب)

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے مسلمان خواتین! پڑوسن، پڑوسن کے لیے ہدیہ دینے کو حقیر نہ جانے چاہے وہ بکری کا ایک کھر ہو۔"

تشریح: ہر مسلمان عورت کو اپنی حیثیت کے مطابق پڑوسن کے یہاں ھدیہ بھیجتے رہنا چاہیے یہاں تک کہ وہ معمولی چیز کا ہدیہ بھیجنے میں بھی تأمل نہ کرے۔ اسی طرح کسی پڑوسن کے یہاں سے آئے ہوئے معمولی ہدیہ کو بھی وہ حقیر نہ جانے بلکہ اسے خوش دلی سے قبول کرے اور ہدیہ دینے والی کا شکریہ ادا کرے۔ اس سے نہ صرف یہ کہ ایک دوسرے کے خلاف، کینہ اور غصّہ دُور ہو جاتا ہے بلکہ وہ ایک دوسرے سے محبّت کرنے لگتی ہیں اور ان کے باہمی تعلقات خوشگوار ہو جاتے ہیں۔

پڑوسی کی خبر گیری

(۲۱۹) عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَا اَبَاذَرٍّ اِذَا طَبَخْتَ مَرَقَۃً فَاَکْثِرْ مَاءَھَا وَتَعَاھَدْ جِیْرَانَکَ۔

(مسلم کتاب البر والصلۃ باب الوصیۃ بالجار)

"حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابوذر! جب تو شوربے والا سالن پکانے لگے تو اس کا پانی زیادہ کر دے اور اپنے پڑوسیوں کی خبر گیری کر۔"

تشریح: پڑوسیوں کی خبر گیری کرنے کے معنیٰ یہ ہیں کہ جس پڑوسی کے گھر میں سالن نہ پکا ہو اس کے یہاں کچھ سالن بھیج دیا جائے لیکن اس ہدایت کے برعکس عام طور پر کھاتے پیتے گھروں میں کھانا بہت وافر مقدار میں پکتا ہے، ضرورت سے زیادہ ہونے کی وجہ سے وہ گھر میں خراب ہوتا رہتا ہے، وہ اُسے ضائع تو کر دیتے ہیں لیکن کسی پڑوسی کے گھر بھیجنا پسند نہیں کرتے، بلکہ وہ اپنے نوکر اور ملازمہ کو بھی دینا گوارا نہیں کرتے حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس خشک مزاجی اور روکھے پن کو ناپسند فرمایا ہے کہ کھانے کے اوقات میں آدمی اپنے غریب

پڑوسی کو بالکل نظرانداز کردے اور کبھی بھی کھانے پینے کی کوئی چیز اسے نہ دے۔

مومن کا ہمسایہ بھوکا نہیں رہتا

(۲۲۰) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَیْسَ الْمُؤْمِنُ بِالَّذِیْ یَشْبَعُ وَجَارُہٗ جَائِعٌ اِلٰی جَنْبِہٖ۔

(مشکوٰۃ کتاب الآداب باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق)

"حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سُنا ہے کہ وہ مومن نہیں ہے جو خود پیٹ بھر کر کھانا کھالے اور اس کے پہلو میں اس کا ہمسایہ بھوکا رہ جائے۔"

تشریح: جو شخص جانتا ہو کہ اس کا ہمسایہ بھوکا ہے وہ اسے کھانا نہ کھلائے اور خود بڑے اطمینان سے پیٹ بھر کر کھانا کھالے وہ نہ صرف یہ کہ سنگدل ہے بلکہ اس کا ایمان بھی ناقص اور کمزور ہے۔ اس طرح کی جسارت صرف وہ شخص کرسکتا ہے جو اپنے ہمسایہ کی خبرگیری کرنے میں غیر معمولی غفلت اور چشم پوشی سے کام لے۔

مومن پڑوسی کو نہیں ستاتا

(۲۲۱) اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: وَاللّٰہِ لَا یُؤْمِنُ، وَاللّٰہِ لَا یُؤْمِنُ، وَاللّٰہِ لَا یُؤْمِنُ! قِیْلَ: مَنْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ؟ قَالَ: اَلَّذِیْ لَا یَأْمَنُ جَارُہٗ بَوَائِقَہٗ۔

(بخاری عن ابی شریح کتاب الادب)

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی قسم وہ مومن نہیں ہے، اللہ کی قسم وہ مومن نہیں ہے، اللہ کی قسم وہ مومن نہیں ہے،

عرض کیا گیا کون؟ اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم)

آپؐ نے فرمایا: جس کے شر سے اس کا ہمسایہ امن میں نہ ہو۔"

تشریح: "مومن" کا مصدر ایمان امن سے ماخوذ ہے جو شخص اللہ پر ایمان رکھتا ہو وہ

مفسد اور شر پسند نہیں ہو سکتا۔ اس سے یہ بات نکلتی ہے کہ مومن اپنے پڑوسی کو ایذا نہیں دیتا، اس پر ظلم نہیں کرتا، اس پہ بہتان نہیں لگاتا، اس کی عزّت و آبرو پہ حملہ نہیں کرتا، بلکہ وہ امن و سلامتی کا پیکر ہوتا ہے۔

نہ صرف یہ کہ مومن پڑوسی اس کے شر اور درازدستی سے محفوظ رہتے ہیں بلکہ غیر مسلم ہمسائے بھی اس کی شرافت، امانت اور اخلاق پر اعتماد کرتے ہیں۔

جو شخص اپنی شرارتوں سے ہمسایہ کو پریشان کرتا رہتا ہو اور اپنی فتنہ انگیزی سے اس کا چین چھین لیتا ہو وہ مومن نہیں ہے۔

ایک دوسری روایت میں ہے :

لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ لَا يَأْمَنُ جَارُهُ بَوَائِقَهُ۔

(مسلم عن ابی ہریرۃ کتاب الایمان باب تحریم ایذاء الجار)

"جس کے شر سے اس کا ہمسایہ امن میں نہ ہو وہ جنّت میں نہ جائے گا"

پڑوسیوں کے خلاف زبان درازی کی سزا

(۲۲۲) قَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللهِ! اِنَّ فُلَانَةَ تُذْكَرُ مِنْ كَثْرَةِ صَلَاتِهَا وَصِيَامِهَا وَصَدَقَتِهَا غَيْرَ اَنَّهَا تُؤْذِيْ جِيْرَانَهَا بِلِسَانِهَا

قَالَ : هِيَ فِي النَّارِ

قَالَ يَا رَسُوْلَ اللهِ! فَاِنَّ فُلَانَةَ تُذْكَرُ قِلَّةُ صِيَامِهَا وَصَدَقَتِهَا وَصَلَاتِهَا وَاِنَّهَا تَصَدَّقُ بِالْاَثْوَارِ مِنَ الْاَقِطِ وَلَا تُؤْذِيْ بِلِسَانِهَا جِيْرَانَهَا

قَالَ : هِيَ فِي الْجَنَّةِ۔

(مشکوٰۃ عن ابی ہریرۃ کتاب الآداب باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق)

"ایک آدمی نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! (صلّی اللہ علیہ وسلّم) فلاں عورت کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ وہ کثرت سے نماز پڑھتی ہے اور

بہت روزے رکھتی ہے اور بہت صدقہ کرتی ہے لیکن وہ اپنے پڑوسیوں کو اپنی زبان سے تکلیف پہنچاتی ہے۔

آپؐ نے فرمایا: وہ دوزخ میں جائے گی۔

اس آدمی نے پھر عرض کیا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) فلاں عورت کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ وہ تھوڑے روزے رکھتی ہے اور تھوڑی نماز پڑھتی ہے اور صدقہ بھی کم کرتی ہے۔ پنیر کے کچھ ٹکڑے صدقہ کرتی ہے لیکن اپنے پڑوسیوں کو اپنی زبان سے ایذا نہیں دیتی۔

آپؐ نے فرمایا: وہ جنّت میں جائے گی۔"

تشریح: حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے عہدِ مبارک میں اس بات کا تصوّر بھی نہ کیا جا سکتا تھا کہ کوئی مسلمان عورت پانچ وقت کی نماز ادا نہیں کرتی، رمضان کے روزے نہیں رکھتی اور اپنے مال کی زکوٰۃ نہیں دیتی۔ اس حدیث میں جن دو عورتوں کا ذکر ہے وہ ان فرائض کی پابند تھیں، ان میں سے پہلی عورت، اس لحاظ سے مشہور تھی کہ وہ کثرت سے نفل نماز پڑھتی ہے اور نفل روزے رکھتی ہے اور اللہ کی راہ میں بہت سا مال خرچ کرتی ہے لیکن اپنی زبان درازی سے اس نے اپنے پڑوسیوں کو بہت تنگ کر رکھا تھا۔

اور دوسری عورت پہلی عورت کے مقابلہ میں نفل عبادت میں کم حصّہ لیتی اور صدقہ بھی کم کرتی لیکن وہ بدزبان نہیں تھی اور اپنے پڑوسیوں کو نہیں ستاتی تھی۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے پہلی عورت کو اس کی کثرت عبادت کے باوجود اس بنا پر دوزخی قرار دیا کہ اس کے پڑوسی اس کی بدزبانی کی زد میں تھے۔ اور دوسری عورت کو نفل عبادات میں زیادہ دلچسپی نہ لینے کے باوجود اس بنا پر جنّتی قرار دیا کہ اس کے پڑوسیوں کو اس سے کوئی شکایت نہ تھی، وہ نہ تو کسی پڑوسن کی غیبت کرتی اور نہ اس پر بہتان لگاتی اور نہ اسے گالی دیتی اور نہ اس پر طنز کرتی۔

پڑوسیوں کے خلاف بدزبانی کرنے والوں کی سزا جہنّم ہے چاہے وہ کثرت سے عبادت کرتے ہوں اور صدقہ خیرات کرنے میں فیّاض ہوں۔

پڑوسی ایک دوسرے کی دیوار سے استفادہ کرسکتے ہیں

(۲۲۳) اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا یَمْنَعُ اَحَدُکُمْ جَارَہٗ اَنْ یَّغْرِزَ خَشَبَۃً فِیْ جِدَارِہٖ۔

(بخاری عن ابی ہریرۃ ابواب المظالم مسلم کتاب المساقاۃ)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص اپنی دیوار میں پڑوسی کو لکڑی گاڑنے سے نہ روکے۔"

تشریح: حنفیہ کے نزدیک ضرورت پڑنے پر آدمی اپنے پڑوسی سے اجازت لے کر اس کی دیوار میں لکڑی گاڑ سکتا ہے اور اس پر رکھ سکتا ہے۔ دیوار کے مالک کو چاہیے کہ وہ اپنے پڑوسی کو اس سے استفادہ کی اجازت دے کر اجر حاصل کرے لیکن امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ پڑوسی کو دیوار میں لکڑی گاڑنے کا حق ہے چاہے دیوار کا مالک اس کی اجازت نہ دے۔

قیامت کے دن پہلا مقدمہ ۔ ظالم پڑوسی کے خلاف

(۲۲۴) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَوَّلُ خَصْمَیْنِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ جَارَانِ۔

(مشکوٰۃ عن عقبہ بن عامر کتاب الآداب بحوالہ احمد)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن جن دو جھگڑا کرنے والوں کا مقدمہ سب سے پہلے پیش ہوگا وہ دو پڑوسی ہوں گے۔"

تشریح: اگر کسی شخص نے اپنے پڑوسی کا حق ادا نہیں کیا ہے یا اسے تکلیف پہنچائی ہے تو وہ پڑوسی اللہ تعالیٰ کی عدالت میں مقدمہ دائر کردے گا اور ظاہر بات ہے کہ پڑوسی کی حق تلفی کرنے والے یا اسے ستانے والے کو سزا ملے گی۔

پڑوسیوں کی رائے

(۲۲۵) قَالَ رَجُلٌ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! کَیْفَ لِیْ اَنْ اَعْلَمَ اِذَا اَحْسَنْتُ اَوْ اِذَا اَسَاْتُ؟ فَقَالَ

النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَمِعْتَ جِيْرَانَكَ يَقُوْلُوْنَ قَدْ أَحْسَنْتَ فَقَدْ أَحْسَنْتَ وَإِذَا سَمِعْتَهُمْ يَقُوْلُوْنَ قَدْ أَسَأْتَ فَقَدْ أَسَأْتَ۔

(مشکوٰۃ عن ابن مسعود کتاب الآداب باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق بحوالہ ابن ماجہ)

"ایک آدمی نے نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم سے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم جب میں نیکی کروں تو مجھے کیسے معلوم ہو (کہ میں نے نیکی کی ہے؟) یا جب میں بُرائی کروں تو مجھے کیسے معلوم ہو (کہ میں نے برائی کی ہے؟)

نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: جب تُو اپنے پڑوسیوں کو یہ کہتے سُنے کہ تُو نے نیکی کی ہے تو بے شک تو نے نیکی ہے اور جب تو اُن کو یہ کہتے ہوئے سُنے کہ تُو نے بُرائی کی ہے تو بے شک تُو نے بُرائی کی ہے۔"

تشریح: سب پڑوسیوں کی اجتماعی رائے کے غلط ہونے کا امکان بہت کم ہوتا ہے اس بنا پر کسی شخص کے اچھے یا بُرے ہونے کے بارے میں ان کی رائے صحیح ہوتی ہے۔

رشحات

حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کو پڑوسی کے ساتھ نیک سلوک کرنے کی بار بار تاکید کی گئی یہاں تک کہ آپؐ نے گمان کیا کہ شاید وہ ایک دوسرے کے وارث بنا دیے جائیں گے، اس سلسلہ میں آپؐ نے بڑی اہم ہدایات دی ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے :

ہر مسلمان کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے پڑوسی کا احترام کرے اور اس کے ساتھ اچّھا برتاؤ کرے، جب وہ بیمار پڑے تو اس کی عیادت کرے، اگر وہ تنگدست ہو تو اس کی اعانت کرے، اگر وہ مصیبت میں مبتلا ہو تو اس سے تعاون کرے، جب وہ ملے تو اسے سلام کرے، اگر وہ سلام کرے تو اس کا جواب دے اور اس کی خیر و عافیت معلوم کرے اور اس سے مُسکرا کر بات کرے، پڑوسی کے یہاں ہدیہ بھیجنا مستحب ہے، اس کا سب سے زیادہ مستحق وہ ہے جس کے گھر کا دروازہ تمہارے گھر کے دروازے سے زیادہ قریب ہو، نہ تو معمولی چیز کا ہدیہ دینے کو حقارت کی نگاہ سے دیکھنا چاہیے اور نہ اس کے قبول کرنے میں تامل کرنا چاہیے، بلکہ اس ہدیہ کو خوش دلی سے قبول کر کے ہدیہ دینے والے کا شُکریہ ادا کرنا چاہیے۔

ہدیہ کے لین دین سے دل، غُصّہ اور کینہ سے صاف ہو جاتے ہیں اور اس سے باہمی تعلقات کے خوشگوار ہونے میں مدد ملتی ہے۔

غریب اور نادار پڑوسیوں کی خبر گیری بھی کرنا چاہیے، جس پڑوسی کے گھر سالن نہ پکا ہو تو اس کے یہاں کچھ سالن بھیج دینا چاہیے۔

اس کے علاوہ اگر کھانا گھر میں ضرورت سے زیادہ تیار ہو جائے تو اسے ضائع نہ

کیا جائے بلکہ کسی پڑوسی کے ہاں بھیج دیا جائے۔

یاد رہے کہ کسی پڑوسی کو بھوکا نہ رہنا چاہیے۔ جو شخص خود پیٹ بھر کر کھانا کھالے اور اس کے پہلو میں اس کا پڑوسی بھوکا رہ جائے وہ سخت مجرم ہے اور اس کا ایمان بہت کمزور ہے۔

اسلام نے نہ صرف یہ کہ پڑوسی کے ساتھ نیک برتاؤ کرنے کا حکم دیا ہے، بلکہ اس نے اس کو ضرر پہنچانے سے بھی سخت منع کیا ہے۔

پڑوسی چاہے رشتہ دار ہو یا اجنبی یا غیر مسلم ہو۔

۱۔ رشتہ دار پڑوسی، مسلمان، رشتہ دار اور ہمسایہ ہونے کی بنا پر حسنِ سلوک کیے جانے کا مستحق ہے۔

۲۔ اجنبی ہمسایہ، مسلمان اور پڑوسی ہونے کی وجہ سے اور

۳۔ غیر مسلم ہمسایہ صرف پڑوسی ہونے کی بنا پر حسنِ سلوک کیے جانے کا مستحق ہے۔

کوئی مسلمان اپنے پڑوسی کی جان و مال اور آبرو پر ہاتھ نہ ڈالے۔ جس شخص کا ہمسایہ اس کے شر سے محفوظ نہ ہو وہ مومن نہیں ہے۔ مسلمان اپنے پڑوسی پر نہ تو ظلم کرتا ہے اور نہ اس پر بہتان لگاتا ہے اور نہ اسے ذلیل و رسوا کرنے کی کوشش کرتا ہے اور نہ اس کی غیبت کرتا ہے اور نہ اس پر طنز کرتا ہے۔

جو شخص اپنے پڑوسی کو اپنی زبان یا عمل سے نقصان پہنچاتا ہے وہ جنّت میں نہ جائے گا چاہے وہ زاہد شب زندہ دار ہو اور صدقہ خیرات کرنے میں فیاض ہو۔ اس کے برعکس فرائض کی پابندی کرنے اور کبیرہ گناہوں سے بچنے والا، نفل عبادات اور صدقہ میں زیادہ دلچسپی نہ لینے کے باوجود جنّتی ہے اگر وہ پڑوسی کو نہ ستائے۔ جو شخص پڑوسی کو ایذا دیتا ہے یا اس کا حق تلف کرتا ہے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی عدالت میں اس کے خلاف سب سے پہلے مقدمہ پیش ہوگا اور وہ اس جُرم کی سزا پا کر رہے گا۔

پڑوسی کو دوسرے پڑوسی کے مکان، دکان یا احاطہ کی دیوار میں لکڑی گاڑنے کا

حق ہے۔ دیوار کے مالک کو چاہیے کہ وہ خوش دلی سے اسے اس کی اجازت دے دے۔
کسی شخص کے اچھّے یا بُرے ہونے کے بارے میں اُس کے پڑوسیوں کی رائے صائب
ہوتی ہے۔

باب سوم

(۷)

غریبوں اور کمزوروں کے حقوق

خُدا ترس غریب جنّتی ہیں

(۲۲۶) عَنْ حَارِثَةَ بْنِ وَهْبٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ:

اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِاَهْلِ الْجَنَّةِ كُلُّ ضَعِيْفٍ مُتَضَعَّفٍ لَوْ اَقْسَمَ عَلَى اللّٰهِ لَاَبَرَّهُ

اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِاَهْلِ النَّارِ كُلُّ عُتُلٍّ جَوَّاظٍ مُسْتَكْبِرٍ۔

(بخاری کتاب التفسیر، کتاب الایمان والنذور کتاب الادب مسلم کتاب الجنۃ)

حارثہ بن وہب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں میں نے نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کو یہ فرماتے سُنا ہے کیا میں تمہیں نہ بتاؤں کہ بہشت میں کون جائے گا؟ ہر وہ شخص جو کمزور ہے اور لوگ بھی اسے حقیر جانتے ہیں اگر وہ اللہ کے بھروسے پر قسم کھائے تو اللہ تعالیٰ اس کی قسم پوری کر دیتا ہے۔

کیا میں تمہیں نہ بتاؤں کہ دوزخی کون ہے؟ ہر وہ شخص جو تند خو ہونے کی وجہ سے حق کے خلاف ڈٹ جاتا ہے، اکڑ کر چلتا ہے اور متکبّر ہے۔"

تشریح: یہ دنیا امتحان گاہ ہے، اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کو امتحان میں مبتلا کر دیا ہے، کسی شخص کے خوشحال اور طاقتور ہونے کے معنیٰ یہ نہیں ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہے اور وہ جنّت میں جائے گا، کسی شخص کے مفلس اور کمزور ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہے اور وہ دوزخ میں جائے گا۔

بہشت میں عموماً ایسے افراد جائیں گے جو معاشی اور معاشرتی لحاظ سے کمزور ہونے کی بنا پر حقارت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں وہ ایسے محترم ہیں کہ وہ ان کی دُعا رد نہیں کرتا۔ ربّ کائنات کے یہ نیک بندے اگر اپنے رب کے فضل وکرم پر اعتماد کر کے یہ کہہ دیں کہ اللہ کی قسم! فُلاں کام ہو کر رہے گا تو وہ کام لازماً ہو کر رہتا ہے، اللہ تعالیٰ انہیں رُسوا نہیں کرتا۔

اللہ تعالیٰ کے نادار اور کمزور بندوں کو حقیر نہ جاننا چاہیئے بلکہ ان کا احترام کرنا چاہیے۔
حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے ارشاد گرامی کے مطابق عام طور پر دوزخ میں وہ لوگ جائیں گے،

جو اُجڈ اور تُند خو ہونے کی وجہ سے حق کے خلاف محاذ کھول لیتے ہیں اور باطل کی حمایت میں بہت زیادہ جھگڑتے ہیں، اکڑ کر چلتے ہیں، نیکی کی راہ میں ایک پیسہ بھی خرچ نہیں کرتے، بلکہ بہت زیادہ حریص ہونے کے باعث دولت سمیٹنے کے جنون میں مبتلا ہو جاتے ہیں، وہ پیٹو اور تن پرور ہوتے ہیں، علم یا دولت یا طاقت کے نشہ میں وہ اپنے آپ کو بہت بڑی شخصیت سمجھتے ہیں، ان کی نگاہ میں ہر وہ شخص ذلیل اور حقیر ہوتا ہے جو ان سے مرتبہ میں کم ہو۔

جنّت، غریبوں کا مسکن

(۲۲۷) قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تَحَاجَّتِ الْجَنَّۃُ وَالنَّارُ
فَقَالَتِ النَّارُ اُوْثِرْتُ بِالْمُتَکَبِّرِیْنَ وَ الْمُتَجَبِّرِیْنَ،
وَ قَالَتِ الْجَنَّۃُ مَالِیْ لَا یَدْخُلُنِیْ اِلَّا ضُعَفَاءُ النَّاسِ وَسَقَطُھُمْ
قَالَ اللّٰہُ تَبَارَکَ وَ تَعَالٰی لِلْجَنَّۃِ اَنْتِ رَحْمَتِیْ اَرْحَمُ بِکِ مَنْ اَشَاءُ مِنْ عِبَادِیْ
وَ قَالَ لِلنَّارِ اِنَّمَا اَنْتِ عَذَابِیْ اُعَذِّبُ بِکِ مَنْ اَشَاءُ مِنْ عِبَادِیْ وَلِکُلِّ وَاحِدَۃٍ مِّنْھُمَا مِلْؤُھَا۔

(بخاری عن ابی ہریرۃ کتاب التفسیر۔ مسلم کتاب الجنۃ)

"نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: جنّت اور دوزخ نے ایک دوسرے سے بحث کی (کہ ان دونوں میں افضل کون ہے؟)

دوزخ کی آگ بولی: میں اس بنا پر فضیلت رکھتی ہوں کہ متکبّر اور ظالم لوگ ہی میرے پاس ہوں گے۔

جنّت نے کہا: میرے اندر تو صرف وہ لوگ آ سکتے ہیں جو (جسمانی اور مالی اعتبار سے) کمزور (اور عام لوگوں کی نگاہ میں) حقیر ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے جنّت سے فرمایا: تو میری رحمت (کی مظہر) ہے میں اپنے جن بندوں پر رحمت کرنا چاہوں گا، ان کو تیرے حوالہ کر دوں گا۔

اور دوزخ سے فرمایا: تو عذاب ہے میں اپنے جن بندوں کو سزا دینا چاہوں گا ان کو تیرے سپرد کر دوں گا اور ان میں سے ہر ایک بھر جائے گی۔"

تشریح: ۱ — جنّت اور دوزخ نے فی الواقع بحث اور گفت گو کی تھی، یہ مسلمہ حقیقت ہے۔ جنّت اور دوزخ کے باشعور ہونے اور گفت گو کرنے میں صرف وہ ذہن شک کر سکتا ہے جو اللہ کی غیر محدود قدرت اور ہمہ گیر اقتدار کا قائل نہ ہو۔

۲ — جنّت میں زیادہ تر وہ نیک اور خدا ترس غریب جائیں گے جو مالی اور جسمانی اعتبار سے کمزور ہونے کی بنا پر عام لوگوں کی نگاہ میں حقیر ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ بڑے وقیع اور مقرب ہیں۔ اس کی تائید حضور صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے حسب ذیل ارشادات سے بھی ہوتی ہے:

قُمْتُ عَلٰی بَابِ الْجَنَّةِ فَكَانَ عَامَّةُ مَنْ دَخَلَهَا الْمَسَاكِيْنُ۔

(بخاری عن اُسامۃ کتاب الرقاق)

"میں جنّت کے دروازے پر کھڑا تھا دیکھا کہ اس میں زیادہ تر غریب جا رہے ہیں۔"

اِطَّلَعْتُ فِی الْجَنَّةِ فَرَأَيْتُ اَكْثَرَ اَهْلِهَا الْفُقَرَاءَ۔

(بخاری عن عمران بن حُصین کتاب الرقاق)

"میں نے جنّت میں جھانکا تو دیکھا اس میں غریبوں کی کثرت ہے۔"

۳ — جنّت اللہ تعالیٰ کے جمال اور رحمت کی مظہر ہے۔

کمزور اور غریبوں کے جنّت میں جانے کے یہ معنیٰ نہیں ہیں کہ کوئی دولت مند اور خوشحال آدمی جنّت میں نہ جا سکے گا۔ جو شخص اللہ کا بندہ بن کر رہے، ظاہر و باطن میں

اس کی اطاعت کرے اور اللہ تعالیٰ کی بتائی ہوئی راہ پر چلے وہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے جنّت میں جائے گا چاہے وہ غریب وبے نوا ہو یا مالدار۔ یہ الگ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بتائی ہوئی راہ پر چلنے اور اس کے کلمہ کو بلند کرنے کی سعادت اکثر غریبوں کے حصّہ میں آتی رہی ہے، رہے دولتمند، تو ان میں سے بہت کم افراد کو اس راہ پر چلنے کی توفیق ملتی ہے۔

نیک اور خدا ترس مالداروں کو بھی اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے جنّت عطا فرمائے گا لیکن کافی عرصہ تک انہیں عدالت میں احتساب کے لیے رکنا پڑے گا۔

۴ — دوزخ، اللہ تعالیٰ کے جلال اور غضب کی مظہر ہے۔

تکبّر کرنے والوں اور متجبّروں —— ظلم اور جبر کے ساتھ لوگوں پر حکومت کرنے والوں —— کو اس میں جگہ ملے گی۔

"مُتجبّر" اس آدمی کو کہتے ہیں جو لوگوں کو اپنی اطاعت پر مجبور کر دے اور اپنے زور بازو سے اپنی بات منوانے پر مصر ہو، کوئی غریب اور کمزور اپنی جان، مال اور آبرو کو خطرے میں ڈالے بغیر اس سے اختلاف کرنے کی جرأت نہ کر سکے۔

غریب مومن قابل رشک ہے

(۲۲۸) عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اَغْبَطَ النَّاسِ عِنْدِیْ مُؤْمِنٌ خَفِیْفُ الْحَاذِ ذُوْحَظٍّ مِنْ صَلٰوۃٍ غَامِضٌ فِی النَّاسِ لَا یُوْبَہُ لَہٗ، کَانَ رِزْقُہٗ کَفَافًا وَصَبَرَ عَلَیْہِ عُجِّلَتْ مَنِیَّتُہٗ وَقَلَّ تُرَاثُہٗ وَقَلَّتْ بَوَاکِیْہِ۔

(ابن ماجہ عن ابی اُمامہ ابواب الزہد۔ ترمذی ابواب الزہد)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: میرے نزدیک سب سے زیادہ قابلِ رشک وہ مومن ہے جس کی ذمہ داریاں کم ہوں اور نماز میں اسے اللہ تعالیٰ سے راز ونیاز کی باتیں کرتے ہوئے لذّت اور راحت حاصل ہوتی ہو، گمنام ہونے کی بنا پر اس کی پرواہ نہ کی جاتی ہو، اسے رزق بقدر ضرورت ملے اور وہ اس پر صبر

کرے، اسے موت بہت جلد آئے اور وہ اپنے پیچھے معمولی ترکہ چھوڑے اور اس کی وفات پر رونے والیاں کم ہوں"۔

تشریح: دُنیا میں طویل عُمر پانے والے خوشحال صالحین بھی اس غریب مومن کے مرتبہ اور مقام سے رشک کریں گے جو اسے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ عطا فرمائے گا بشرطیکہ اس میں یہ اوصاف پائے جائیں جن کا ذکر اس حدیث میں ہے۔

غریب مومن حضورؐ کی نگاہ میں

(۲۲۹) مَرَّ رَجُلٌ عَلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لِرَجُلٍ عِنْدَهٗ مَا رَأْيُكَ فِيْ هٰذَا؟

فَقَالَ رَجُلٌ مِنْ اَشْرَافِ النَّاسِ، هٰذَا وَاللّٰهِ حَرِيٌّ اِنْ خَطَبَ اَنْ يُنْكَحَ وَاِنْ شَفَعَ اَنْ يُشَفَّعَ

قَالَ فَسَكَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ مَرَّ رَجُلٌ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا رَأْيُكَ فِيْ هٰذَا؟

فَقَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! هٰذَا رَجُلٌ مِنْ فُقَرَآءِ الْمُسْلِمِيْنَ، هٰذَا حَرِيٌّ اِنْ خَطَبَ اَنْ لَا يُنْكَحَ وَاِنْ شَفَعَ اَنْ لَا يُشَفَّعَ وَاِنْ قَالَ اَنْ لَا يُسْمَعَ لِقَوْلِهٖ

فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

هٰذَا خَيْرٌ مِنْ مِلْءِ الْاَرْضِ مِثْلَ هٰذَا۔

(بخاری عن سہل بن سعد کتاب الرقاق)

"ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے پاس سے گزرا تو آپؐ نے اپنے پاس بیٹھے ہوئے ایک آدمی سے پوچھا: اس کے بارے میں تمہاری رائے کیا ہے؟ اس نے عرض کیا: یہ شریف اور باعزّت لوگوں میں سے ہے۔ اللہ کی قسم! یہ شخص اس لائق ہے کہ اگر نکاح کا پیغام دے تو اس کی شادی کر دی

جائے اور اگر یہ ——— کسی شخص کے لیے کسی حاکم یا رئیس کے پاس ——— سفارش کرے تو قبول کی جائے ۔ یہ سُن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے، پھر ایک دوسرا آدمی گزرا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پاس بیٹھے ہوئے آدمی سے اس کے بارے میں رائے پوچھی تو اس نے عرض کیا :

اے اللہ کے رسول ! (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ شخص ، غریب مسلمانوں میں سے ہے، یہ اس لائق ہے کہ اگر نکاح کا پیغام دے تو اس کی شادی نہ ہو سکے اور اگر سفارش کرے تو قبول نہ کی جائے اور اگر یہ بات کہے ——— چاہے وہ صحیح اور معقول ہو ——— تو اس کی طرف توجہ نہ کی جائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

یہ دوسرا آدمی ، پہلے آدمی کی طرح کے رُوئے زمین کے انسانوں سے بہتر ہے ''۔

تشریح : جو شخص ظاہر اور باطن میں اللہ کا بندہ بن جائے اس کا نہ صرف یہ کہ اللہ کی نگاہ میں بڑا مرتبہ ہے بلکہ وہ ربّ کائنات کا محبوب بھی ہے، اس بنا پر دُنیا کی سب مادّی نعمتیں اس کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتیں۔

مومن ہونے کی حیثیت سے وہ اللہ کے نزدیک بڑا وقیع ہے چاہے وہ معاشرے میں باعزت اور سردار ہو یا نادار اور غریب ہونے کی وجہ سے لوگ اسے اہمیت نہ دیں، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، البتہ قیامت کے دن بااثر اور خوشحال مومن کو کافی عرصہ تک اللہ تعالیٰ کی عدالت میں جوابدہی کے لیے رُکنا پڑے گا اور غریب مومن معمولی احتساب کے بعد فوراً جنّت میں پہنچ جائے گا۔

خوددار غریب مومن اللہ کا محبوب ہے

(۲۳۰) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ عَبْدَهُ الْمُؤْمِنَ الْفَقِيْرَ الْمُتَعَفِّفَ اَبَا الْعِيَالِ۔

(ابن ماجہ عن عمران بن حصین ابواب الزہد)

رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اپنے اس مومن بندے سے محبت کرتا ہے جو غریب اور عیالدار ہونے کے باوجود سوال کرنے سے بچتا ہے۔"

تشریح : اللہ تعالیٰ پاکدامن اور خوددار مومن سے محبت کرتا ہے جو عیالدار اور مفلس ہونے کے باوجود کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلاتا، اپنی عزّتِ نفس کو مجروح نہیں کرتا اور ہر گناہ اور برائی سے بچ کر رہتا ہے۔ کوئی شخص اس آزمائش میں ثابت قدم نہیں رہ سکتا جب تک اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اس کی حفاظت نہ فرمائے۔ اللہ تعالیٰ کا محبوب بننا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ اس منصب کو حاصل کرنے کے لیے بعض اوقات اس مرحلہ سے بھی گزرنا پڑتا ہے لیکن کھاتے پیتے مسلمان کی یہ ذمّہ داری ہے کہ وہ ایسے مومن بھائی کو نظر انداز کرنے کی کوشش نہ کرے، اس کی مالی اعانت کرے اور اسے معاشی پریشانی سے نکالے۔ یاد رہے کہ کسی پریشان حال غریب اور حاجتمند کی مال سے مدد کرنا اس پر احسان کرنا نہیں ہے بلکہ صاحبِ استطاعت کے مال میں ہر اس شخص کا حق ہے جو اس کی مدد کا محتاج ہو۔ جو شخص کسی نادار مومن کی مال سے مدد کرتا ہے وہ دراصل اس کا وہ حق ادا کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس کے مال میں رکھا ہے۔ قرآن میں متقی لوگوں کی یہ صفت بیان کی گئی ہے کہ:

وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ۝ (الذاریات: ۹)

"ان کے مالوں میں سائل اور محروم کے لیے حق تھا۔"

رزق اور نصرت کمزوروں کی دعا اور برکت سے

(۲۳۱) رَأَى سَعْدٌ (ابْنُ اَبِيْ وَقَّاصٍ) اَنَّ لَهٗ فَضْلًا عَلٰى مَنْ دُوْنَهٗ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ تُنْصَرُوْنَ وَتُرْزَقُوْنَ اِلَّا بِضُعَفَآئِكُمْ۔

(بخاری عن مصعب بن سعد کتاب الجہاد)

"حضرت سعد بن ابی وقّاص رضی اللہ عنہ نے اپنے بارے میں اس رائے کا اظہار کیا کہ انہیں مالِ غنیمت سے ان لوگوں کے مقابلہ میں زیادہ حصّہ ملنا چاہیے

جو (شجاعت اور قوت میں) ان سے کم ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دشمن کے مقابلہ میں تمہاری مدد نہیں کی جاتی اور تمہیں رزق نہیں دیا جاتا مگر ان لوگوں کی دعا اور برکت سے جو تم میں کمزور ہیں۔"

تشریح: حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ان سات افراد میں سے ایک ہیں جنہوں نے مکہ میں سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت اور تبلیغ سے متأثر ہو کر اسلام قبول کیا تھا بلکہ جن خوش نصیب صحابہ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنتی ہونے کی بشارت دی تھی، ان میں سے ایک وہ بھی تھے۔ وہ بڑے نڈر اور قومی مجاہد تھے۔ غزوۂ احد میں کفار مکہ کے خلاف انہوں نے بڑے جوش اور بے جگری سے حصہ لیا تھا حضورؐ نے ان سے خوش ہو کر فرمایا:۔

سعد! خوب تیر اندازی کرو۔ میرے ماں باپ تجھ پر قربان ہوں۔

اس بنا پر وہ چاہتے تھے کہ مالِ غنیمت کی تقسیم کے وقت دوسرے کمزور افراد کے مقابلہ میں ان سے ترجیحی سلوک کیا جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی اس رائے کو قبول نہ فرمایا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ غریب اور کمزور افراد کا دل نہ تو مال و دولت میں الجھتا ہے اور نہ ان کو عیش و عشرت سے دلچسپی ہوتی ہے اس لیے وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں عاجزی اور محبت سے مشغول رہتے ہیں۔ جب وہ تڑپ کر دل سے دعا کے لیے ہاتھ اٹھاتے ہیں تو ربّ ذوالجلال ان کی دعا قبول فرماتا ہے ان کی دعا اور برکت سے اللہ تعالیٰ دشمن کے مقابلہ میں مجاہدین کی مدد کرتا ہے اور انہیں رزق بھی دیتا ہے۔ اس حدیث کو امام نسائیؒ نے زیادہ وضاحت سے روایت کیا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں:

عَنْ سَعْدٍ اَنَّهٗ ظَنَّ اَنَّ لَهٗ فَضْلًا عَلٰی مَنْ دُوْنَهٗ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ نَبِیُّ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا يَنْصُرُ اللّٰهُ هٰذِهِ الْاُمَّةَ بِضَعِيْفِهَا بِدَعْوَتِهِمْ وَصَلَاتِهِمْ وَاِخْلَاصِهِمْ۔

(سنن النسائی کتاب الجهاد)

"حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے یہ سمجھا تھا کہ کمزور صحابہؓ کے مقابلہ میں انہیں مالِ غنیمت سے زیادہ حصّہ ملنا چاہیے۔ نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس اُمّت کی مدد فرماتا ہے اور کفّار کے مقابلہ میں ان کو غلبہ عطا فرماتا ہے اس اُمّت کے کمزور افراد کی دُعا، نماز اور اخلاص کی برکت سے۔"

ایک حدیث میں ہے:

كَانَ اَخَوَانِ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَانَ اَحَدُهُمَا يَاْتِي النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْاٰخَرُ يَحْتَرِفُ فَشَكَا الْمُحْتَرِفُ اَخَاهُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَعَلَّكَ تُرْزَقُ بِهٖ۔

(ترمذی عن انس بن مالک ابواب الزہد)

"رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے عہد میں دو بھائی تھے، ایک بھائی ہنرمند ہونے کی وجہ سے روزی کماتا تھا اور دوسرا بھائی نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہوتا رہتا تھا۔ پہلے بھائی نے حضورؐ سے اپنے دوسرے بھائی کی شکایت کی (کہ وہ کوئی دھندا نہیں کرتا) آپؐ نے اس سے فرمایا: شاید اس کی وجہ سے تمہیں رزق ملتا ہو۔"

اسی معنیٰ میں ہے وہ حدیث، جس میں حضور صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا ہے:

اِبْغُوْنِيْ فِيْ ضُعَفَائِكُمْ فَاِنَّمَا تُرْزَقُوْنَ وَتُنْصَرُوْنَ بِضُعَفَائِكُمْ۔ (ترمذی عن ابی الدرداء، ابواب الجہاد)

"تم مجھے غریب اور کمزور لوگوں میں تلاش کرو۔ (میں ان کے ساتھ رہتا ہوں) ان کی وجہ سے تمہیں رزق ملتا ہے اور مدد کیے جاتے ہو۔"

مطلب یہ ہے کہ اگر تم مجھے راضی رکھنا چاہتے ہو تو کمزوروں اور غریبوں کے ساتھ نیک سلوک کرو، ان کی دلجوئی کرو، اور ان کے حقوق کی حفاظت کرو، یہ بڑے بابرکت لوگ ہیں،

اللہ تعالیٰ ان کی دُعا اور برکت سے تمہیں رزق عطا فرماتا ہے اور تمہاری مدد بھی کرتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مالدار کسی غریب کو، طاقتور کسی کمزور کو، عالِم کسی جاہل کو اور خوبصورت کسی بدصورت کو حقیر نہ جانے۔ کسی بااثر اور طاقتور آدمی کے لیے جائز نہیں ہے کہ کسی غریب اور کمزور کو حقارت کی نگاہ سے دیکھے یا اس پر زیادتی کرے یا اس کی حق تلفی کرے۔ اس حدیث سے یہ بات بھی اخذ کی جا سکتی ہے کہ اگر تمہیں اللہ تعالیٰ نے دین کی خدمت کرنے کی صلاحیت اور استطاعت عطا کی ہو اور اس کام کے کرنے کی توفیق بھی دی ہو تو تم اپنے آپ کو بڑی چیز نہ سمجھو اور اپنے ان بھائیوں کو حقارت کی نگاہ نہ دیکھو جنہیں اس کام کے کرنے کی صلاحیت تم سے کم ہو بلکہ تمہیں اللہ تعالیٰ کا شُکر کرنا چاہیے جس نے اپنے فضل و کرم سے یہ نعمت تمہیں عطا کی ہے۔

اللہ کا محبوب اور دنیا کا فتنہ

(۲۳۲) اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا اَحَبَّ اللّٰہُ عَبْدًا حَمَاہُ الدُّنْیَا کَمَا یَظَلُّ اَحَدُکُمْ یَحْمِیْ سَقِیْمَہٗ اَلْمَاءَ۔ (مشکوٰۃ عن قتادہ بن النعمان کتاب الرقاق بحوالہ احمد و ترمذی)

"رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبّت کرتا ہے تو وہ اسے دُنیا سے اس طرح بچاتا ہے جس طرح تم میں سے کوئی شخص اپنے بیمار کو پانی سے بچاتا ہے"

تشریح: ضعف معدہ اور استسقاء کے مریض کو زیادہ پانی پینے سے روک دیا جاتا ہے۔ اسے بار بار اور کثرت سے پانی پلانے سے نہ صرف یہ کہ اس کے مرض میں اضافہ ہوتا ہے بلکہ یہ بے احتیاطی اسے زندگی سے بھی محروم کر سکتی ہے۔ اس برتاؤ کا باعث پانی کی قلّت ہے نہ معالج اور تیماردار کی بے رحمی اور بخیلی۔ اس کا محرک صرف یہ ہے کہ اس کی زندگی بچ جائے، اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنے پیارے بندوں کو ——— ان کی بھلائی اور فائدے کے لیے ——— کثرتِ مال کے فتنہ سے بچاتا ہے ورنہ اس کے خزانہ میں مال و دولت کی کمی ہے نہ وہ بخیل اور بے رحم ہے۔

مال و دولت بڑا فتنہ ہے۔اس کا انہماک رُوح کی زندگی کو خطرہ میں مبتلا کر سکتا ہے۔ ضرورت سے زیادہ مال، فسق و فجور کا باعث بن سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی یاد اور اطاعت سے غفلت کا موجب بھی بن سکتا ہے۔

حقیقت میں "دُنیا" کا اطلاق صرف اس مال و دولت پر ہوتا ہے جو آدمی کو ہر وقت اپنی طرف متوجہ رکھے اور اس میں زیادہ دل چسپی لینے کی وجہ سے اسے اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل کر دے۔

رہا وہ رزق حلال، جس سے انسان کی ضروریات زندگی پوری ہوسکیں اور اس بنا پر وہ دل جمعی سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کر سکے اسے "دُنیا" نہیں کہتے۔جو بندے ہر وقت اللہ تعالیٰ کی یاد اور محبّت میں مشغول رہتے ہیں وہ مال و متاع کی محبّت میں گرفتار ہوتے ہیں نہ اس کو حاصل کرنے کے لیے بے تاب رہتے ہیں۔

اس لیے اللہ تعالیٰ انہیں ضرورت سے زیادہ مال نہیں دیتا، کثرتِ مال کے شر اور فتنہ سے ان کی حفاظت فرماتا ہے۔

اگر ان میں سے کسی کو کثیر مال ملتا بھی ہے تو وہ اسے ہر وقت اللہ کی راہ میں خرچ کرتا رہتا ہے اور جب تک وہ اس کے بہت بڑے حصّے کو اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے خرچ نہ کر ڈالے اسے سکون نہیں ملتا۔

غریبوں کے معاملات میں دلچسپی لینا چاہیے

(۲۳۳) اِنَّ مِسْكِيْنَةً مَرِضَتْ فَاُخْبِرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَرَضِهَا ——— وَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعُوْدُ الْمَسَاكِيْنَ وَيَسْأَلُ عَنْهُمْ ——— فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا مَاتَتْ فَاٰذِنُوْنِيْ

فَاُخْرِجَ بِجَنَازَتِهَا لَيْلًا وَكَرِهُوْا اَنْ يُّوْقِظُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

فَلَمَّا اَصْبَحَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُخْبِرَ بِالَّذِيْ كَانَ مِنْهَا فَقَالَ اَلَمْ اٰمُرْكُمْ اَنْ تُؤْذِنُوْنِيْ بِهَا؟ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَرِهْنَا اَنْ نُوْقِظَكَ لَيْلًا فَخَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى صَفَّ بِالنَّاسِ عَلٰى قَبْرِهَا وَكَبَّرَ اَرْبَعَ تَكْبِيْرَاتٍ۔

(نسائی عن ابی امامۃ بن سہل کتاب الجنائز۔موطا مالک باب التکبیر علی الجنائز)

"ایک غریب عورت بیمار ہوئی تو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو اس کے بیمار ہونے کی اطلاع دی گئی۔

—— رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم غریبوں کی عیادت کرتے اور ان کی خیر و عافیت دریافت فرمایا کرتے ——

حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: جب اس کی وفات ہو جائے تو مجھے اس سے مطلع کرنا۔ رات کو اس کا جنازہ باہر لایا گیا (اور اسے دفن کر دیا گیا) صحابہؓ نے اس وقت رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو بیدار کرنا پسند نہ کیا۔

جب صبح کے وقت حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کو اس غریب عورت کی وفات اور جنازے کے بارے میں بتایا گیا تو آپؐ نے فرمایا: کیا میں نے تمہیں حکم نہیں دیا تھا کہ مجھے اس کی وفات سے مطلع کرنا؟

صحابہؓ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول (صلّی اللہ علیہ وسلّم) ہم نے پسند نہیں کیا کہ حضورؐ کو رات کے وقت بیدار کریں (اور گھر سے باہر آنے کی زحمت دیں) پھر آپؐ تشریف لے گئے اور اس کی قبر پر لوگوں کو صف میں کھڑا کیا اور (اس کے جنازے پر چار تکبیریں کہیں۔"

تشریح: حضور صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم کو غریبوں سے بہت محبّت تھی۔ آپؐ ان کے معاملات میں دلچسپی لیتے، ان کی خیر و عافیت دریافت فرماتے۔ اگر کوئی غریب آدمی بیمار پڑتا تو آپؐ اس کی عیادت کرتے۔ اگر اس کی وفات ہو جاتی تو آپؐ اس کا جنازہ پڑھتے۔ سیرت نبوی کا یہ پہلو

کتنا تابناک ہے کہ کوئی نادار اور مفلس آدمی آپؐ کی شفقت اور دلچسپی سے محروم نہ رہتا، بلکہ ان میں سے ہر شخص یہ سمجھتا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مجھ پر سب سے زیادہ مہربان ہیں۔

حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ غریبوں سے محبت کرتے، ان کے پاس بیٹھتے، ان سے باتیں کرتے اور بڑی دلچسپی سے ان کی باتیں سُنتے، اس بنا پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی " ابوالمساکین"، کنیت رکھی تھی۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ تنہا کھانا تناول نہ فرماتے، بلکہ کسی غریب کو اپنے پاس بٹھاتے اور اس کے ساتھ کھانا کھاتے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا غریبوں سے تعلق خاطر

(۲۳۴) إِنَّ امْرَأَةً سَوْدَاءَ كَانَتْ تَقُمُّ الْمَسْجِدَ أَوْ شَابًّا فَفَقَدَهَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلَ عَنْهَا أَوْ عَنْهُ فَقَالُوا مَاتَ قَالَ أَفَلَا كُنْتُمْ آذَنْتُمُونِي قَالَ فَكَأَنَّهُمْ صَغَّرُوا أَمْرَهَا أَوْ أَمْرَهُ ــــــ فَقَالَ دُلُّونِي عَلَى قَبْرِهِ فَدَلُّوهُ فَصَلَّى عَلَيْهَا ثُمَّ قَالَ إِنَّ هٰذِهِ الْقُبُورَ مَمْلُوءَةٌ ظُلْمَةً عَلَى أَهْلِهَا وَإِنَّ اللهَ يُنَوِّرُهَا لَهُمْ بِصَلَاتِي عَلَيْهِمْ۔

(مسلم عن ابی ہریرۃ کتاب الجنائز، بخاری ابواب استقبال القبلۃ)

"ایک سیاہ فام عورت یا جوان (راوی کو شک ہے) مسجد میں جھاڑو دیتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے نہ پایا تو اس کے بارے میں (صحابہؓ سے) پوچھا: انہوں نے عرض کیا وہ مرگیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا: تم نے مجھے اس سے آگاہ کیوں نہ کیا؟

ــــــ راوی کہتے ہیں کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی وفات اور جنازے کی اطلاع اس بنا پر نہ دی کہ اس معمولی بات کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم

کی ذات گرامی کو کیوں زحمت دی جائے ـــــــــــــــــــ

حضورؐ نے ارشاد فرمایا: بتاؤ اس کی قبر کہاں ہے؟ آپؐ کو بتایا گیا تو آپؐ نے اس کی قبر پر نمازِ جنازہ پڑھی، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ اہلِ قبور، تاریکی میں ڈوبے ہوئے تھے، میں نے ان کے لیے دُعا کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی قبروں کو روشن کر دیا۔"

تشریح: اس حدیث میں جو واقعہ بیان کیا گیا ہے وہ نہایت اہم ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو مسجد میں جھاڑو دینے والی ایک غریب سیاہ فام عورت نظر نہ آئی ـــــــــــ ـــــــ بعض روایات میں اس کا نام اُمِّ محجن بتایا گیا ہے ـــــــــــ تو آپؐ نے اس کے بارے میں اپنے رفقا سے پوچھا جب بتایا گیا کہ وہ مرگئی ہے اور اسے دفن بھی کر دیا گیا ہے تو آپؐ نے اس کے جنازے میں شریک نہ ہوسکنے کو محسوس فرمایا، اس کی قبر پر جا کر آپؐ نے اس کا جنازہ پڑھا، رحمت کے پیکر نے نہ صرف یہ کہ اس غریب عورت کے لیے دُعا کی، بلکہ اس قبرستان کے سب اہلِ قبور بھی آپؐ کی دُعا اور برکت سے مستفیض ہوئے اور ان کی تاریک قبریں بقعۂ نور بن گئیں۔

نسلِ انسانی کے سردار اور قائد نے اپنی اُمّت کے بظاہر ایک غیر اہم اور غریب فرد کے ساتھ جس اخلاق اور شفقت کا برتاؤ کیا ہے اس کی مثال نہیں ملتی۔ اس عظیم شخصیت کی تواضع اور اپنے ماننے والوں کی خبرگیری بھی مثالی تھی۔ اسلامی ریاست کے حکمرانوں، افسروں اور سرداروں کو چاہیے کہ وہ غیر اہم اور غریب افراد کے ساتھ محبّت اور مہربانی کرنے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تقلید کریں۔

علماء اور مشائخ اپنے غریب عقیدت مندوں اور شاگردوں کے ساتھ تواضع سے پیش آئیں اور ان سے محبّت کا برتاؤ کریں۔

دینی جماعتوں کے قائدین کو اپنے غریب اور کمزور کارکنوں کے ساتھ وہ رویہ اختیار کرنا چاہیے اور اس اخلاق سے پیش آنا چاہیے جس کا نقشہ اس حدیث میں ہے۔

کسی غریب کو حقیر نہ جانو

(۲۳۵) قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رُبَّ اَشْعَثَ مَدْفُوْعٍ بِالْاَبْوَابِ لَوْ اَقْسَمَ عَلَی اللّٰہِ لَاَبَرَّہٗ۔

(مسلم عن ابی ہریرہ کتاب البر والصلۃ)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ چکٹ اور پراگندہ بال غریب، جسے دروازوں سے دھکیل دیا جاتا ہے، اگر وہ اللہ کے بھروسے پر قسم کھا بیٹھے تو اللہ تعالیٰ اس کی قسم پوری کر دیتا ہے۔"

تشریح: اس سے مراد وہ غریب ہیں جو مال و متاع سے محروم ہونے کی وجہ سے پریشان حال ہوتے ہیں، کنگھی نہ کرنے اور تیل نہ ڈالنے کی وجہ سے ان کے سر کے بال میلے کچیلے اور بکھرے ہوئے ہوتے ہیں، اگر وہ بالفرض کسی کھاتے پیتے گھر کے دروازے پر کھڑے ہوں تو لوگوں کی نگاہ میں حقیر اور ذلیل ہونے کی بنا پر اس لائق نہیں ہوتے کہ انہیں اندر بُلایا جائے یا ان کی آؤ بھگت کی جائے، بلکہ ان کو دھکّے دے کر وہاں سے نکال دیا جاتا ہے۔

وہ مال دار نہ ہونے کی وجہ سے پریشان حال تو ہوتے ہیں لیکن پریشان خاطر نہیں ہوتے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ بڑے وقیع اور صالح ہوتے ہیں، اگر وہ اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر کسی کام کے ہونے کی قسم کھا بیٹھیں تو اللہ تعالیٰ ان کی لاج رکھنے کے لیے ان کی بات پوری کر دیتا ہے یا اگر وہ اللہ تعالیٰ سے کسی چیز کا سوال کریں اور اسے قسم دے کر کہیں کہ آپ اپنے فضل و کرم سے ہماری بات مان لیں تو اللہ تعالیٰ ان کی دُعا رد نہیں کرتا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے ارشادِ گرامی کا مطلب یہ ہے کہ غریبوں کو حقارت کی نگاہ سے نہ دیکھنا چاہیے، ان میں سے بعض مستجابُ الدعوات ہوتے ہیں، اس سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ ان غریبوں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھنا اور ان سے نفرت کرنا جائز ہے جو بھیک مانگنے کے لیے لوگوں کے دروازوں کا طواف کرتے ہیں۔ ہو سکتا ہے

کہ وہ خوشحال آدمی جس کے دروازے پر بھکاری اور سائل آتے ہیں اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں سخت مجرم اور مبغوض ہونے کی بنا پر سزا پاکر رہے اور بھیک مانگنے والے کے گناہ تھوڑے ہوں، وہ استغفار کر کے اللہ تعالیٰ کی رحمت کو اپنی طرف متوجہ کر لے۔

یتیم اور عورت کے حقوق کی اہمیت

(۲۳۶) قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُحَرِّجُ حَقَّ الضَّعِیْفَیْنِ الْیَتِیْمِ وَالْمَرْأَۃِ۔

(ریاض الصالحین عن ابی شریح خویلد بن عمرو بحوالہ نسائی)

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے لوگوں کو ان دو کمزوروں ——— یتیم اور عورت ——— کے حقوق کے بارے میں سخت تنبیہ کی ہے"۔

تشریح: عورت، مرد کے مقابلہ میں کمزور ہے۔ یتیم لڑکے اور لڑکی کی بے بسی اور کمزوری بھی ظاہر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں عورتوں اور یتیموں کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے کی بہت تاکید کی ہے، اس بنا پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ اے اللہ! جہاں تک مجھ سے ہو سکا میں نے لوگوں کو ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے اور ان کے حقوق ادا کرنے کی تاکید کی ہے اور یہ بات میں نے ان کے ذہن نشین کی ہے کہ ان کا حق مار کھانا اور ان پر زیادتی کرنا سخت گناہ ہے۔ اگر تم نے ان پر دست درازی کی اور ان کو ایذا دی یا ان کی جان اور مال کو نقصان پہنچایا تو ربِّ ذوالجلال کا غضب تم پر ٹوٹ پڑے گا اور دوزخ کی بھڑکتی ہوئی آگ تمہارا کچومر نکال کر رکھ دے گی۔

حاجت مند مسلمانوں کی کفالت

(۲۳۷) اَیُّمَا مُسْلِمٍ کَسَا مُسْلِمًا ثَوْبًا عَلٰی عُرْیٍ کَسَاہُ اللّٰہُ مِنْ خُضْرِ الْجَنَّۃِ

وَاَیُّمَا مُسْلِمٍ اَطْعَمَ مُسْلِمًا عَلٰی جُوْعٍ اَطْعَمَہُ اللّٰہُ مِنْ ثِمَارِ الْجَنَّۃِ

وَاَیُّمَا مُسْلِمٍ سَقٰی مُسْلِمًا عَلٰی ظَمَاٍ سَقَاہُ اللّٰہُ

مِنَ الرَّحِیْقِ الْمَخْتُوْمِ۔

(ابوداؤد عن ابی سعید کتاب الزکوٰۃ، ترمذی ابواب القیامۃ)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو مسلمان، کسی ننگے مسلمان کو لباس پہناتا ہے اللہ تعالیٰ اسے جنّت کا نہایت نفیس سبز لباس پہنائے گا"

اور جو مسلمان کسی بھوکے مسلمان کو کھانا کھلاتا ہے اللہ تعالیٰ اسے کھانے کے لیے جنّت کا پھل عطا فرمائے گا۔

اور جو مسلمان کسی پیاسے مسلمان کو پانی پلاتا ہے اللہ تعالیٰ اسے نہایت عمدہ شراب پینے کے لیے عطا فرمائے گا"

تشریح: غریب مسلمانوں کو کھلانے، پلانے اور پہنانے سے اجر و انعام کا وعدہ اس شخص کے لیے ہے جو اس کام کو صرف اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے کرتا ہے، رہا وہ شخص، جو غریب آدمی کی مدد کرنے کے بعد اس سے اپنی فیاّضی کا اعتراف کرانا چاہتا ہے یا احسان جتا کر اس کی عزّتِ نفس کو چرکے لگاتا ہے وہ کسی اجر و ثواب کا مستحق نہیں ہے، بلکہ اپنی غلط روش کی بنا پر قیامت کے دن سزا پا کر رہے گا۔

نادار اور بے روزگار مسلمانوں کی ضروریاتِ زندگی کو پورا کرنے پر اللہ تعالیٰ بہت بڑا اجر دے گا لیکن جو مالدار، اس سے غفلت کرتے ہیں وہ قیامت کے دن سزا پا کر رہیں گے۔

غریبوں اور بیواؤں کی خبر گیری کرنا

(۲۳۸) عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ
اَلسَّاعِیْ عَلَی الْاَرْمَلَةِ وَالْمِسْکِیْنِ کَالْمُجَاهِدِ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ
وَاَحْسِبُهٗ قَالَ کَالْقَائِمِ لَا یَفْتُرُ وَکَالصَّائِمِ لَا یُفْطِرُ۔

(بخاری عن ابی ہریرہ کتاب الادب، مسلم کتاب الزھد)

"نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: بیوہ اور مسکین کے لیے دوڑ دھوپ کرنے والا، اس شخص کی طرح ہے جو اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہے ——— —— اس حدیث کے راوی حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ ——— مجھے یہ خیال ہوتا ہے کہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے یہ بھی فرمایا تھا کہ وہ اس کی طرح ہے جو رات کو نماز میں کھڑا رہے اور ڈھیلا نہ ہو۔

اور وہ اس شخص کی طرح ہے جو دن کو روزے رکھے اور کبھی نہ چھوڑے۔"

تشریح: "مجاہد فی سبیل اللہ" وہ ہے جو "اللہ کے دین کو زمین پر قائم کرنے" کے لیے بھرپور زور لگا دے اور اللہ کے کلمہ کو بلند کرنے کے لیے انتہائی کوشش کرتا رہے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے وہ اپنی دماغی صلاحیتوں اور جسمانی قوتوں کو وقف کر دے اور ضرورت پڑنے پر جان قربان کرنے میں بھی تأمل نہ کرے۔ ایسے شخص کے لیے اللہ تعالیٰ نے مغفرت، رحمت اور بہت بڑے اجر کا وعدہ کیا ہے اور اسے جنّتی ہونے کی بشارت دی ہے۔

ہمیشہ رات کو نفلیں پڑھنے اور دن کو روزے رکھنے سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے بشرطیکہ اس نفل عبادت کے ساتھ گناہ کبیرہ سے پرہیز کیا جائے۔

"آرمَلَۃ" اس غریب عورت کو کہتے ہیں جو بیوہ یا مطلقہ یا غیر شادی شدہ ہونے کی وجہ سے تنگدست اور محتاج ہو۔

مطلب یہ ہے کہ جو شخص صرف اللہ کی رضا کے لیے بیواؤں، بےکس عورتوں اور مسکینوں کی ضروریات کے لیے سرگرم رہتا ہے وہ ایسے اجر و انعام کا مستحق ہے جیسے اجر اور انعام کا مستحق وہ شخص ہے:

۱— جو اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے سرگرم رہتا ہے۔

۲— یا جو ہمیشہ رات بھر نفلیں پڑھتا ہے اور تھکنے کا نام نہیں لیتا۔

۳— یا جو ہمیشہ دن کو روزے رکھتا ہے کبھی اسے ترک نہیں کرتا۔

شریعت نے چاہا ہے کہ مسکینوں اور بیواؤں کی خبرگیری اور سرپرستی کی جائے،

بے سہارا خواتین کی معاشی کفالت کی جائے اگر آدمی خود اعانت نہ کر سکتا ہو تو دوسرے صاحب جائداد لوگوں کے تعاون سے ان کی ضروریات پوری کرے۔

خدا ترس مالداروں کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ جب تک کوئی مسکین اور غریب بیوہ یا مفلس عورت مدد کے لیے ان کے سامنے ہاتھ نہ پھیلائے اور اپنی ناداری کی کہانی سُنا کر ان کی خدمت میں اعانت کرنے کی درخواست نہ دے" وہ اپنے مال سے اسے کچھ بھی عطا نہیں فرمائیں گے" حالانکہ خوش حال افراد کی یہ دینی اور اخلاقی ذمّہ داری ہے کہ وہ مسلمان ہونے کی حیثیت سے اپنے قرب وجوار کے رہنے والے غریبوں، بیواؤں اور بے نوا عورتوں کے معاشی اور معاشرتی معاملات میں صرف اللہ کی رضا کے لیے دلچسپی لیں، ان کے مسائل اور معاملات کو اس طرح حل کرنے کی کوشش کریں جس طرح کہ وہ اپنے معاملات اور مسائل کو حل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

رشحات

غریبوں اور کمزوروں کے حقوق کیا ہیں؟ دُنیا اور آخرت میں ان کا مرتبہ اور مقام کیا ہے؟ اسلامی معاشرے میں ان کے ساتھ کیسا برتاؤ کرنا چاہیے؟ اس سلسلہ میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کی اہم ہدایات کی تلخیص یہ ہے:۔

۱ــــ اللہ تعالیٰ نے کائنات کی ہر چیز کو خاص مقصد کے لیے پیدا کیا ہے۔ یہ تخلیقی کارنامہ بڑا مربوط اور ہم آہنگ ہے۔ غریبوں اور کمزوروں کی تخلیق جن مصلحتوں کی بنا پر عمل میں آئی ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے امیروں اور طاقتوروں کا امتحان لینے کے لیے انہیں پیدا کیا ہے۔

یہ دُنیا امتحان گاہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو بے شمار نعمتیں دے کر آزمائش میں ڈال دیا ہے ان میں سے ایک مال و دولت کی نعمت بھی ہے۔ یہ امر واقعہ ہے کہ مال و دولت کی کثرت، امتحان کا بڑا مشکل پرچہ ہے۔ مالدار کو اس پرچہ کے حل کرنے کے لیے بڑی سخت محنت کرنا پڑتی ہے۔ یہ فتنہ آدمی کو فسق و فجور میں مبتلا کر سکتا ہے، کوئی شخص اس سے بچ نہیں سکتا جب تک اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت نہ فرمائے۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب بندوں کو اس کے شر اور فتنہ سے محفوظ رکھتا ہے اور انہیں ضرورت سے زیادہ مال نہیں دیتا۔

کسی شخص کے مالدار ہونے کے معنیٰ یہ نہیں ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہے اور وہ جنّتی ہے۔ کسی شخص کے غریب ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہے اور وہ دوزخ میں جائے گا۔

۲ــــ اس بنا پر اللہ تعالیٰ کے نادار اور کمزور بندوں کو حقارت کی نگاہ سے نہ دیکھنا

چاہیئے جنت کے مکین زیادہ تر غریب لوگ ہی ہوں گے اور ان میں سے بعض لوگ تو اپنی پریشان حالی کے باوجود "مستجاب الدعوات" ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی دُعا رد نہیں کرتا۔

جس گمنام مومن کی پروا نہ کی جاتی ہو، اسے رزق بقدر ضرورت ملے اور وہ اس پر صبر کرے تو قیامت کے دن اسے قابل رشک انعام ملے گا۔

وہ غریب مومن، جو عیالدار ہونے کے باوجود اپنی ضروریات زندگی کے لیے کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلاتا وہ اللہ تعالیٰ کا محبوب ہے۔

غریبوں کی دُعا اور برکت سے نہ صرف یہ کہ دولت مندوں کو رزق ملتا ہے، بلکہ اس سے مسلمانوں کو کفّار پر غلبہ اور فتح بھی نصیب ہوتی ہے۔

غریبوں کے معاملات میں دلچسپی لینی چاہیے اور ان کے حقوق بھی ادا کرنے چاہئیں۔ اگر وہ بیمار پڑ جائیں تو ان کی عیادت کی جائے، وہ وفات پائیں تو ان کے جنازے کے ساتھ جانا چاہیے، ان کو دفن کیا جائے اور ان کے پسماندگان سے تعزیت کی جائے اور ان سے حُسنِ اخلاق کا برتاؤ کیا جائے۔

۳ ــ اسلامی معاشرے میں کوئی غریب آدمی یہ تاثر نہ لے کہ مالدار مومن، اسے صرف غریب ہونے کی بنا پر حقارت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ اس کے ساتھ شفقت اور محبّت کا ایسا برتاؤ کرنا چاہیے کہ وہ یہ باور کرنے لگے کہ اس سے فی الواقع بہت محبّت کی جا رہی ہے۔

۴ ــ کسی سائل اور بھکاری کو بھی حقیر نہ سمجھنا چاہیے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مالداروں سے بہتر اور وقیع ہو۔

۵ ــ عورتوں اور یتیموں کے حقوق کی حفاظت کے لیے شریعت نے بہت تاکید کی ہے اور ان کے حقوق تلف کرنے والوں کو سخت تنبیہ کی ہے۔

۶ ــ حاجتمندوں کی کفالت کرنے اور ان کی ضروریاتِ زندگی مہیّا کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے بڑے اجر کی نوید دی ہے۔ کسی غریب اور نادار آدمی کو عریاں اور بھوکا پیاسا نہ رہنے دینا چاہیے۔

۷۔ معذور۔ غریب بیوہ، یتیم اور مفلس کا حق ہے مالداروں کے مال میں، اگر آدمی خود ان کی اعانت نہ کر سکتا ہو تو دوسرے اہل خیر کے تعاون سے ان کے لیے دوڑ دھوپ کرے۔

یاد رہے کہ ان کی مالی اعانت کرنا، ان کے معاملات میں دلچسپی لینا، اور ان کی ضروریات زندگی کو مہیّا کرنے کے لیے دوڑ دھوپ کرنا ایک اہم دینی فریضہ ہے۔ یہ کام خالص اللہ کی رضا کے لیے ہونا چاہیے، ذہن کے کسی گوشہ میں بھی یہ بات نہ آنے پائے کہ اس طرح کی سرپرستی کرنا ان پر احسان کرنا ہے۔

جو مالدار، کسی غریب اور کمزور کی مالی اعانت کرتا ہے وہ اس پر احسان نہیں کرتا، بلکہ دراصل وہ اس کا حق ادا کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس کے مال میں رکھا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ غریبوں اور محتاجوں کی اعانت نہ کرنا ان کو ان کے حق سے محروم کرنے کے ہم معنیٰ ہے۔ جو مالدار اس طرح کے حقداروں کی مدد نہیں کرتا وہ اللہ تعالیٰ کی عدالت سے اس گناہ کی سزا پا کر رہے گا۔

۸۔ مسکینوں کے ساتھ نیک سلوک کرنا اسلامی معاشرت کے بنیادی اصولوں میں سے ایک ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نہ صرف یہ کہ حضور صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کی اُمّت کو اس پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے، بلکہ پہلی اُمّتوں کو بھی اس کی تاکید کی تھی اور اس پر عمل کرنے کے لیے ان سے عہد لیا تھا۔

(ملاحظہ ہو سورۃ النساء ۳۶۔ سورۃ البقرہ ۸۳)

باب سوم

(۸)

خدمتِ خلق

خُدا کا کُنبہ

(۲۳۹) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ
اَلْخَلْقُ عِیَالُ اللّٰہِ
فَأَحَبُّ الْخَلْقِ اِلَی اللّٰہِ مَنْ اَحْسَنَ اِلٰی عِیَالِہٖ۔

(مشکوٰۃ عن ابن مسعود کتاب الآداب باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق)

"رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: ساری مخلوق اللہ کا کُنبہ ہے، اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ پسند وہ ہے جو اس کی مخلوق سے نیک سلوک کرتا رہے۔"

تشریح: اللہ تعالیٰ ایک ہے، کوئی اس کا شریک اور ہمسر نہیں، وہ ماں باپ اور اولاد سے پاک ہے لیکن اسے اپنی ایجاد کردہ کائنات سے پیار ہے، وہ ہر مخلوق کی پرورش اور حفاظت کرتا ہے، اسے رزق دیتا ہے اور اس کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے اپنے خزانوں سے بے شمار نعمتیں عطا فرماتا ہے۔ خالق اور مخلوق کے درمیان اس گہرے ربط اور تعلق کی بنا پر حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے مخلوق کو اللہ کا کنبہ قرار دیا ہے۔

"خلقِ خدا سے نیک سلوک کرنے" کے معنیٰ یہ ہیں کہ اس پر رحم کیا جائے، اس سے ہمدردی کی جائے اور اس کی خدمت کی جائے اور اس پر ظلم نہ کیا جائے۔ اس کی دو صورتیں ہیں:

(۱) اجتماعی

(۲) انفرادی

اجتماعی صورت یہ ہے کہ آدمی وہ کام کرے جس کے نتیجہ میں معاشرہ خوشگوار اور پُر امن بن جائے اور اس کے ہر ہر فرد کی انفرادی زندگی بھی اطمینان اور مسرت سے لبریز ہو جائے۔

اور انفرادی صورت یہ ہے کہ آدمی، اپنی استطاعت کے مطابق لوگوں کے مسائل کو حل کرنے میں دلچسپی لے، ان کی مشکلات اور پریشانیوں کو دُور کرنے کی کوشش کرے،

بے سہارا غریبوں کو مظالم سے بچائے اور ان کے اُلجھے ہوئے معاملات کو سنوارے۔
اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ شخص زیادہ وقیع اور بہتر ہے جو خلقِ خدا کی بے لوث خدمت کرتا ہے، وہ اس پر اللہ تعالیٰ سے اجر کی توقع رکھتا ہے لیکن غیر اللہ سے نہ صلہ طلب کرتا ہے اور نہ ستائش کی تمنّا رکھتا ہے۔ رہے وہ خادمانِ خلق، جو اپنے مفاد اور ذاتی اغراض کی خاطر لوگوں کی خدمت کرتے ہیں اور ان کے معاملات میں دل چسپی لیتے ہیں، تو ان کے لیے کوئی اجر اور ثواب نہیں ہے۔

اس حدیث پر غور کرنے سے یہ بات بھی سمجھ میں آتی ہے کہ جو شخص کسی انسان، جانور یا پرندے پر ظلم کرتا ہے یا اس سے بُرا سلوک کرتا ہے وہ بارگاہِ خداوندی میں سخت معتوب اور مکروہ ہے۔

جائز کام کے لیے سفارش کرنا

(۲۴۰) عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ کَانَ اِذَا اَتَاہُ السَّائِلُ اَوْصَاحِبُ الْحَاجَۃِ قَالَ اشْفَعُوْا فَلْتُوْجَرُوْا وَیَقْضِیَ اللّٰہُ عَلٰی لِسَانِ رَسُوْلِہٖ مَاشَاءَ۔

(بخاری کتاب التوحید وکتاب الادب مسلم کتاب البر والصلۃ)

”حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کے پاس جب کوئی سائل (عطیہ لینے کے لیے) یا حاجتمند آتا تو آپؐ لوگوں سے فرماتے تم (اس کے بارے میں مجھ سے) سفارش کرو (میں تمہاری سفارش قبول کروں یا نہ کروں لیکن بہرحال) تمہیں اجر و ثواب ضرور ملے گا' اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے اپنے نبی کی زبان سے فیصلہ فرماتا ہے۔“

تشریح: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم اسلامی ریاست کے سربراہ تھے، عوام اپنی مشکلات اور مسائل کے لیے آپؐ سے رجوع کرتے، آپؐ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ بصیرت کے مطابق ہر آنے والے کے ساتھ اچھا برتاؤ کرتے۔ جس کو جتنا دینا مناسب ہوتا، دیتے اور ہر حاجتمند کی ضرورت کو پورا کرتے، اس کے باوجود آپؐ نے لوگوں کو ان کے حق میں سفارش کرنے کی

ہدایت کی۔ یہ ہدایت اصل میں ان اصولی ہدایات کا ایک حصّہ ہے جس میں آپؐ نے اہل ایمان کو ایک دوسرے سے تعاون کرنے کا حکم دیا تھا (ملاحظہ ہو حدیث ۱۶۰) عوام اور حکّام کے درمیان عام طور پر ربط و تعلق نہیں ہوتا اور وہ اپنے جائز اور ضروری کاموں کے لیے سخت پریشان رہتے ہیں، اثر و رسوخ کے حامل افراد کی یہ ذمّہ داری ہے کہ وہ عوام کے مسائل اور معاملات میں دلچسپی لیں اور ان کو حل کرانے کی کوشش کریں، اس دوڑ دھوپ اور سفارش پر اللہ تعالیٰ ان کو اجر دے گا۔

یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ کی حدود کو نافذ ہونے سے روکنے، باطل کی حمایت اور ظلم کی تائید کرنے کے لیے سفارش کرنا حرام ہے۔

جس پریشان حال آدمی کے لیے سفارش کی جائے اس سے ہدیہ وصول کرنا یا خدمت لینا یا سفارش کرنے کا معاوضہ وصول کرنا جائز نہیں ہے۔

(مزید وضاحت کے لیے ملاحظہ ہو ترجمان الحدیث جلد اول نمبر ۳۰۰)

خدمتِ خلق کا انعام جنّت

(۲۴۱) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

مَنْ قَضٰى لِاَحَدٍ مِنْ اُمَّتِيْ ——— يُرِيْدُ اَنْ يَّسُرَّهٗ بِهَا فَقَدْ سَرَّنِيْ

وَمَنْ سَرَّنِيْ فَقَدْ سَرَّ اللّٰهَ

وَمَنْ سَرَّ اللّٰهَ اَدْخَلَهُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ۔

(مشکوٰۃ عن انس کتاب الآداب باب الشفقۃ)

”رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:

جو شخص میرے کسی اُمّتی کو خوش کرنے کی نیت سے اس کی کوئی حاجت پوری کرتا ہے وہ (دراصل) مجھے خوش کرتا ہے

اور جو مجھے خوش کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے جنّت میں داخل فرمائے گا۔

تشریح: جو شخص خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو راضی کر کے جنّت میں جانے کا شوق رکھتا ہو وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمّت کے افراد کی خدمت کرنے اور ان کی جائز ضرورتوں کو پورا کرنے کی کوشش کرے۔

بے نواؤں کے ساتھ حضور صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کا رویّہ

(۲۴۲) عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَتِ الْأَمَةُ مِنْ إِمَاءِ أَهْلِ الْمَدِينَةِ لَتَأْخُذُ بِيَدِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَنْطَلِقُ بِهِ حَيْثُ شَاءَتْ۔

(بخاری کتاب الادب باب الکبر)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اہل مدینہ کی لونڈیوں میں سے ایک لونڈی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ پکڑ کر جہاں چاہتی آپؐ کو لے جاتی۔"

تشریح: حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بڑے منکسر مزاج تھے، کبر و نخوت کے سایہ سے بھی کوسوں دُور تھے، آپؐ خلقِ خدا پر بے حد شفقت اور رحم فرماتے۔ آپؐ نے کبھی نہ تو کسی سائل کو ڈانٹا اور نہ کسی حاجتمند سے بے رخی برتی۔ معاشرے کے سب افراد آپؐ کی نگاہِ کرم سے فائدہ اُٹھاتے، خصوصاً کمزور اور بے سہارا افراد تو آپؐ کی محبّت اور توجّہ کا مرکز ہوتے۔

اگر کوئی لونڈی بھی آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر کوئی کام بتاتی یا اپنی کسی پریشانی کا ذکر کرتی تو آپؐ اس سے تعاون فرماتے۔ اگر اس کی حاجت، مدینہ سے باہر کسی بستی میں ہوتی تو اس کے ساتھ چل کر اس کی حاجت پوری کرتے اور اس کی مدد کرتے۔

اسلامی ریاست کے حُکّام کو چاہیے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طرزِ عمل کو اپنا معمول بنائیں۔ جب کسی کمزور اور بے سہارا آدمی کا کوئی مسئلہ یا پریشانی ان کے علم میں آئے تو وہ کسی تاخیر کے بغیر اس کو حل کر دیں۔

کسی حاکم کو ایسا رویّہ اختیار نہ کرنا چاہیے جس کی بنا پر کوئی غریب اور مظلوم اس سے ملاقات نہ کر سکے اور اپنی ضرورت بیان کر سکے۔

بستی اور محلّہ کے معززین اور با اثر افراد کی یہ اخلاقی ذمّہ داری ہے کہ وہ اپنے حلقہ

کے ضرورت مند کو بے یار و مددگار نہ چھوڑیں، بلکہ اپنی استطاعت کی حد تک ان کی مدد کریں۔

(۲۴۳) عَنْ اَنَسٍ اِنَّ امْرَأَةً كَانَ فِيْ عَقْلِهَا شَيْئٌ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اِنَّ لِيْ اِلَيْكَ حَاجَةً فَقَالَ يَا اُمَّ فُلَانٍ! اُنْظُرِيْ اَيَّ السِّكَكِ شِئْتِ حَتّٰى اَقْضِيَ لَكِ حَاجَتَكِ فَخَلَا مَعَهَا فِيْ بَعْضِ الطُّرُقِ حَتّٰى فَرَغَتْ مِنْ حَاجَتِهَا۔ (مسلم کتاب الفضائل)

"حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت نے ــــــــ جس کی عقل میں کچھ نقص تھا ــــــــ عرض کیا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) میں آپؐ کے پاس ایک خاص حاجت لے کر حاضر ہوئی ہوں۔ آپؐ نے فرمایا: اے اُمّ فلاں: سوچ سمجھ کر بتا، کس کوچہ میں تو مجھے لے جانا ــــــــ چاہتی ہے تاکہ میں تیری حاجت پوری کروں، پھر ایک راستے پر کھڑے ہو کر آپؐ نے تنہائی میں اس سے بات چیت کی یہاں تک کہ وہ اپنی حاجت سے فارغ ہو گئی۔"

خدمتِ خلق، سُنّتِ رسول ہے

(۲۴۴) كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُكْثِرُ الذِّكْرَ وَيُقِلُّ اللَّغْوَ وَيُطِيْلُ الصَّلٰوةَ وَيُقَصِّرُ الْخُطْبَةَ وَلَا يَأْنَفُ اَنْ يَّمْشِيَ مَعَ الْاَرْمَلَةِ وَالْمِسْكِيْنِ فَيَقْضِيَ لَهُ الْحَاجَةَ۔ (نسائی عن عبداللہ بن ابی اوفیٰ کتاب الجمعۃ)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کو بہت یاد کرتے، بے ہودہ باتوں میں دلچسپی نہ لیتے، نماز طویل کرتے اور خطبہ مختصر دیتے اور آپؐ اس بات کو عار نہیں سمجھتے تھے کہ غریب بیوہ اور مسکین کے ساتھ چل کر جائیں اور اس کی حاجت پوری کر دیں۔"

تشریح : جو شخص کسی چیز سے محبت کرتا ہے اسے کثرت سے یاد کرتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سب سے زیادہ محبت، اللہ تعالیٰ سے تھی۔ آپؐ کی رُوح مُبارک ہر وقت اللہ تعالیٰ کی محبت میں مستغرق رہتی' اس بنا پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کو بڑی کثرت سے یاد کرتے اور بار بار یاد کرتے۔ اللہ تعالیٰ ساری کائنات کا محبوب حقیقی ہے سب انبیا اور اولیاء، اللہ تعالیٰ سے نہ صرف یہ کہ محبت کرتے ہیں بلکہ وہ سب سے زیادہ محبت کرتے ہی اللہ تعالیٰ سے ہیں۔ مُحبّین کی اس مقدّس جماعت کے امام اور قائد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ "رحیم و ودود" کے جاں نثاروں کا صدر نشین آپؐ کے سوا اور کون ہو سکتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی محبت کا سب سے بڑا مرکز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قلب مُبارک ہے۔

(۳) اس حدیث میں "نماز اور خطبہ" سے مراد ہے جمعہ کی نماز اور اس کا خطبہ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کی نماز میں پہلی رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد سورۃ الجمعہ ـــــ جس میں کل آیات ۱۱ ہیں ـــــ اور دوسری رکعت میں سورۃ المنافقون ـــــ جس میں کل آیات ۱۱ ہیں ـــــ تلاوت فرماتے۔

اور بعض روایات کی رو سے آپؐ پہلی رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد سورۃ الاعلیٰ ـــــ جس میں کل چھوٹی آیات ۱۹ ہیں ـــــ اور دوسری رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد سورۃ الغاشیہ ـــــ جس مین کل چھوٹی آیات ۲۶ ہیں ـــــ پڑھتے تھے۔ (ملاحظہ ہو سنن النسائی کتاب الجمعہ)

آج کل معاملہ اس کے برعکس ہے خطبہ کافی طویل تھکا دینے والا ہوتا ہے اور نماز اس کے مقابلہ میں بہت مختصر ہوتی ہے۔

عہدِ حاضر کے ائمہ اور خطباء کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طرز عمل کی تقلید کرنی چاہیے۔

(۳) بے سہارا اور غریب خواتین کی معاشی اور معاشرتی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے دوڑ دھوپ کرنا اور مسکینوں کے اُلجھے ہوئے کاموں کو کرنے کے لیے سعی و جہد کرنا حضورؐ

کی سُنّت ہے جو لوگ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی سُنّت کا اتباع کرنے میں اپنی فلاح سمجھتے ہوں اور اتّباعِ سُنّت کا باعث بھی محبّت رسول ہو ان کو چاہیے کہ وہ حضوؐر کی اس سُنّت پر بھی عمل کریں۔

حاجت مندوں سے بے اعتنائی کرنے پر عتاب

(۲۴۵) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

اِنَّ اللّٰہَ عَزَّوَجَلَّ یَقُوْلُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ یَا ابْنَ اٰدَمَ! مَرِضْتُ فَلَمْ تَعُدْنِیْ

قَالَ یَارَبِّ کَیْفَ اَعُوْدُكَ وَاَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِیْنَ قَالَ اَمَا عَلِمْتَ اَنَّ عَبْدِیْ فُلَانًا مَرِضَ فَلَمْ تَعُدْهُ اَمَا عَلِمْتَ اَنَّكَ لَوْعُدْتَهٗ لَوَجَدْتَنِیْ عِنْدَهٗ یَا ابْنَ اٰدَمَ اِسْتَطْعَمْتُكَ فَلَمْ تُطْعِمْنِیْ قَالَ یَارَبِّ کَیْفَ اُطْعِمُكَ وَاَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِیْنَ

قَالَ اَمَا عَلِمْتَ اَنَّهٗ اِسْتَطْعَمَكَ عَبْدِیْ فُلَانٌ فَلَمْ تُطْعِمْهُ۔

اَمَا عَلِمْتَ اَنَّكَ لَوْ اَطْعَمْتَهٗ لَوَجَدْتَ ذٰلِكَ عِنْدِیْ یَا ابْنَ اٰدَمَ اِسْتَسْقَیْتُكَ فَلَمْ تُسْقِنِیْ

قَالَ یَارَبِّ کَیْفَ اُسْقِیْكَ وَاَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِیْنَ

قَالَ اِسْتَسْقَاكَ عَبْدِیْ فُلَانٌ فَلَمْ تُسْقِهٖ

اَمَا اَنَّكَ لَوْ اَسْقَیْتَهٗ وَجَدْتَ ذٰلِكَ عِنْدِیْ۔

(مسلم عن ابی ہریرۃ کتاب البر والصلۃ)

"رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا اے آدم کے بیٹے! میں بیمار ہوا تھا تُو نے میری عیادت نہیں کی۔

وہ عرض کرے گا اے میرے رب! میں کیسے آپ کی عیادت کرتا آپ تو

ساری کائنات کے رب ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا تو نہیں جانتا کہ میرا فلاں بندہ بیمار تھا، اگر تو اس کی عیادت کرتا تو مجھے اس کے پاس پاتا۔

اے آدم کے بیٹے! میں نے تجھ سے کھانا طلب کیا تھا تو نے مجھے نہ کھلایا۔

وہ عرض کرے گا اے میرے رب! میں کیسے آپ کو کھانا کھلاتا حالانکہ آپ تو ساری کائنات کے پروردگار ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا تو نہیں جانتا کہ میرے فلاں بندے نے تجھ سے کھانا طلب کیا تھا اور تو نے اسے نہیں کھلایا۔ کیا تو نہیں جانتا کہ اگر تو اسے کھانا کھلاتا تو اس کھانے کو میرے یہاں پاتا۔

اے آدم کے بیٹے! میں نے تجھ سے پانی مانگا تھا تو تو نے مجھے پانی نہ دیا۔

وہ عرض کرے گا، اے میرے پروردگار! میں کیسے آپ کو پانی پلاتا حالانکہ آپ تو ساری کائنات کے رب ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرمائے گا میرے فلاں بندے نے تجھ سے پانی مانگا تھا لیکن تو نے اسے پانی نہ پلایا، اگر تو اسے پانی پلا دیتا تو اس پلائے ہوئے پانی کو میرے یہاں پاتا۔"

تشریح: ظاہر بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نہ تو بیمار ہوتا ہے کہ وہ عیادت کا محتاج ہو اور نہ اسے بھوک پیاس لگتی ہے کہ اسے کھلانے پلانے کی حاجت ہو۔ اپنے بندوں کی بیماری، بھوک اور پیاس کو اللہ تعالیٰ اپنی طرف منسوب کر کے اپنی مخلوق سے محبّت کا اظہار فرمائے گا، جو شخص بیمار کی عیادت کرتا ہے یا بھوکے کو کھلاتا ہے یا پیاسے کو پلاتا ہے، نہ صرف یہ کہ اللہ تعالیٰ اسے اس پر اجر و ثواب دے گا، بلکہ اس سے راضی ہو گا اور اسے اپنے مقربین میں جگہ دے گا۔ اور قیامت کے دن وہ ان لوگوں پر عتاب فرمائے گا جو بیمار کی عیادت نہیں کرتے،

بھوکے کو کھانا نہیں کھلاتے۔ اور پیاسے کو پانی نہیں دیتے۔

اس سے یہ بات بھی اخذ کی جا سکتی ہے کہ جو مالدار اور با اثر افراد اپنے قرب وجوار میں رہنے والے حاجتمندوں کی اعانت نہیں کرتے، ان کے کام نہیں آتے اور مصیبت زدوں کی مدد نہیں کرتے قیامت کے دن وہ اپنی اس بے پروائی اور کوتاہی پر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں زیر عتاب ہوں گے۔

بے گناہ قیدی کی رہائی کا انتظام کرو

(۲۴۶) قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

فُكُّوا الْعَانِيَ وَ اَطْعِمُوا الْجَائِعَ وَعُوْدُوا الْمَرِيْضَ۔

(بخاری عن ابی موسیٰ الاشعری کتاب الجہاد باب فکاک الاسیر)

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیدی کو چھڑاؤ اور بھوکے کو کھانا کھلاؤ اور بیمار کی عیادت کرو"

تشریح: جو مسلمان جنگ کے نتیجہ میں کسی غیر اسلامی ریاست کا قیدی بن جائے یا اسے ناحق حوالات یا جیل میں بند کر دیا جائے اس کی رہائی کا انتظام کرنا چاہیے۔

افسوس ہے کہ ہمارے دور میں بے گناہوں پر جھوٹے مقدمات دائر کرنے اور ان کو سزا دلوانے کا رواج عام ہو گیا ہے۔ اس طرح کے ستم رسیدہ لوگوں کی مدد کرنا بہت بڑی نیکی ہے۔

خندہ پیشانی اور فیّاضی

(۲۴۷) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ مَعْرُوْفٍ صَدَقَةٌ وَاِنَّ مِنَ الْمَعْرُوْفِ اَنْ تَلْقَى اَخَاكَ بِوَجْهٍ طَلْقٍ وَاَنْ تُفْرِغَ مِنْ دَلْوِكَ فِيْ اِنَاءِ اَخِيْكَ۔

(ترمذی عن جابر ابواب الصلۃ)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر نیکی پر اجر ہے۔ تو اپنے بھائی سے خندہ پیشانی سے ملے، نیکی ہے۔

اور اپنے ڈول سے تھوڑا سا پانی اپنے بھائی کے برتن میں ڈال دے، نیکی ہے۔"

تشریح: نیکیوں کی فہرست طویل ہے۔ اس حدیث میں صرف دو نیکیوں کا ذکر ہے:

(۱) اپنے بھائی سے مسکرا کر ملنا چاہیے۔

مومن ایک دوسرے کے بھائی ہیں، ایمان کا رشتہ، اہل ایمان کو ایک دوسرے سے جوڑ دیتا ہے اور حقیقت تو یہ ہے کہ دوسرے رشتوں کے مقابلے میں یہ رشتہ سب سے زیادہ قوی اور دیرپا ہے، دوسرے رشتے ٹوٹ بھی سکتے ہیں لیکن یہ ایک ایسا مضبوط رشتہ ہے جو نہ صرف دُنیا میں، بلکہ آخرت کی زندگی میں بھی برقرار رہے گا۔

مومن ہنس مکھ اور کُشادہ رُو ہوتا ہے، وہ ترش رُو ہوتا ہے نہ خُشک مزاج، بلکہ وہ اپنے مومن بھائی سے ہمیشہ خندہ پیشانی سے ملتا ہے۔ مومن کو چاہیے کہ وہ کسی مومن سے ترش رُوئی اور خشک مزاجی سے نہ ملے، بلکہ ملاقات کے وقت اس کا چہرہ کھلا اور خوش ہونا چاہیے۔ یہ امر واقعہ ہے کہ کوئی شخص، کسی دوسرے سے خندہ پیشانی سے نہیں مل سکتا جب تک کہ اس کا دل نفرت اور گھمنڈ سے پاک نہ ہو حضور صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے " اپنے بھائی کو خندہ پیشانی سے ملنے کو نیکی"

قرار دے کر اصل میں کینہ اور تکبر کی دیوار گرادی ہے۔ جو شخص بغض کی بیماری میں مبتلا ہو یا غرور اور گھمنڈ کی وادی میں بھٹک رہا ہو وہ کسی دوسرے سے کشادہ رُوئی سے نہیں مل سکتا، خصوصًا وہ کسی ایسے آدمی سے تو مُسکرا کر بات بھی نہیں کر سکتا جو اس سے مرتبہ میں کم ہو یا غریب اور بے اثر ہو۔

عِلم اور زُہد کے ان اجارہ داروں کو بھی اس حدیث پر غور کرنا چاہیے جنہیں عوام کی عقیدت سے لُطف اندوز ہونے کا شوق تو بہت ہے لیکن وہ کسی بے زر آدمی سے خندہ پیشانی سے ملنا پسند نہیں فرماتے۔

(۲) تمہیں کنجوس اور تنگ دل نہ ہونا چاہیے، کشادہ دلی کے ساتھ فیاضی کا برتاؤ کرو۔ جہاں تک ہو سکے تم اپنے حاجتمند بھائیوں کو نظر انداز نہ کرو۔

ضروریاتِ زندگی اور کھانے پینے کی چیزوں سے اپنے بھائیوں کی مدد کرنا نیکی ہے، اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو کسی پیاسے کو تھوڑا سا پانی دے دو۔

خدمتِ خلق کے چار اہم شعبے

(۲۴۸) قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

تَعْدِلُ بَیْنَ الْاِثْنَیْنِ صَدَقَۃٌ

وَتُعِیْنُ الرَّجُلَ فِیْ دَابَّتِہٖ فَتَحْمِلُہٗ عَلَیْھَا اَوْتَرْفَعُ لَہٗ عَلَیْھَا مَتَاعَہٗ صَدَقَۃٌ

وَالْکَلِمَۃُ الطَّیِّبَۃُ صَدَقَۃٌ

وَبِکُلِّ خَطْوَۃٍ تَمْشِیْھَا اِلَی الصَّلٰوۃِ صَدَقَۃٌ وَتُمِیْطُ الْاَذٰی عَنِ الطَّرِیْقِ صَدَقَۃٌ (مسلم عن ابی ہریرۃ کتاب الزکوٰۃ)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:

۲ دو آدمیوں کے درمیان عدل سے صلح کرا دو، یہ صدقہ ہے۔

کسی کو اس کی سواری پر بٹھا دو یا اس کا سامان اس کی سواری پر رکھ دو، یہ بھی صدقہ ہے

اچھی بات کہنا صدقہ ہے۔

تمہارا ہر وہ قدم، جس سے چل کر تم نماز کے لیے (مسجد میں) جاتے ہو، صدقہ ہے، راستہ سے تکلیف دینے والی چیزیں (کانٹے، پتھر، گندگی وغیرہ) ہٹانا صدقہ ہے۔"

تشریح: (۱) فسق و فجور کے دور میں طاقتور نہ صرف یہ کہ کمزور کو دبا کر رکھتا ہے، بلکہ اس پر زیادتی کرنا اپنا حق سمجھتا ہے مظلوم کو ظالم کی دراز دستی سے بچانا ہر شخص کے بس کی بات نہیں ہے، ان حالات میں ۲ دو آدمیوں کے درمیان عدل کے ساتھ صلح کرا دینا ایک ایسی وقیع نیکی ہے جس پر اللہ تعالیٰ سے بہت بڑے اجر کی توقع ہے۔

(۲) جو شخص معاون کے بغیر اپنی سواری پر نہ بیٹھ سکے یا اپنا سامان اپنی سواری پر نہ رکھ سکے اس کے تعاون کرنے پر اللہ تعالیٰ اجر دیتا ہے۔

اسی طرح وہ شخص بھی اللہ تعالیٰ سے اجروثواب پائے گا جس کے پاس سواری (مثلاً اونٹ، گھوڑا، کار، جیپ، اسکوٹر اور ٹرالی وغیرہ) ہو اور وہ کسی پیدل چلنے والے کو اپنی سواری پر بٹھالے یا اس کے ساتھ اس کے سامان کو بھی اپنی سواری میں جگہ دے۔

یہ طرزِ عمل، حسنِ اخلاق کا ایک حصّہ ہے۔ اس طرزِ عمل سے نفس کنجوسی، سنگدلی اور تکبّر کے جراثیم سے پاک ہوجاتا ہے خصوصاً بوڑھوں اور غریبوں کو اپنی سواری پر بٹھانا، تزکیۂ نفس کا مجرب نسخہ ہے بشرطیکہ یہ کام صرف اللہ کی رضا کے لیے کیا جائے۔

(۳) اچھّی بات سے مراد ہے سچّی بات جو محبّت آمیز لہجہ میں کہی جائے اور اسے سن کر مسلمان کا دل خوش ہوجائے، اس پر اللہ تعالیٰ اجر دیتا ہے۔

اہل ایمان کو ایک دوسرے سے بات چیت کرنے میں مہذب اور خوش اخلاق ہونا چاہیے۔ مومن کو دوسرے مومن سے نہ تو بے رُخی سے بات کرنی چاہیے اور نہ اس کی دلآزاری کرنی چاہیے، امیر کو غریبوں سے، زمین دار کو مزارعین سے اور سردار کو اپنے ملازمین سے، کارخانہ دار کو مزدوروں سے بات چیت کرنے میں اس ہدایت پر عمل کرنا چاہیے، اس سے نہ صرف یہ کہ اللہ تعالیٰ انہیں اجر عظیم دے گا، بلکہ اس سے معاشرے کو امن اور سکون کی نعمت بھی ملے گی۔

(۴) سڑک اور راستہ، انسان کے لیے ضروریاتِ زندگی میں سے ہے، بلکہ تمدّن اور معاشرت کی یہ ایک اہم اور ناگزیر ضرورت ہے، اس کی صفائی اور نظافت کا خاص خیال رکھنا چاہیے، اس پر سے "تکلیف دینے والی چیزوں کو ہٹانے" سے اجروثواب ملتا ہے اور حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اپنے ایک ارشاد میں تو اسے "ایمان کا ایک حصّہ" قرار دیا ہے۔

راہ گزر کی صفائی کا صلہ ــــــ جنت

(۲۴۹) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَرَّ رَجُلٌ بِغُصْنِ شَجَرَۃٍ عَلٰی ظَہْرِ طَرِیْقٍ فَقَالَ وَاللّٰہِ لَاُنَحِّیَنَّ ھٰذَا عَنِ الْمُسْلِمِیْنَ لَا یُؤْذِیْہِمْ فَاُدْخِلَ الْجَنَّۃَ۔ (مسلم عن ابی ہریرۃ کتاب البر والصلۃ)

"رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: ایک آدمی خار دار درخت کی ٹہنی پر سے گزرا جو راستے پر پڑی ہوئی تھی تو اس نے کہا اللہ کی قسم! میں اسے مسلمانوں کے راستہ سے ہٹا کر رہوں گا تاکہ وہ انہیں تکلیف نہ دے (اس نے اسے راستہ سے ہٹا دیا) تو اسے جنّت کا داخلہ مل گیا۔"

(۲۵۰) عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَقَدْ رَأَيْتُ رَجُلًا يَتَقَلَّبُ فِي الْجَنَّةِ فِي شَجَرَةٍ قَطَعَهَا مِنْ ظَهْرِ الطَّرِيْقِ كَانَتْ تُؤْذِي النَّاسَ۔

(مسلم ابی ہریرۃ کتاب البر والصلۃ)

"نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: میں نے ایک آدمی دیکھا ہے جو جنّت میں اپنی مرضی سے اس کی نعمتوں اور لذّتوں سے لطف اندوز ہو رہا تھا اس بنا پر کہ اس نے راستے سے ایک ایسے درخت کو کاٹ پھینکا تھا جس سے لوگوں کو تکلیف ہوتی تھی۔"

راہ گیروں کو ایذا نہ دو

(۲۵۱) عَنْ اَبِيْ بَرْزَةَ قَالَ قُلْتُ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ عَلِّمْنِيْ شَيْئًا اَنْتَفِعُ بِهٖ قَالَ اِعْزِلِ الْاَذٰى عَنْ طَرِيْقِ الْمُسْلِمِيْنَ۔

(مسلم کتاب البر باب فضل ازالۃ الاذی عن الطریق)

"حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے عرض کیا حضورؐ! مجھے ایسی چیز بتائیے جس پر عمل کرنے سے مجھے نفع ہو۔"

آپؐ نے (انہیں کچھ باتیں بتائیں پھر آخر میں) فرمایا "مسلمانوں کے راستے سے تکلیف دینے والی چیزیں (مثلاً غلاظت، کوڑا کرکٹ، مُردار وغیرہ) ہٹاتے رہو۔"

تشریح: اس کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ سڑک یا راستے پر چلنے والے "مسلمانوں کو ایذا دینے سے رک جاؤ" ان کو اپنی خواہشات نفس کا تختہ مشق نہ بناؤ، راہ چلتے "مسلمانوں کو ایذا دینے" کی کئی صورتیں ہیں، مثلاً: کسی سے اس کی کوئی چیز چھین لینا، کسی کی پٹائی کر دینا، کسی کو

گالی دینا، کسی کو دھمکی دینا، عورتوں پر آوازیں کسنا اور ان سے آنکھیں لڑانا وغیرہ۔

ستم رسیدہ حاجتمند کی مدد کرنا

(۲۵۲) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ صَدَقَةٌ
قَالُوْا فَإِنْ لَّمْ يَجِدْ
قَالَ فَلْيَعْمَلْ بِيَدَيْهِ فَيَنْفَعُ نَفْسَهٗ وَيَتَصَدَّقُ
قَالُوْا فَإِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ اَوْ لَمْ يَفْعَلْ
قَالَ فَيُعِيْنُ ذَا الْحَاجَةِ الْمَلْهُوْفَ
قَالُوْا فَإِنْ لَّمْ يَفْعَلْهُ
قَالَ فَيَأْمُرُ بِالْمَعْرُوْفِ
قَالُوْا فَإِنْ لَّمْ يَفْعَلْ
قَالَ فَيُمْسِكُ عَنِ الشَّرِّ فَإِنَّهٗ لَهٗ صَدَقَةٌ

(مشکوٰۃ عن ابی ہریرۃ کتاب الزکوٰۃ باب فضل الصدقۃ بحوالہ متفق علیہ)

"رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: ہر مسلمان کو صدقہ کرنا چاہیے۔ صحابہؓ نے عرض کیا: اگر اس کے پاس مال نہ ہو؟

آپؐ نے فرمایا: وہ محنت مزدوری کرے، اپنی ضرورت پوری کرے اور غریبوں کو بھی دے۔ صحابہؓ نے عرض کیا: اگر وہ یہ نہ کر سکے تو؟

آپؐ نے فرمایا: فریاد لے کر آنے والے مظلوم حاجتمند کی مدد کرے۔ صحابہؓ نے عرض کیا: اگر اس نے یہ نہ کیا ہو تو

آپؐ نے فرمایا: وہ بھلائی کا حکم دے۔

صحابہؓ نے عرض کیا: اگر اس نے یہ بھی نہ کیا ہو تو

آپؐ نے فرمایا: وہ برائی سے رک جائے، یہ بھی اس کے لیے صدقہ ہے۔"

تشریح: اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا ہے اور بے شمار ظاہری اور باطنی نعمتوں سے

اسے نوازا بھی ہے، اس بنا پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نعمتوں کا شکر ادا کرنے کے لیے ہر مسلمان کو غریبوں کی مالی اعانت کرنی چاہیے۔

۱۔ اگر اس کے پاس مال نہ ہو تو وہ محنت کرے اور کمائے، اپنی اور اپنے بال بچوں کی ضروریات پوری کرے اور غریبوں کو بھی دے۔

۲۔ جو شخص مزدوری نہ کر سکتا ہو یا راہِ خدا میں دینے کے لیے اس کے پاس کچھ بھی نہ بچے تو جب بھی کوئی مصیبت زدہ حاجت مند فریاد لے کر آئے اس کی مدد کرنے کے لیے وہ اُٹھ کھڑا ہو، اس کی حاجت کو پورا کرنے کے لیے وہ اپنا اثر و رسوخ استعمال کرے یا اپنے مال اور مفید مشورے سے اس کی مدد کرے۔

۳۔ اگر وہ اس کی استطاعت بھی نہ رکھتا ہو تو پھر وہ لوگوں کو نیکی کی دعوت دیتا رہے اور بُرائیوں سے روکتا رہے۔

یہ بات خاص طور پر ملحوظ رہے کہ جو شخص دوسروں کو نیکی کرنے پر اُبھارے وہ خود بھی اس پر عمل کرے ورنہ خیر اور نیکی کی دعوت بے معنیٰ ہو کر رہ جاتی ہے اگر دعوت دینے والے کی زندگی میں خیر اور نیکی نہ پائی جاتی ہو۔

۴۔ جو شخص خدا اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو وہ نہ تو اپنے زیر دستوں کو تنگ کرتا ہے اور نہ کمزوروں پر دست درازی کرتا ہے:

مباش دَرپئے آزار و ہرچہ خواہی کُن
کہ در شریعت ما غیر ازیں گناہے نیست

جس طرح صدقہ کرنا، اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر شُکر ادا کرنے کی ایک صورت ہے اسی طرح کسی ستم رسیدہ حاجتمند کی مدد کرنے کے لیے اُٹھ کھڑا ہونا یا لوگوں کو نیکی کی طرف بُلانا یا بُرائی سے رُک جانا بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر شکر ادا کرنے کی صورتیں ہیں۔

خدمتِ خلق کا نہایت اہم شعبہ، مظلوم کی مدد کرنا

(۲۵۳) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ
اُنْصُرْ اَخَاکَ ظَالِمًا اَوْ مَظْلُوْمًا

فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَنْصُرُهُ إِذَا كَانَ مَظْلُومًا أَفَرَأَيْتَ إِذَا كَانَ ظَالِمًا كَيْفَ أَنْصُرُهُ قَالَ تَحْجُزُهُ أَوْ تَمْنَعُهُ مِنَ الظُّلْمِ فَإِنَّ ذٰلِكَ نَصْرُهُ۔

(مسلم عن انس کتاب البر والصلۃ باب نصر الاخ ظالماً او مظلوماً)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: تم اپنے بھائی کی مدد کرو چاہے وہ ظالم ہو یا مظلوم،

ایک آدمی نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلّم) جب وہ مظلوم ہو میں اس کی مدد کروں گا لیکن یہ بتایئے کہ جب وہ کسی پر ظلم کر رہا ہو تو میں کیسے اس کی مدد کر سکتا ہوں۔

آپ (صلی اللہ علیہ وسلّم) نے فرمایا: تم اسے ظلم کرنے سے روک دو، یہ اس کی مدد کرنا ہے۔"

تشریح: معاشرہ ہمیشہ عدل اور انصاف کے اصولوں پر قائم رہ سکتا ہے۔ معاشرہ تباہ اور برباد ہو جاتا ہے اگر اس میں نہ تو مظلوم کی مدد کرنے کے لیے کوئی اُٹھے اور نہ ظالم کو ٹوکنے اور روکنے کی کسی میں جرأت ہو۔

اسلامی معاشرہ میں کوئی مظلوم اپنے آپ کو غیر محفوظ اور بے یار و مددگار نہ سمجھے، اس کی مدد کرنی چاہیے، کوئی شخص مظلوم کی مدد نہیں کر سکتا اگر وہ ظالم کو ظلم کرنے سے نہ روک سکے۔

ظالم کی مدد کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اسے ظلم کرنے سے روک دیا جائے۔ اگر ظالم، ظلم کرنے سے رُک جائے یا کسی کے خلاف اس کا ہاتھ نہ اُٹھے تو نہ صرف یہ کہ وہ لوگوں کی نفرت سے بچ جائے گا بلکہ قیامت کے دن ظلم کی سنگین سزا سے بچ جائے گا۔

تکلیف نہ ہو، بلکہ امر واقعہ یہ ہے کہ ہر وہ چیز جس سے لوگوں کو ایذا اور تکلیف پہنچے اس کا دُور کرنا اور اسے جڑ سے اُکھاڑ پھینکنا بہت بڑی نیکی ہے، اس کا صلہ، جنّت ہے۔

(۱۲) کسی راہ گیر کو اپنی سواری پر بٹھا لینا یا اس کے سامان کو اپنی سواری پر رکھ دینا بھی نیکی ہے۔

(۱۳) لوگوں کو نیکی کا حکم دینے اور بُرائی سے روکنے کا کام بھرپور اور منظم ہونا چاہیے، اس سے معاشرہ پُرامن ہو جاتا ہے۔

(۱۴) عوام کی خدمت کا میدان بہت وسیع ہے ہر مسلمان کو اپنی صلاحیت اور طاقت کے مطابق اس میں حصّہ لینا چاہیے۔ اس کا معمولی اور چھوٹا درجہ یہ ہے کہ آدمی کسی سے بُرائی نہ کرے۔ اس شر پسند دور میں وہ شخص بھی نیک اور عوام کا خیر خواہ ہے جس سے کسی بھی فرد بشر کو نقصان نہ پہنچے۔

جماعت اسلامی کیا ہے؟

شہادت حق	مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ
دعوت اسلامی کیا ہے؟	شعبۂ تنظیم
جماعت اسلامی کی دعوت	مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ
جماعت اسلامی ہند: حقائق اور الزامات	مولانا ابواللیث اصلاحی ندویؒ
جماعت اسلامی ہند کیا ہے اور کیا نہیں ہے؟	شعبۂ تنظیم
جماعت اسلامی ہند اور ملک وملت کی تعمیر میں اس کا رول	افضل حسینؒ
جماعت اسلامی ہند کیا چاہتی ہے؟	ڈاکٹر فضل الرحمٰن فریدی
جماعت اسلامی ہند: پس منظر، خدمات اور طریق کار	مولانا سید جلال الدین عمری
تحریک اسلامی دوسری اجتماعی تحریکوں کے مقابلے میں	نعیم صدیقی
تحریک اسلامی — کامیابی کے شرائط	مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ
تحریک اسلامی کی اخلاقی بنیادیں	مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ
تحریک اسلامی میں کارکنوں کے باہمی تعلقات	خرم مرادؒ
تشکیل جماعت اسلامی ہند- کیوں اور کیسے؟	مولانا ابواللیث اصلاحی ندویؒ
رودادِ اجتماع رام پور	شعبۂ تنظیم
روداد جماعت اسلامی (اول)	شعبۂ تنظیم
روداد جماعت اسلامی (دوم)	شعبۂ تنظیم
روداد جماعت اسلامی (سوم)	شعبۂ تنظیم
روداد جماعت اسلامی (چہارم)	شعبۂ تنظیم
رودادِ جماعت اسلامی (پنجم)	شعبۂ تنظیم
رودادِ مجلس شوریٰ (اول)	شعبۂ تنظیم
رودادِ مجلس شوریٰ (دوم)	شعبۂ تنظیم
مرکزی مجلس شوریٰ جماعت اسلامی ہند کی قراردادیں	شعبۂ تنظیم
مختصر تاریخ جماعت اسلامی ہند	محمد شفیع مونس
جماعت اسلامی ہند کی ترجیحات	ڈاکٹر محمد عبدالحق انصاری

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی ۲۵